اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ

اللہ تعالیٰ اور انسان

(نورِ قرآن میں)

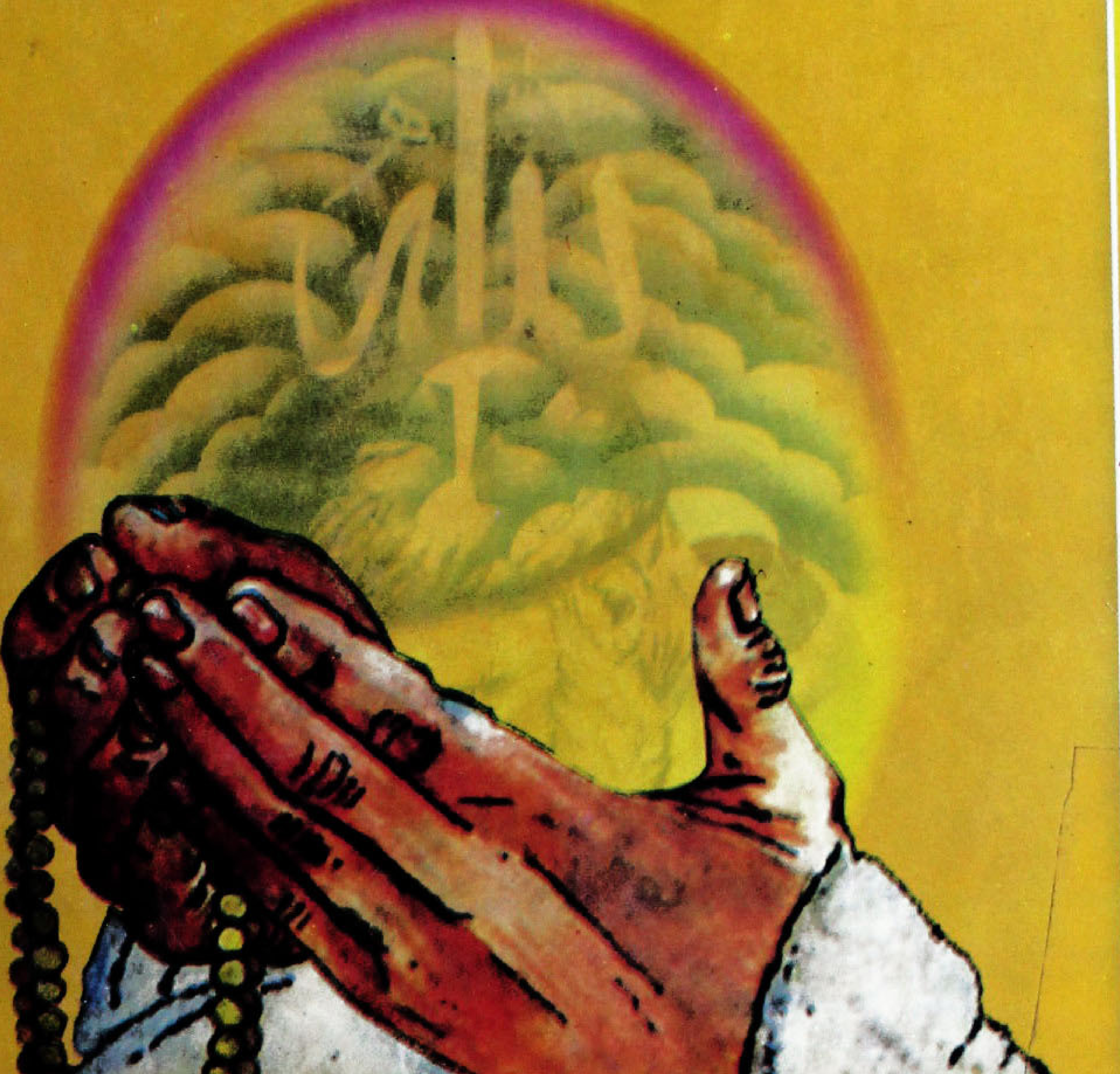

مؤلف

سعد اللہ ملک ایم اے - ایم - اے (ایڈ)

سابق ڈائریکٹر فارن ٹریڈ انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان (اسلام آباد)

زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ، لاہور

15466

Marfat.com

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ

اللہ تعالیٰ اور انسان

(نورِ قرآن میں)

مؤلف

سعد اللہ ملک ایم اے۔ ایم اے (ایڈ)
سابق ڈائریکٹر فارن ٹریڈ انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان (اسلام آباد)

زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ۔ لاہور
فون 042-7248657 فیکس 042-7112954
Mob: 0300-9467047 - 0321-9467047 - 0300-4505466
Email:zaviapublishers@yahoo.com

Marfat.com

زاویہ
پبلشرز

جملہ حقوق محفوظ ہیں

2008

بار اول ———— 1000

ہدیہ ———— /250 روپے

زیر اہتمام ———— نجابت علی تارڑ

لیگل ایڈوائزرز

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

ملنے کے پتے

مکتبہ اہل سنت امین پور بازار، فیصل آباد **0321-6639552**

کتاب گھر، کمیٹی چوک، راولپنڈی **051-5552929**

مکتبہ قادریہ نزد چوک میلاد مصطفیٰ سرکلر روڈ گوجرانوالہ 055-4237699

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

مکتبہ پاکستان سلطان حیدر آباد 0321-3025510

مکتبۃ المدینہ، فیصل آباد/ راولپنڈی/ ملتان/ حیدر آباد/ کراچی 021-2203311

اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک، راولپنڈی 0333-5205014

حنفیہ پاک پبلی کیشنز نزد بسم اللہ مسجد کھارادار کراچی

مکتبۃ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد 0333-7413467

مکتبہ قادریہ سبزی منڈی کراچی 021-4944672

مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی 021-4219324

عطار اسلامی کتب خانہ بازار کلاں نزد دو دروازہ سیالکوٹ 0345-6747131

مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور 042-7226193

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	حرفِ اوّل	11
	باب اوّل	16
	اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات	16
	وجودِ باری تعالیٰ	16
	وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں قرآنی دلائل	19
	وجودِ باری تعالیٰ کا احساس فطرتِ انسانی میں	20
	وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں کائنات کی گواہی	21
	تخلیقِ انسانی میں معرفتِ ربانی	37
	صفاتِ باری تعالیٰ	41
	وحدانیت	44
	ملوکیت	47
	رحمٰن ورحیم	50
	ربوبیت	52
	قدرت	57
	عالم الغیب اور علیم کا	[illegible]

Marfat.com

توحید ربوبیت	67
توحید الوہیت	68
توحید صفات	68
باب دوم	69
انسانی بعثت اور اُس کے تقاضے	69
خلافتِ انسانی	69
شیطان مردود کی بغاوت اور جنت سے اخراج	71
انسان کا انتخاب بطور خلیفہ	80
آدم اور حوا کا جنت سے اخراج	84
انسان کی حیثیت بطور خلیفہ	94
باب سوم	97
انسانی ہدایت کے ذرائع	97
ہدایت کا نور فطرتِ انسانی میں	98
کائناتی نشانیاں بطور نورِ ہدایت	106
انسانی پیدائش میں ہدایت کی نشانیاں	108
اللہ کے پیغمبر اور رسول ذریعہ ہدایت	109
۱-دعوتِ توحید	110
۲-قیام عدل	113
۳-صراطِ مستقیم کی نشان دہی (دین اور شریعت)	116
۴-تعلیم وتربیت اور تزکیہ نفس	120

Marfat.com

125	آسمانی کتابیں ذریعۂ ہدایت	۞
129	عالمگیر حیثیت	۞
130	تمام سابقہ کتابوں کی مہیمن	۞
131	مکمل اور غیر متبدل کتاب	۞
133	صالح انسان ذریعہ ہدایت	۞
140	**باب چہارم**	۞
140	عقائد وعبادات	۞
140	انسانی پرچہ	۞
142	عقائد	۞
143	اللہ تعالٰی پر ایمان	۞
144	اللہ تعالٰی کے فرشتوں پر ایمان	۞
144	اللہ تعالٰی کی کتابوں پر ایمان	۞
146	اللہ تعالٰی کے رسولوں پر ایمان	۞
147	آخرت پر ایمان	۞
148	عبادات	۞
150	نماز	۞
151	روزہ	۞
153	زکوٰۃ	۞
155	حج	۞
157	حمایتِ اسلام	۞
158	اخلاقِ حسنہ	۞
158	صبر	۞

Marfat.com

۞	سچائی اور راست بازی	161
۞	وفائے عہد	163
۞	امانت	165
۞	عدل وانصاف	167
۞	انفاق فی سبیل اللہ	168
۞	ایثار	170
۞	استغناوقناعت	171
۞	توکل	172
۞	تواضع	173
۞	حلم ودرگزر	175
۞	حیااورعفت	176
۞	حقوق	177
۞	اللہ تعالیٰ کے حقوق	177
۞	نفس کے حقوق	178
۞	بندوں کے حقوق	178
۞	انسانی اختیار میں دی گئی چیزوں کے حقوق	182
۞	**باب پنجم**	185
۞	دوانسانی زندگیاں	185
۞	دنیوی زندگی	186
۞	دنیوی زندگی کا مقصد انسانی آزمائش ہے	186
۞	دنیوی زندگی عارضی اور اخروی زندگی کے مقابلے میں ہیچ ہے	192
۞	دین یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ انسان دنیا ترک کر دے	196

Marfat.com

206	آخرت کو چھوڑ کر صرف دنیا چاہنے والوں کا انجام	۞
216	دنیوی نعمتیں اللہ کے قرب کا ثبوت نہیں	۞
222	اچھے برے اعمال کا بدلہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے	۞
231	**باب ششم**	۞
231	ایمان اور عملِ صالح	۞
232	حقیقی اور ظاہری ایمان	۞
233	حقیقی ایمان	۞
239	ظاہری ایمان	۞
240	منافق	۞
241	منافق کی خصوصیات	۞
241	نماز سے غفلت	۞
243	حرص مال اور وعدہ خلافی	۞
245	جہاد سے جی چرانا	۞
249	شک اور تذبذب	۞
253	دوغلہ پن	۞
255	جھوٹ اور جھوٹی قسمیں	۞
259	منافق اور گناہگار مسلمان میں فرق	۞
262	**باب ہفتم**	۞
262	توبہ اور رجوع إلی اللہ	۞
262	رحمتِ الٰہی سے مایوسی گناہ ہے	۞
267	رحمتِ الٰہی عدلِ الٰہی کے ساتھ منسلک ہے	۞
272	توبہ کے بنیادی اصول	۞

Marfat.com

272	توبہ ایمان کے ساتھ نافع ہے	۞
273	توبہ کی بنیاد خلوص نیت اور خوف خدا ہے	۞
279	توبہ موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے تک نافع ہے	۞
284	توبہ سے دنیوی سزا اور بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے	۞
287	اللہ تعالیٰ کو گناہ گار بندے کی توبہ بہت محبوب ہے	۞
293	انسانوں کو دی گئی دنیوی مصیبتوں اور سزاؤں کا مقصد توبہ کی رغبت دلانا ہے	۞
299	**باب ھشتم**	۞
299	اُخروی زندگی	۞
299	عالم برزخ	۞
300	قبر کی اصطلاح	۞
301	برزخ میں ارواح کا مسکن	۞
302	عذاب برزخ	۞
306	ثواب برزخ	۞
309	روح کے چار مقامات	۞
309	برزخ کے عذاب وثواب کی نوعیت	۞
313	عذاب برزخ کفارہ بھی ہے	۞
314	آخرت کی دوسری منزل (یوم القیامہ)	۞
314	قیامت کیوں ضروری ہے	۞
320	قیامت کیا ہے	۞
326	قیامت کب آئے گی	۞
326	قیامت کے آنے کا وقت صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے	۞
327	قیامت قریب ہے	۞

Marfat.com

۞	قیامت کی نشانیاں	329
۞	علاماتِ قیامت کی تین قسمیں	330
۞	ظہورِ قیامت	332
۞	قیامت کا زلزلہ	335
۞	پہاڑ اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائیں گے	338
۞	اجرامِ فلکی کا نظام اپنی بندش سے آزاد اور بے نور ہو جائے گا	340
۞	سمندر بھڑک اُٹھیں گے	341
۞	قیامت کے حالات، قیامت کے دن بادشاہی صرف اللہ کی ہوگی	342
۞	قیامت کے دن سارے رشتے ناطے ختم ہو جائیں گے	343
۞	قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا	345
۞	قیامت کے دن سفارش (شفاعت) کا تصور	348
۞	مشروط سفارش کی اجازت دے دی جائے گی	350
۞	قیامت کے بارے میں چند احادیث	355
۞	پانچ سوال	356
۞	پہلا حساب نماز کا	356
۞	لوگوں کے باہمی معاملات میں سب سے پہلا حساب خون کا	357
۞	روزِ قیامت بدلہ چکانے کا طریقہ	357
۞	قیامت کے دن حقیقی مفلس کون ہوگا	358
۞	اُمت محمد ﷺ کا حساب سب سے پہلے	359
۞	بلا حساب جنت میں جانے والوں کی تعداد	359
۞	تین نیکیوں پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت	360

Marfat.com

۞	**باب نہم**	361
۞	جنت اور دوزخ کی حقیقت	361
۞	جہنم یا دوزخ کیا ہے	361
۞	دوزخ کی آگ کی شدت	362
۞	دوزخ میں عذاب کی کیفیت	364
۞	دوزخیوں کا کھانا پینا	369
۞	جنت یا بہشت	373
۞	جنت کا نام	374
۞	جنت کا حقدار کون ہوگا	375
۞	جنت کی نہریں	377
۞	جنت کی نعمتیں	380
۞	روحانی نعمتیں	380
۞	جنت کی سب سے بڑی روحانی نعمت، اللہ کا دیدار	385
۞	جنت کی جسمانی نعمتیں	386
۞	جنت کے مشروبات	388
۞	جنت کے باغات پھل اور محلات	391
۞	جنتیوں کے لباس	396
۞	جنت کی عورتیں اور حوریں	397
۞	حوروں کی حقیقت	397

-----☆☆☆-----

Marfat.com

حرف اول

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور مسجود ملائکہ بنایا۔ اسے مختلف علوم عطا کرنے کے علاوہ سوچنے سمجھنے کی قوتیں دیں۔ بھلائی اور بُرائی کی تمیز عطا کی۔ انتخاب اور ارادے کی آزادی دی۔ تصرف کے اختیارات بخشے۔ اور چند ہدایات دے کر زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر اُتارا۔ منصب خلافت عطا کرتے وقت اس نے انسان پر واضح کیا کہ تمام جہاں کا خالق و مالک میں ہوں۔ میری دی گئی سلطنت میں نہ تم خود مختار ہو نہ کسی دوسرے کے بندے ہو۔ نہ میرے سوا کوئی ہستی تمہاری اطاعت و پرستش کی مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بھی صاف صاف بتا دیا کہ تمہارے انتخاب اور ارادے کی آزادی تمہارے اختیارت اور تصرفات تمہارے اعمال اور فیصلے چند احکامات کے تحت محدود ہوں گے تا کہ تمہارا امتحان لیا جائے جو کہ تمہاری بعثت کا اصل مقصد ہے۔ اس امتحان کا دورانیہ تمہاری پوری دنیوی زندگی ہو گا جس کے بعد تمہیں میرے پاس آنا ہو گا۔ جہاں دنیوی زندگی کی کارکردگی کی بنیاد پر تمہیں امتحان کا نتیجہ سنایا جائے گا اگر تم کامیاب ہو گئے تو انعام کے طور پر تمہیں جنت کا ابدی گھر ملے گا۔ لیکن اگر ناکام ہو گئے تو سزا کے طور جہنم کے اس گڑھے میں پھینک دیئے جاؤ گے جہاں خوفناک اور تند آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات عادل کل اور علیم و خبیر ہے۔ وہ انسانوں کو کوئی ایسا امتحان نہیں

Marfat.com

دینا چاہتا تھا جس کا پرچہ انسانی سکت اور عقل و شعور سے بالاتر ہو۔ یا جس میں انسان کسی محنت اور جدوجہد کے بغیر ہی کامیاب ہو جائے۔ کیونکہ اس طرح تو مقصد امتحان ہی فوت ہو جاتا لہٰذا امتحان کو منصفانہ اور متوازن بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو انسان کی فطرت میں نیکی کا مادہ ودیعت کر دیا۔ اسے ایسا ضمیر بخشا جو نیکی اور بُرائی میں تمیز کر سکے۔ اسے ایسا دماغ دیا جو اس کارخانہ قدرت کے مربوط نظام سے ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ادراک کر لے۔ پھر اس کی مکمل رہنمائی کے لئے انسانی تاریخ کے ہر دور میں اپنے پیغمبر اور رسول بھیجے جو وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اس کا پیغام وصول کر کے لوگوں تک پہنچاتے۔ پیغمبروں کے اس پیغام کو محفوظ کرنے اور آئندہ انسانی نسلوں تک کارآمد بنانے کے لئے آسمانی کتابیں نازل کیں۔ جن کی تعلیمات پیغمبروں کے بعد اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دوسرے انسانوں تک پہنچاتے رہے۔ مطلب یہ کہ باری تعالیٰ نے ایک طرف تو انسانوں کی ہدایت کے ذرائع پیدا کیئے۔ دوسری طرف شیطان اور اس کے چیلوں کو یہ اجازت دے دی کہ وہ مختلف ترغیبات کے ذریعے انسانوں کو گمراہ کریں۔ انہیں جھوٹے وعدے دیں۔ انہیں پرکشش امیدوں کے جال میں پھنسائیں۔ انہیں مال و دولت اولاد اقتدار اور جاہ و رتبہ کی بے جا محبت میں اس حد تک الجھائیں کہ وہ اپنا اصلی مقصد حیات ہی بھول جائیں امتحان کے اس سارے عمل میں انسان کو پوری آزادی دی گئی کہ وہ نیکی اور بُرائی کا انتخاب اپنی مرضی سے کرے تا کہ قیامت کے دن کوئی انسان یہ نہ کہہ سکے کہ میں تو مجبور محض تھا۔

اس امتحان میں دو طاقتیں انسان پر بیک وقت اثر انداز ہو رہی ہیں۔ ایک رحمانی طاقتیں جو انسان کو ہمیشہ نیکی کی ترغیب دے کر ایمان کی روشنی سے منور کرتی ہیں۔ منکرات سے روکتی ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول اور ان کے بعد ان

Marfat.com

کے نائبین اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے شامل ہیں۔ دوسری طرف شیطانی طاقتیں جو انسان کو صراط مستقیم سے ہٹا کر کفر کے اندھیروں میں لے جاتی ہیں۔ ان میں شیاطین جن وانس اور ان کے کارندے اور حمایتی شامل ہیں۔ رحمانی طاقتوں کا محور اس فانی دنیا اور اسکے لذائذ کی بجائے آخرت کی ہمیشگی اور ایک نہ ختم ہونے والی زندگی ہے۔ یعنی حاضر کی بجائے غائب اور مستقبل کی اہمیت۔ جب کہ شیطانی طاقتوں کے استدلال کا محور ہمیشہ اس دنیا کے لذائذ اور عیش وعشرت رہا ہے۔ انہوں نے انسانوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ بےوقوفو! جس چیز کو تم دیکھتے نہیں اور جس کا صرف وعدۂ بعید ہے۔ اس کے لئے دنیا کے لذائذ اور فوری فوائد کو قربان کرنا ایک گھاٹے کا سودا ہے۔ لیکن ان ہی انسانون میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ایسے بھی تھے اور قیامت تک رہیں گے جنہوں نے اُخروی زندگی کے وعدہ بعید پر یقین کر لیا اور شیطانی ترغیبات اور دنیوی لذات پر لات مار کر جنت کے مستحق ہو گئے۔ تو گویا تخلیق آدم اور کرۂ ارض پر اولاد آدم کی آمد کا مقصد ایک ایسا امتحان ہے جس میں دو طاقتیں یعنی رحمانی اور شیطانی یا روح اور نفس آپس میں نہایت دلچسپ اور ڈرامائی انداز میں برسرِ پیکار رہتی ہیں۔ اس جنگ میں کسی ایک طاقت کا پسپا ہونا اور دوبارہ نبرد آزما ہونا ایک فطری عمل ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔

قرآن مجید کا مرکزی مضمون انسان اور اس کی فلاح ہے۔ اس میں کہیں تو انسان کو پچھلی قوموں کی گمراہیوں کے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے تاکہ وہ ان قوموں کے بُرے انجام سے عبرت پکڑے۔ کہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ذکر ہے۔ جن کی ادائیگی میں انسان کی فلاح مضمر ہے۔ کہیں مربوط نظام کائنات کے ساتھ ساتھ باری تعالیٰ کی جامع صفات کا بیان ہے تاکہ انسان کا عقیدہ توحید اور عقیدہ آخرت پختہ

Marfat.com

ہو جائے۔ کہیں معاشی اور معاشرتی ضابطے بیان کئے گئے ہیں تاکہ انسان اپنی معاشی اور تمدنی زندگی کو راہ راست پر استوار کر سکے کہیں برائیوں سے اجتناب اور نیکیوں کا انتخاب کرنے کی تلقین ہے۔ کہیں نیک انسانوں کے لئے جنت کی خوشخبری تو بدکار انسانوں کے لئے جہنم کی وعید ہے۔ الغرض قرآن قدم قدم پر مختلف مگر جامع انداز میں زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ تاکہ وہ شیطانی حملوں سے بچ کر اُخروی فلاح حاصل کر سکے۔

اسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب ''اللہ تعالیٰ اور انسان'' لکھنے کی ایک حقیری کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ قرآنی آیات کی روشنی میں انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکے۔ اور ایک عام قاری کو بتایا جا سکے کہ انسان اس فانی دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے۔ اس نے یہاں کیا کرنا ہے اور اس کی کارکردگی کا انجام کیا ہوگا۔ قیامت کا آنا کیوں ضروری ہے۔ اور قیامت کے دن حساب و کتاب کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد مختلف انسانوں کا ٹھکانا کیا ہوگا۔ کتاب کی ابتدا ہی میں باری تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس محیرّ العقول نظام کائنات کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ انسان کا عقیدہ توحید اور عقیدہ آخرت پختہ ہو سکے۔ کیونکہ پختہ عقیدہ توحید ہی سارے اعمال کی بنیاد ہے۔

کتاب کا بنیادی مقصد ایک عام آدمی کی دینی رہنمائی اور اس میں دینی سوجھ بوجھ پیدا کرنا ہے۔ ایسا آدمی جو اوسط درجہ کا تعلیم یافتہ ہو۔ یا پھر ہمارے کچھ بھائی دنیوی علوم میں تو اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن دین کی بنیادی باتوں سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ بھائی بھی اس سے ضرور استفادہ کریں گے۔ اگر یہ حقیر سی کوشش کسی ایک انسان کی راہنمائی اور ہدایت میں بھی

Marfat.com

معاون ومدد ثابت ہو جائے تو میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھوں گا۔

کتاب میں فقہی مسائل یا تفسیری مباحث سے ہٹ کر دین کے بنیادی راہنما اصول بیان کیئے گئے ہیں۔ کیونکہ موضوع کی وسعت کے لحاظ سے دریا کو کوضے میں بند کرنا ضروری تھا۔ فقہی مسائل یا تفصیلی مباحث کے لئے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کی زبان نہایت سہل اور عام فہم ہے۔ جس سے معمولی پڑھے لکھے آدمی کو بھی سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ قرآنی آیات کا ترجمہ لکھنے میں بھی کوشش کی گئی ہے کہ وہ با محاورہ اور عام فہم ہو تا کہ عام قاری بھی آسانی سے سمجھ سکے۔

میں اس کتاب کی ترتیب اور مندرجات کے سلسلے میں مولانا عبدالمالک حیات خطیب جامع مسجد بلال راوی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ اور مولانا محمد عمر فاروق خطیب جامع مسجد المعراج تاجپورہ سکیم لاہور کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ہر موقع پر میری راہنمائی کی اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ کتاب پڑھنے کے بعد اپنی آراء تجاویز اور مشوروں سے ضرور آگاہ کریں۔ تا کہ اگلے ایڈیشن میں انہیں شامل کیا جائے۔

سعد اللہ ملک

15۔ راوی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

-----☆☆☆-----

Marfat.com

باب اول

اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات

وجود باری تعالیٰ

میرے بھائیو! جب ہم اس کائنات اور کارخانہ ہستی کے ایک اٹل محکم اور مستقل نظامِ قدرت پر غور کرتے ہیں تو لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کو بنانے والی کوئی ایسی ذات ہے جس کی خلاقی و کاریگری اور قدرت و دانائی اور ہمہ جہتی علم حدِ محسوس سے بالاتر ہے۔ ایک طرف ایک چھوٹی سی مخلوق چیونٹی یا مچھر کو لیجئے کتنے چھوٹے وجود کے ساتھ چلتے پھرتے کھاتے پیتے انڈے اور بچے دیتے ہیں۔ اسی وجود میں دیکھنے اور سونگھنے کی صلاحیت بھی ہے اور کاٹنے کی صلاحیت بھی۔ بلکہ انسانی مشاہدہ ہے کہ باریک چیونٹی زیادہ سخت کاٹتی ہے۔ مچھر اور چیونٹی سے بھی باریک ہزاروں حشرات الارض اس کائنات میں موجود ہیں اور ایک خالقِ حقیقی کے وجود کی گواہی دیتے ہیں۔

دوسری طرف ایک دیوہیکل مخلوق ہاتھی یا اونٹ کو دیکھئے۔ ظاہری جسامت اور حلیہ دیکھ کر تو انسان خوف کے مارے بھاگ جاتا۔ لیکن نہیں ایک اعلیٰ ہستی

Marfat.com

نے ان دیوہیکل جانوروں کو انسان کے تابع کر دیا۔ اب ایک بچہ ایک اونٹ کی نکیل تھام کر چلتا ہے تو بیسیوں اونٹ اس بچے کے پیچھے چل کر انسان کے لیے تسخیرِ کائنات کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس نے اپنی بے مثال کاریگری اور حکمت سے اشرف المخلوقات انسان کو ایک چیونٹی اور مچھر کے سامنے تو بے بس کر دیا لیکن اونٹ اور ہاتھی جیسے جانوروں کو اس کے تابع کر دیا کہ وہ اس کے ایک ایک اشارے پر چلتے ہیں۔

اجرام فلکی کے نظام پر غور کیجئے۔ یہ چاند سورج ستارے صدیوں سے ایک مستقل ضابطے کے تحت اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ مجال ہے ان کی حرکات وسکنات طلوع وغروب میں ایک سیکنڈ کا فرق آجائے۔ نہ اپنا راستہ بدلتے ہیں نہ آپس میں ٹکراتے ہیں۔ نہ گھس کر پرانے ہوتے ہیں۔ بلکہ قیامت تک ایک ہی ضابطے کے تحت اپنا اپنا کام کرتے رہیں گے۔ آخر کوئی ہستی تو ہے کہ جس کے ضابطے اتنے محکم اور اٹل ہیں کہ ان میں سرِ موفرق نہیں آتا۔ رات اور دن کا نظام صدیوں سے ایک ہی ڈھب پر چل رہا ہے۔ نوٹ کیجئے اگر کسی مقام پر یکم دسمبر ۱۰۰۵ء کو سورج پانچ بج کر دس منٹ پر غروب ہوا ہے تو اُسی مقام پر ہزار سال بعد یکم دسمبر ۲۰۰۵ء کو بھی پانچ بج کر دس منٹ پر غروب ہوگا۔

زمین اور آسمان پر نگاہ ڈالیے۔ اتنا بڑا آسمان بغیر کسی ظاہری سہارے کے صدیوں سے کھڑا ہے۔ کیا اس دنیا میں ایسی کوئی ہستی ہے جو اتنی بڑی چھت ایک سیکنڈ کے لیے بھی کھڑی کر سکے۔ زمین پر پہاڑ سمندر میدان صحرا اپنی اپنی جگہ صدیوں سے انسان کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایک ہی پہاڑ سے انسانی زیبائش

Marfat.com

کے لیے سونا بھی نکل رہا ہے۔ انسانی مشینوں کے لئے لوہا بھی نکل رہا ہے۔ انسانی خوراک کے لیے نمک اور پانی بھی نکل رہا ہے۔ اور انسانوں کی عمارات کے لیے پتھر بھی نکل رہا ہے۔ اسی لیے باری تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے کائنات کی ساری چیزیں انسان کے لیے مسخر کردی ہیں۔ سمندر ایک ہی ہے لیکن اس کی دو ملحقہ لہروں کے پانی کا ذائقہ مختلف ہے۔ ایک ہی درخت پر مختلف رنگوں اور مختلف ذائقوں کے پھل لگتے ہیں۔ بارش اور بادلوں کا نظام دیکھیے۔ دنیا میں ہر سال لاکھوں ٹن بارش ہوتی ہے جسے زمین اور سمندر اپنے اندر سمو لیتے ہیں۔ اگر خالق حقیقی ایک خاص نظام کے تحت اس پانی کو ہواؤں کے ذریعے انسانی خدمت میں نہ لگائے تو انسان پانی سے ہی نہ نجات حاصل کر سکے۔ خصوصاً جب کہ زمین پر پہلے ہی دو تہائی پانی ہے۔

مویشیوں میں صرف دودھ دینے والے جانوروں کو ہی لے لیجئے۔ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری چارہ کھاتے ہیں۔ اُسی چارہ سے دودھ بھی بنتا ہے۔ گوبر بھی بنتا ہے اور جسم کی غذائیت بھی۔ یہ بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کوئی ایسی غالب ہستی ہے جس نے ایک باریک چھانی کے ذریعے چارے کے اجزاء کو خون دودھ اور گوبر میں تبدیل کر دیا۔ مجال ہے کبھی گوبر میں دودھ مل جائے یا دودھ میں گوبر مل جائے حالانکہ چارہ تو ایک ہی کھایا جاتا ہے۔

انسان کی اپنی پیدائش پر نظر دوڑائیے۔ ایک ناپاک قطرہ ماں کے رحم میں مختلف مراحل سے گزر کر ایک زندہ انسان بن جاتا ہے۔ جو سنتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے، سوچتا بھی ہے اور بحث و تکرار بھی کرتا ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ خون کے

Marfat.com

لوتھڑے میں جان کیسے پڑ گئی۔ انسانی نقش ونگار کیسے بنتے چلے گئے۔ پھر رحم مادر میں بچہ پانچ چھ ماہ کیسے زندہ رہتا ہے۔ جب کہ تین پردوں کے اندر نہ اُسے ہوا میسر ہوتی ہے نہ وہ سانس لے سکتا ہے۔ یقیناً ایک اعلیٰ ترین ہستی ہے جو یہ سب کام صرف ایک لفظ 'کُن' سے کرتی ہے۔ انسان کا اپنا چہرہ ایک مربع فٹ سے زیادہ سائز کا نہیں ہوگا۔ چہرے کی بناوٹ بھی بالکل سادہ اور یکساں ہے یعنی ہر چہرے پر ناک، رخسار، آنکھ، پیشانی، دانت اور ہونٹ ہوتے ہیں۔ تو کیا اس وقت زمین پر بسنے والے پانچ ارب سے بھی زیادہ انسانوں میں کوئی ایسا ہے جس کا چہرہ کسی دوسرے انسان سے اتنا مشابہ ہو کہ وہ پہچانا بھی نہ جائے۔ صرف چہرے کی بناوٹ کا تنوع اربوں میں نہیں قیامت تک کھربوں میں بھی جا سکتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر انسان کی انگلی کی پور کی لکیروں کو دیکھیں۔ اَن پڑھ آدمی کسی بیان یا گواہی پر دستخط کرنے کی بجائے انگوٹھے کا نشان لگاتا ہے۔ تاکہ انگوٹھے کی لکیروں سے اس کی پہچان ہو سکے۔ انگوٹھے کی پور کی لکیریں تو زیادہ سے زیادہ ایک مربع انچ میں محدود ہوں گی۔ لیکن اربوں انسانوں کی ایک انچ میں پھیلی ہوئی لکیریں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں جس سے لکیروں کے تنوع کی بنیاد پر ان کی پہچان ہوتی ہے۔ کیا کوئی جن کوئی فرشتہ کوئی بت کوئی انسان یہ کام کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو صرف اسی ہستی کا کام ہے۔ جس کو ''اللہ'' کہتے ہیں۔ جو ہر چیز پر قادر، علیم، بصیر، خبیر اور حکیم ہے۔

وجود باری تعالیٰ کے بارے میں قرآنی دلائل

پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کی بعثت عمومی تھی۔ جو ہر زمانہ ہر قوم اور

Marfat.com

قیامت تک پوری دنیا کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ انسان کی علمی اور سائنسی ترقی کے ساتھ بڑے بڑے فلاسفر سائنسدان اور عقلائے زمانہ پیدا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں سوال کریں گے اور ہر شے ثبوت اور دلیل کی محتاج ہوگی۔ لہٰذا محمد ﷺ کو جو قرآنی وحی عطا کی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں مختلف دلائل اور شواہد سے بھرپور ہے۔ یہاں صرف چند دلائل کا ذکر کیا جائے گا۔

وجودِ باری تعالیٰ کا احساس فطرتِ انسانی میں:

وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں قرآن کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس قادر مطلق کی ہستی کا احساس انسانی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ آثارِ قدیمہ اور قدیم تاریخی معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانے کی اقوام خواہ وہ متمدن ہوں یا وحشی کسی نہ کسی شکل میں خالقِ کائنات کے تصور سے بہرہ ور رہی ہیں۔ اور نسل انسانی کا کوئی بھی طبقہ کسی بھی زمانے میں ذاتِ باری تعالیٰ کے تخیل سے خالی نہیں رہا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کا تصور ہر انسان کے فطری اور وجدانی جذبات میں داخل کر دیا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس تصور کو پروان چڑھانے اور صحیح سمت دینے کے لیے پیغمبروں کی راہنمائی درکار ہوتی ہے۔

انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا اعتراف روز اول کا وہ عہد و پیماں ہے جو اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی سے تخلیقِ آدم کے موقع پر لیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى

Marfat.com

نَفْسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۚ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ (الاعراف ۷:۱۷۲)

ترجمہ: اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی نسل کو نکالا اور خود ان کو ان ہی پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا: 'ہاں' آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ ہم اس پر گواہ ہیں۔

متعدد احادیث کی روشنی میں یہ معاملہ تخلیق آدم کے موقع پر پیش آیا تھا۔ جب پوری نسل آدم جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی کو اللہ تعالیٰ نے وجود اور شعور عطا کر کے اپنی ربوبیت کی شہادت لی تھی۔ اسی بنا پر قیامت کے دن بنی آدم پر حجت قائم کرنے کے لیے اس ازلی عہد و پیمان کو بھی سند کے طور پر پیش کیا جائے گا۔

اگر غور سے سوچا جائے تو یہ تخمِ ہدایت جو انسانی فطرتِ سلیمہ میں بکھیرا گیا ہے انسانی ہدایت کی بنیاد ہے۔ اسی سے انسان میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں غور و فکر کی قابلیت اور پیغمبروں کی دعوت پر لبیک کہنے کی صلاحیت ابھرتی ہے۔ یہ اسی ازلی اور خدائی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر زمانے اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ ورنہ اگر انسانی قلوب اس ابتدائی تخم ریزی سے خالی ہوتے تو وجودِ باری تعالیٰ کا احساس ایک نظریاتی مسئلہ بن جاتا اور انسان منطقی دلائل دے کر مختلف نظریات پیش کرتے اور کبھی ایک نظریہ پر متفق نہ ہوتے۔

وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں کائنات کی گواہی

قرآن پاک میں باری تعالیٰ نے انسان کو اپنی ہستی اور قدرت کا احساس

Marfat.com

دلانے کے لیے اس کی توجہ بار بار اور مختلف انداز میں مختلف کائناتی اشیاء کی پیدائش نظم ونسق اور افادیت کی طرف مبذول کرائی ہے۔ تاکہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا احساس پیدا ہو اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ یہ مربوط نظامِ کائنات سوائے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے نہ کوئی پیدا کرسکتا ہے اور نہ قائم رکھ سکتا ہے اور نہ تباہ کرسکتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآنی آیات درج ذیل حقائق کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔

۱- یہ مربوط کائناتی نظام بشمول انسان نہ خود بخود وجود میں آیا ہے نہ خود بخود چل رہا ہے بلکہ اسے پیدا کرنے چلانے اور پھر سمیٹنے کے لیے ایک اعلیٰ ہستی موجود ہے جس کا نام اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر یہ کہ یہ ہستی صرف ایک ہے۔ ان کاموں میں اس کا کوئی ساتھی مددگار یا ہمسر نہیں۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو مان کر صرف اسی کے سامنے جھک جائے۔

۲- کائنات کی ساری چیزیں انسانی مشاہدہ میں ہیں۔ انسان کو کوئی نظریاتی چیز نہیں پیش کی جارہی کہ اسے ماننے میں تامل ہو۔ وہ ہر روز کائناتی نظام کی کارکردگی کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرتا ہے۔ لہٰذا عقل کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید میں حجت بازی اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لے۔ کیونکہ کسی چیز کو دیکھ کر نہ ماننا ہٹ دھرمی کی انتہا ہے۔

۳- کائناتی اشیاء انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ تاکہ ان سے مستفیض ہو کر وہ دنیوی زندگی میں آسانیاں پیدا کرے اور اخروی زندگی کی تیاری کرسکے۔ جب انسان پر اتنی نعمتیں برسائی گئی ہیں تو اس کی زندگی کا بھی کوئی نہ کوئی

۱۱۶۹۹۶

Marfat.com

مقصد ہونا چاہیے جو یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر آخرت کی کامیابی حاصل کرے۔ اور نہیں تو ان نعمتوں کا بطور شکر ہی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا حق ادا کرے۔

۴- جب کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ایک لفظ 'کُن' سے وجود میں آسکتی ہے تو مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا کونسی انہونی ہے۔ یہ زمین آسمان، پہاڑ، سمندر اور رات دن کے مربوط نظام کا پیدا کرنا یقیناً مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ لہٰذا قیامت کے ماننے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے۔

۵- کائناتی اشیاء کے مربوط نظام اور اس کی افادیت کو دیکھ کر عقل والے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ادراک کر لیتے ہیں۔ اور جو لوگ کائناتی نشانیاں دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی قیامت اور حساب و کتاب کے بارے میں متذبذب رہتے ہیں۔ وہ قرآنی آیات کی روشنی میں عقل والے نہیں خواہ انہوں نے دنیوی علوم میں کتنی مہارت حاصل کی ہو کتنی ڈگریاں لی ہوں اور کتنے ہی فلسفے گھڑے ہوں۔

۶- کائنات کی ہر چیز انسانوں کے جعلی اور خودساختہ معبودوں کے لیے ایک چیلنج ہے کہ وہ اس جیسی کوئی چیز بنا کر دکھائیں یا اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت میں کوئی خلل ڈال کر دکھائیں۔ ظالم بادشاہ نمرود نے حضرت ابراہیم کی دعوتِ توحید کا جواب حجت بازی سے دیتے ہوئے کہا کہ اگر تمہارا رب مارتا اور زندہ کرتا ہے تو یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں۔ اور یہ ثابت کرنے کے لیے

Marfat.com

اس نے ایک بے قصور شخص کو قتل کر دیا اور موت کے قیدی کو چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت ابراہیم نے اس مغرور اور احمق بادشاہ کو لاجواب کرنے کے لیے نظامِ قدرت کا حوالہ دیا اور کہا کہ میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا۔ یہ چیلنج سن کر نمرود بھونچکا رہ گیا۔

۷- کائناتی اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ بعض چیزیں براہِ راست انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں جیسے سورج چاند اور بعض چیزوں کو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل کے ذریعے اپنے کنٹرول میں لاتا ہے۔ کائنات میں غور و فکر کرنا اور انسانی ضروریات کی تسکین کے لیے نئی چیزیں ایجاد یا دریافت کرنا گویا عین رضائے خداوندی ہے۔ بشرطیکہ اس سائنسی جدوجہد میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کو بے دخل نہ کیا جائے۔ علامہ اقبال کے مطابق کائنات میں غور و فکر کرنے والا سائنسدان بھی ایک طرح سے عبادت کرنے والے صوفی کی مانند ہے۔ لہٰذا سائنس اور مذہب میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ ایک سائنسدان بھی اللہ تعالیٰ کی مسخر کی ہوئی چیزوں کو دریافت کرتا ہے۔ کائنات کی قوتوں کو مسخر کرنا ان کو انسانی ضروریات کے لیے کارآمد بنانا انسانی فریضہ ہے۔ جو سائنس کا بنیادی فسلفہ ہے۔ ایک عقلمند سائنسدان اسی سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ادراک کر لیتا ہے۔

۸- بعض لوگ سائنسی تحقیقات اور اس کے نتیجے میں نت نئی ایجادات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے دخل کر کے انہیں خالص انسانی عقل اور اشیاء کی طبعی خصوصیات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر رب

Marfat.com

ذوالجلال سائنسدانوں کو تحقیقی فہم اور علمی شعور نہ دے تو کیا وہ ایک ذرہ بھی دریافت کر سکتے ہیں؟ اور پھر مختلف مادی اشیاء کو جن پر سائنسی تجربات کیے جاتے ہیں پیدا کرنے والا اور انہیں خاص خصوصیات سے نوازنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو ایٹم بم ایک مچھر بھی نہیں مار سکتا اور اگر وہ چاہے تو ایک مچھر نمرود جیسے بادشاہ کو فنا کر سکتا ہے۔ یہ چیزیں انسانی مشاہدے میں آتی رہتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ طوفانِ نوح میں پانی نشیب سے پہاڑ کی طرف بہا۔ چند سال پہلے امریکہ کا ایک خلائی جہاز جسے سالہا سال کی تحقیقی کاوشوں سے بنایا گیا تھا زمین سے اڑتے ہی بھسم ہوگیا۔ جس کی کوئی وجہ بھی نہ بتائی جا سکی۔ یہ اور ایسے واقعات یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ ہر سائنسی عمل اور ہر طبعی قانون اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہے۔

۹- قرآن پاک کوئی سائنس یا فلسفے کی کتاب نہیں کہ ہر سائنسی یا علمی نظریہ کو قرآنی تعلیمات کے ساتھ منطبق کیا جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لیے اتاری گئی کتاب ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کوئی بھی قابل قبول سائنسی نظریہ قرآنی تعلیمات کے خلاف نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کی ایک ایک خوبی سے آگاہ ہے۔ انسان اپنی پوری علمی اور سائنسی کاوشوں کے باوجود ان خوبیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن نے جو رموزِ کائنات آج سے چودہ سو سال پہلے بیان کر دیئے ہیں سائنسدان اب صدیوں کی محنت اور کوشش کے بعد ان میں سے بعض تک پہنچ پائے ہیں۔

Marfat.com

یہ قرآن کے من جانب اللہ تعالیٰ ہونے کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ سائنسی نظریات انسانی عقل وفکر اور تعلیم و تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں جن میں بہتری اور تبدیلی بھی لائی جا سکتی ہے۔ وہ کبھی حرفِ آخر نہیں ہو سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بیان کیے گئے کائناتی حقائق اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کا شاہکار ہیں۔ جو نہ غلط ہو سکتے ہیں نہ تبدیل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا سائنس کا کوئی بھی نظریہ اگر قرآن پاک کے خلاف ہو تو قرآن پاک کے مطالب کو کھینچ تان کر اُس سائنسی نظریے کے مطابق کرنے کی بجائے یہ سمجھنا چاہیے کہ ابھی سائنسی تحقیق ادھوری ہے اور اس وقت تک ادھوری رہے گی جب تک اخذ شدہ نتائج قرآنی حقائق سے مطابقت اختیار نہیں کر لیتے۔

قرآن پاک میں باری تعالیٰ مظاہر قدرت کو مختلف انداز میں اپنی ہستی اور صفاتِ کاملہ پر گواہ لائے ہیں۔ اور استفہامیہ انداز میں پوچھا گیا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ذوالجلال کے علاوہ کوئی اور ہستی ایسا کام کر سکتی ہے۔ اگر نہیں تو پھر عقل کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مان کر اُسی کی تابعداری ور پوجا کی جائے۔ مثلاً زمین اور آسمان کے بارے میں فرمایا:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ○ (النمل-۶۰)

ترجمہ: بھلا بتاؤ تو؟ کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے تمہارے

Marfat.com

لیے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اُگا دیئے۔ تمہارے لیے ہرگز ممکن نہ تھا کہ ان باغوں کے درختوں کو اگا سکتے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے۔ (نہیں) بلکہ یہ لوگ (سیدھی راہ سے) ہٹ رہے ہیں۔

یہاں ایک عام انسان شیطانی دھوکے میں آکر کہہ سکتا ہے کہ چلو زمین آسمان کا پیدا کرنا یا بارش کا برسانا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ یہ باغوں کے درخت تو انسان اپنی مشقت سے خود اُگاتا ہے۔ میرے بھائیو! ذرا ایک لمحہ سوچیے۔ انسان کو درخت اُگانے کے لیے کون طاقت دیتا ہے۔ زمین کو روئیدگی کون بخشتا ہے۔ دانے کو اگنے کی خصوصیت سے کون نوازتا ہے۔ آخر انسان نے اپنی روزی کمانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور قوتوں کو تو اپنے استعمال میں لانا ہی ہے۔

آسمانوں کی لاجواب تخلیق کی طرف توجہ دلا کر باری تعالیٰ نے اپنی ہستی کا احساس دلانے کے لیے انسانوں کو چیلنج کیا کہ میری تخلیق میں کوئی کمی یا نقص ہے تو نکال کر دکھاؤ۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ○ (الملک ۳-۴)

ترجمہ: جس نے سات آسمان اُوپر تلے بنائے (اے دیکھنے والے) تو اللہ تعالیٰ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا۔ دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے۔ پھر لوٹا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ

Marfat.com

تیری طرف ذلیل و عاجز ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی۔

مطلب یہ کہ انسان جتنی مرتبہ اور جس زاویے سے بھی آسمان جیسی عظیم تخلیق کو دیکھ لے۔ اُسے کوئی نقص یا کمی محسوس نہیں ہوگی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کی پہچان تو ہو جانی چاہیے۔

زمین کی ساخت اور اس پر پہاڑوں کی بناوٹ اور دریاؤں اور سمندروں کی سجاوٹ کا ذکر کر کے انسانوں کو اپنی ہستی کا احساس دلایا۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (النمل-٦١)

ترجمہ: بھلا کس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کیے۔ اور اس میں پہاڑوں کی میخیں ڈال دیں۔ اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیئے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے۔ (جو یہ کر سکے) نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں (کہ ان مظاہر قدرت سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ادراک نہیں کرتے)

یعنی زمین جو اندر سے گرم لاووں سے بھری ہوئی ہے کو پہاڑوں کے بھاری بوجھ ڈال کر اس قابل بنایا کہ انسان اپنی مرضی سے چلتا پھرتا ہے۔ رہنے کے لیے بڑے بڑے محلات اور پلازے تعمیر کرتا ہے۔ اور اپنی روزی کے لیے اس کے خزانوں سے مستفیض ہوتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کبھی کبھی زلزلوں کی شکل میں اس کو ہلکی سی جنبش دیتا ہے۔ تاکہ طبعی قوانین کے غلام انسان عبرت پکڑیں کہ اگر باری تعالیٰ چاہے تو اتنی جامد اور ساکن زمین کو ایک سیکنڈ کے اندر کیا سے کیا کر سکتا

Marfat.com

ہے۔اسی زمین پر انسانی ضروریات پوری کرنے کے لیے سمندر اور دریا بہہ رہے ہیں۔ایک ہی سمندر ہے پانی کے دو ذخیرے میٹھا اور کڑوا ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ جیسے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا ہو۔ نہ میٹھا کڑوے میں ملتا ہے نہ کڑوا میٹھے میں۔

سمندروں کی تسخیر کا ذکر کر کے فرمایا:

اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ فِیْہِ بِاَمْرِہٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۝ (جاثیہ۱۲)

ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تا کہ اُس کے حکم سے اُس میں کشتیاں چلیں اور تم اُس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو جاؤ۔

سمندر کی تند و تیز لہروں کے سامنے ایک نحیف انسان کیا چیز ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اربوں ٹن پانی کے ذخیروں کو انسان کے تابع کر دیا۔انسان اس میں گھنٹوں نہیں بلکہ مہینوں اور سالوں بڑے اطمینان سے کشتیوں اور جہازوں میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے۔ ذرا ایک لمحہ سوچیے اگر سمندر انسان کے تابع نہ ہوتے تو کیا بین الاقوامی تجارت کا یہ حجم ممکن تھا؟ اور اب تو انسان سمندر کی گہرائیوں سے قیمتی دھاتیں اور تیل تک نکال رہا ہے۔حتیٰ کہ کئی کھیلیں بھی سمندر کے پانیوں میں منتقل ہو چکی ہیں۔آیت مبارکہ کے آخر میں سمندروں کی تسخیر کا مقصد بھی بتا دیا کہ انسان اِس تسخیر کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور احسان سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ یعنی اُس کی ہستی اور قدرت کا ادراک کرے۔

اپنی معرفت سے روشناس کرانے کے لیے انسانی توجہ دودھ دینے والے

Marfat.com

جانوروں کی طرف مبذول کرائی۔

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ط نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ (النحل-٦٦)

ترجمہ: اور تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہے۔ ہم تمہیں ان کے پیٹوں کے اندر سے گوبر اور خون کے بیچ میں خالص اور پینے والوں کے لیے خوشگوار دودھ پلاتے ہیں۔

یعنی چارہ ایک ہی کھاتے ہیں۔ جو ہضم ہو کر دودھ گوبر اور خون میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مجال ہے کہ دودھ گوبر اور خون ایک دوسرے میں رَل مل جائیں۔

چھوہاروں اور انگور کے پھلوں کو اپنی معرفت کا نشان بتایا۔

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ط اِنَّ فِيْ ذَالِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (النحل ٦٧)

ترجمہ: اور چھوہاروں اور انگور کے پھلوں کو دیکھو کہ ان میں سے تم نشہ اور اچھی روزی حاصل کرتے ہو۔ ان میں عقل والوں کے لیے نشانی ہے۔

باری تعالیٰ نے ان پھلوں میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں کہ ایک طرح سے کھاؤ تو تمہاری قوت بڑھاتے ہیں اور دوسری طرح یعنی بطور منشیات استعمال کرو تو تمہاری قوت ضائع کر دیتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت پر غور کر کے صرف عقلمند لوگ ہی معرفتِ الٰہی حاصل کرتے ہیں۔

دانے اور گٹھلی کا مردہ زمین کو پھاڑ کر باہر نکلنا بھی معرفتِ الٰہی کی ایک نشانی بتائی۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ○ (الانعام۹۶)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ہے دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا۔ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔ اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔

کسی اناج کے ایک دانے یا پھل کی ایک گٹھلی کو جو دونوں بے جان ہیں ایک تیسری بے جان چیز یعنی زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ چند دنوں بعد کسی نہ نظر آنے والی چیز کا مخفی ہاتھ اُس زمین کو اندر ہی اندر پھاڑ کر ایک نرم و نازک ریشے کی شکل میں باہر نکالتا ہے جو ایک زندہ پودے کی شکل میں نشو و نما پاتا ہے۔ ان پودوں سے جو دانے اور پھل حاصل ہوتے ہیں۔ وہ پہلے کی طرح پھر بے جان ہیں۔ اسی طرح کائنات کی کئی اور چیزوں کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ جیسے انڈا سے مرغی اور مرغی سے انڈا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک بے جان چیز خود بخود کیسے زندہ ہو جاتی ہے۔ اور ایک جاندار چیز بے جان چیز کو کیسے جنم دیتی ہے۔ اگر انسان کے حواس ٹھیک ہوں اور وہ بہکا ہوا نہ ہو تو ضرور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کی طرف خیال جائے گا۔

رات اور دن کے بنانے کو اپنی نعمت کے طور پر پیش کیا۔ تا کہ انسان اس نعمت کے خالق کو پہچان کر اُس کا شکر ادا کریں۔

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○ (القصص ۷۳)

Marfat.com

ترجمہ: اور اُس نے اپنی مہربانی سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ اس میں آرام کرو اور اس کا فضل (رزقِ حلال) تلاش کرو اور تا کہ تم شکر گزار بنو۔

یعنی رات کو نیند کے ذریعے آرام اور سکون و راحت حاصل کرو۔ اور دن کے اجالے میں دنیا کے کاروبار اور روزی کمانے کے دھندے کرو۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہمیشہ دن رہتا یا ہمیشہ رات رہتی (جو باری تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں) تو انسانوں کا کیا حشر ہوتا۔ اور پھر رات اور دن کا نظام جو کائنات کی ابتدا سے ایک ہی ڈگر پر چل رہا ہے اور قیامت تلک چلتا رہے گا کیا ایک خالق حقیقی اور علیم وقدیر ہستی کا پتہ نہیں دیتا۔

انسانی نیند کو بھی اپنی معرفت کے لیے بطور نشانی پیش کیا۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ (الروم-۲۳)

ترجمہ: اور اُس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اس کے فضل (رزقِ حلال) کو تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں (غور سے) سننے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

انسانی سکون اور جسمانی توانائی حاصل کرنے کے لیے نیند ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ روزی کی تگ ودو میں دن کا تھکا ہارا انسان رات کو سوتا ہے۔ تو نیند ساری جسمانی تھکاوٹ اور پریشانیاں دور کر کے اُس کو تر و تازہ کر دیتی ہے۔ تا کہ دوسرے دن پھر زمین پر چل پھر کر کاروبار میں لگ جائے۔ بعض لوگ جو رات کو اپنے کاروبارِ زندگی میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ دن میں نیند سے لطف

Marfat.com

اندوز ہو کر اپنے دماغ اور اعضاء کی تروتازگی حاصل کر لیتے ہیں۔ نیند اور انسانی تگ ودو میں ایک گہرا رشتہ ہے۔ کوئی انسان بھی نیند کے بغیر کام نہیں کر سکتا۔ خواہ کام دماغی نوعیت کا ہو یا جسمانی نوعیت کا۔ نیند کی قدر اُن لوگوں سے پوچھئے جو چند لمحے نیند حاصل کرنے کے لیے نیند کی گولیاں کھاتے ہیں۔ اور یہ بھی باری تعالیٰ کی قدرت کا رنگ ہے کہ ایک غریب آدمی فٹ پاتھ پر بے سدھ سویا پڑا ہے۔ اور ایک دولت سے مالا مال انسان اپنے خوبصورت محل کے نرم و نازک بستر پر نیند کے لیے ترس رہا ہے۔

سبز درختوں سے آگ کا نکلنا بھی باری تعالیٰ کی معرفت کی ایک نشانی ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ٥

(یٰس-۸۰)

ترجمہ: (وہ اللہ) جس نے تمہارے لیے سبز آگ بنائی۔ پھر تم اب اُس سے سلگاتے ہو۔

دنیا میں ایسے سرسبز درخت ہیں جن کی شاخوں کو رگڑنے سے آگ نکلتی ہے یا عام سرسبز درخت کو بھی سکھا کر بطور ایندھن استعمال کیا جا سکتا ہے۔ سرسبز درخت میں پانی کا مادہ نمایاں ہے۔ آگ اور پانی دو متضاد چیزیں ہیں۔ باری تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آخر کوئی ہستی تو ہے جو دو متضاد صفات اشیاء کا ادل بدل کر رہی ہے۔ کیا وہ ہستی موت و حیات کا ادل بدل نہیں کر سکتی؟

سورج چاند اور دن رات کے منضبط نظام کو بھی اپنی معرفت کی نشانی بتایا۔

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ

Marfat.com

فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ O (یٰس ۴۰)

ترجمہ: نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے۔ اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔

یعنی سورج اور چاند اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں۔ ہر ایک کی رفتار اور راستہ مقرر ہے۔ دن کو سورج کی حکمرانی ہے اور رات کو چاند کی۔ کبھی یہ نہیں ہوا کہ چاند کی چاندنی کے وقت سورج اس پر چڑھ دوڑے یعنی آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑا لے یا رات سبقت کر کے دن کے ختم ہونے سے پہلے آ جائے۔ ہر ملک اور ہر جگہ سال کے مختلف اوقات میں چاند سورج کے طلوع و غروب ہونے اور دن رات کے بڑھنے گھٹنے کے جو اوقات مقرر کر دیئے گئے ہیں اُن میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور پھر چاند اور سورج سریع الحرکت اور کھلی فضا میں ہونے کے باوجود اپنے اپنے مدار میں چکر لگا رہے ہیں اور آپس میں کبھی نہیں ٹکراتے۔ یہ منضبط نظام کائنات کی ابتداء سے ایک ہی ڈگر پر چل رہا ہے۔ نہ اس میں کبھی کوئی نقص پیدا ہوا نہ کبھی کوئی تبدیلی لائی گئی۔ کیا یہ نظام ایک زبردست اور مدبر و دانا ہستی کا پتہ نہیں دیتا؟

اپنی ہستی کا احساس دلانے کے لیے پرندوں کی طرف توجہ دلائی۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ O (الملک ۱۹)

کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور (کبھی کبھی) سمیٹے ہوئے (اڑنے والے) پرندوں کو نہیں دیکھتے۔ اُنہیں (اللہ) رحمٰن ہی (ہوا و فضا میں) تھامے

Marfat.com

ہوئے ہے۔ بیشک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی ہستی میں شک کرنے والوں کی توجہ پرندوں کی اڑان کی طرف دلائی جا رہی ہے کہ دیکھو وہ ہوا میں کبھی پر کھولے اور کبھی پر سمیٹے کیسے آرام اور مزے مزے سے اڑ رہے ہیں۔ ایک چھوٹا سا پرندہ آسمان کی بلندیوں تک اپنے ننھے ننھے پروں کے سہارے اڑتا چلا جاتا ہے۔ بعض دفعہ گھنٹوں ہوا میں اڑ لیتا ہے۔ نہ تھکتا ہے نہ کششِ ثقل سے زمین پر گرتا ہے۔ اور پھر بازو سمیٹ کر بھی اڑتا ہے جیسے ہوا میں تیر رہا ہو۔ یہ صرف باری تعالیٰ کی ذات ہے جس نے اس کی ایسی ساخت بنائی اور اعضاء کے اندر ایسے قویٰ رکھے کہ وہ ہوا میں گھنٹوں بے تکلف اڑتا رہے۔

اونٹ کی ساخت کی طرف انسانی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ○ (الغاشیہ-۱۷)

ترجمہ: بھلا کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں۔

عرب لوگ اُس زمانے میں سواری اور بار برداری کے لیے زیادہ تر اونٹ کو استعمال کرتے تھے۔ باری تعالیٰ نے اپنی ہستی کا احساس دلانے کے لیے نقد مشاہدہ پیش کیا کہ یہ اونٹ جسے رات دن لے کر جنگلوں میں پھرتے ہو تمہارے لیے معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ پہلی ہی نظر میں اس کی ساخت اور چال ڈھال دیکھ کر ایک سوچنے والا انسان ''سبحان اللہ'' کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پاؤں ایسے کہ جو صحراؤں اور ریگستانوں کی خاک اور ریت میں نہ دھنستے ہیں نہ تھکتے ہیں۔ گردن ایسی کہ اونچے اونچے درختوں کی ٹہنیوں سے اپنا چارہ خود کھا سکتا ہے۔ کسی

Marfat.com

جنگلی جانور کیلئے ممکن نہیں کہ اُس کے چہرے پر حملہ کر سکے۔ کوہان میں پانی کا ذخیرہ جمع کر کے کئی دن بغیر پانی پئے صحراؤں میں چلتا رہتا ہے۔ تابعدار اتنا کہ ایک بچے کے پیچھے لمبی لمبی قطاروں میں سر جھکائے چلتا رہتا ہے۔ سوار ہونے کے لیے کسی سیڑھی کی ضرورت نہیں بلکہ انسانوں کے صرف ایک اشارے پر بیٹھ جاتا ہے تاکہ اطمینان سے سواری یا بار برداری کا عمل پورا ہو۔ اونٹ کی ساخت اور چال ڈھال دیکھ کر ہی کہا جاتا ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ اور ایسی ساخت ایک اعلیٰ ہستی کی حکمت اور کاریگری کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

آسمان پر ستاروں کی سجاوٹ اور افادیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ○ (الانعام-۹۸)

اور اُسی نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم اندھیروں میں خشکی اور سمندر کے راستے معلوم کرسکو۔ بیشک ہم نے کھول کھول کر دلائل بیان کر دیئے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو خبر رکھتے ہیں۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ○ۙ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ○ۚ (والصّٰفّٰت-۶-۷)

ترجمہ: ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔ اور شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کی۔

یہاں ستاروں کے تین مقاصد بیان کر دیئے۔ پہلا یہ کہ انسان آسمان پر

Marfat.com

ستاروں کے محل وقوع کی بنیاد پر سمندر اور خشکی میں اپنے راستوں کا تعین کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی نقل و حرکت سے وقت کا بھی اندازہ لگاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے بچپن کے زمانے میں دیہاتوں میں گھڑیاں نہیں ہوتی تھیں اور کسان نہری پانی کی باری کا تعین ستاروں کی نقل و حرکت سے کرتے تھے۔ دوسرا مقصد آسمان کی سجاوٹ ہے۔ اندھیری رات میں آسمان پر ستاروں کی جگمگاہٹ اور سجاوٹ ایسا منظر ہے جسے دیکھ کر عمومی سوچ رکھنے والا آدمی بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں سوچتا ہے۔ تیسرا مقصد سرکش شیطانوں کا رجم ہے۔ یعنی جونہی شیطان آسمان پر کسی غیبی خبر کی گم سن لینے جاتے ہیں۔ ستارے ان پر ٹوٹ کر ان کو جلا دیتے ہیں یا بھگا دیتے ہیں۔ اتنے بڑے آسمان کی حفاظت کا خودکار نظام سوائے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے اور کون کرسکتا ہے۔

تخلیقِ انسانی میں معرفتِ ربانی

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کاملہ کے بارے میں مظاہر قدرت کے ساتھ ساتھ انسان کی اپنی پیدائش اور دنیوی زندگی کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے۔ کہ کیسے اُس کو ایک ناپاک قطرہ سے پیدا کر کے ایک عقلمند اور باشعور انسان بنا دیا۔ اُسے سوچنے سمجھنے اور بحث و مباحثہ کی صلاحیتیں عطا کیں۔ کائنات کی مادی اشیاء کو اُس کی خدمت میں لگا دیا۔ تاکہ بطور شکر ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی کو پہچانے۔ اُسے ذہنی اور جسمانی قویٰ بخشے۔ حتیٰ کہ بڑھاپے میں پہنچ کر وہ ان قویٰ سے محروم ہو کر پھر بچوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔

Marfat.com

انسان کی پیدائش کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ (الطارق-۵-۸)

ترجمہ: انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اچھلتے پانی (کی ایک بوند) سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بیشک وہ اسے پھیر لانے پر یقیناً قدرت رکھنے والا ہے۔

یعنی انسان کو چاہیے کہ اپنی پیدائش کے ابتدائی مرحلے پر غور کرے۔ وہ ایک پانی کی ناپاک بوند سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو عورت کے سینے اور مرد کی پیٹھ سے نکل کر رحم مادر میں حمل کا باعث بنتی ہے۔ اس ناپاک اور حقیر پانی سے ایک عقلمند اور سوچنے سمجھنے والا انسان پیدا کرنا آخر کس ہستی کا کارنامہ ہے۔ اور پھر جس اعلیٰ ہستی نے نطفے سے انسان کو پیدا کیا۔ اُس کے لیے کیا مشکل ہے کہ اُسی انسان کو دوبارہ زندہ کرے۔ اس سے وقوعِ قیامت پر بھی دلیل دی گئی ہے۔

شکم مادر میں انسان کے تخلیقی مراحل کا ذکر کر کے اپنی بے مثال خلاقی کا احساس دلایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

(المومنون ۱۲-۱۴)

ترجمہ: ہم نے آدمی کو چُنی ہوئی مٹی سے بنایا۔ پھر ہم نے اُسے پانی کی بوند کی

Marfat.com

شکل میں ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔ پھر اُس بوند سے جما ہوا لہو بنایا۔ پھر اُس جمے ہوئے لہو سے گوشت کی بوٹی بنائی۔ پھر اُس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں۔ پھر اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اُس کو ایک نئی صورت میں لا کھڑا کیا۔ تو اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا اور سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

انسانی نسل کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام چنی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئے۔ اس کے بعد انسانی پیدائش کا تسلسل انسانی نطفے سے چلا۔ جو رحم مادر میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ باری تعالیٰ نے ان مراحل اور تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے جو نطفہ سے بچہ بننے تک رحم مادر میں عمل میں آتی ہیں۔ سب سے پہلے نطفہ سے جما ہوا خون بنتا ہے۔ جمے ہوئے خون سے گوشت پھر ہڈیاں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا جاتا ہے۔ گوشت کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے کا مقصد انسانی ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے۔ پھر اگر اسے صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہنے دیا جاتا تو انسان میں وہ توانائی اور حسن و رعنائی نہ آتی۔ لہٰذا ہڈیوں پر ایک خاص تناسب اور مناسب مقدار میں گوشت چڑھا دیا گیا تاکہ اس کی شکل اور قد و قامت میں بھدا پن پیدا نہ ہو۔ پھر جسم کے دوسرے اعضا ناک، کان، ہاتھ، پاؤں، چہرہ تکمیلی مراحل سے گزارے۔ حتیٰ کہ نو ماہ بعد بچہ ایک مکمل انسانی شکل و صورت کے بعد ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔ جو بڑا ہو کر دنیا میں دھوم مچا دیتا ہے۔ کیا یہ کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہستی کر سکتی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ جیسا کوئی اور ایسا صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعت کاری کا نمونہ پیش کر سکے۔

انسانی ساخت اور شکل و صورت کے بارے میں فرمایا:

Marfat.com

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ (التین-۴)

ترجمہ: یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے۔ لیکن انسان اشرف المخلوقات ہے۔ ذرا اس کی ساخت پر غور کیجئے۔ دراز قد سیدھا چہرہ، دو ہاتھ دو پاؤں، دو کان اور دو آنکھیں اور ان میں مناسب فاصلہ اور تناسب اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ کاریگری کی غماز ہیں۔ پھر انسانی اعضا کے اندر بے پناہ جسمانی قویٰ کے علاوہ عقل وتدبر فہم وحکمت اور سمع وبصر کی قوتیں ودیعت کیں جن کے ذریعے انسان کائنات کی دوسری مخلوقات پر حاوی ہے۔ دراصل انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر اور اس کی کاریگری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اپنی ہستی کا ادراک کرانے کے لیے انسانوں کو اپنا بڑھاپا یاد دلایا۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ○ (یٰس ۶۸)

ترجمہ: اور جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں۔ اُسے پیدائشی حالت کی طرف پھر الٹ دیتے ہیں۔ کیا پھر بھی انہیں عقل نہیں آتی (کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت کو مان لیں)۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ (الحج-۵)

ترجمہ: اور تم میں بعض تو وہ ہیں جو فوت کر دیے جاتے ہیں۔ اور بعض بدترین عمر کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں تاکہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا احساس دلانے کے لیے خلقتِ انسانی کے اِس

Marfat.com

پہلو کو اجاگر کیا جارہا ہے کہ ایک ناپاک نطفے سے پیدا ہونے والا انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں اور صلاحیتوں کی بنا پر اپنی جوانی میں بڑا اکڑفون بن جاتا ہے۔ بڑے بڑے معرکے مارتا ہے۔ بڑے بڑے فلسفے گھڑتا ہے۔ بحث و مباحثہ کرتا ہے۔ جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتا ہے۔ لیکن بڑھاپے میں آکر اُس کی ساری اکڑفون نکل جاتی ہے۔ اپنی جوانی کا رستم زماں بڑھاپے میں آکر نہ صرف بچوں کا محتاج ہے۔ بلکہ بچوں جیسی حرکتیں کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بچوں کی طرح روتا بھی ہے اور بچوں کی طرح بستر پر پاخانہ بھی کرتا ہے۔ جوانی میں بڑے بڑے علمی معرکے مارنے والا انسان بڑھاپے میں اپنی عینک بھی نہیں سنبھال سکتا۔ اور عینک کی تلاش میں ایسے سرگرداں ہے۔ جیسے بچے بار بار چیزیں گم کرکے ڈھونڈتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اے انسان! اپنی زندگی کی ابتداء کے ساتھ ساتھ اس کی انتہا بھی دیکھ۔ کیا یہ قدرت باری کا کرشمہ نہیں ہے کہ ایک بے جان نطفہ سے نحیف ونزار بچہ پیدا کیا پھر اُسے ذہنی اور جسمانی قویٰ بخشے کہ وہ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے لگا۔ لیکن بڑھاپے میں پھر ان قویٰ میں ضعف وانحطاط آگیا۔ عقل وفہم کمزور ہوگئی۔ یادداشت جاتی رہی۔ اعضا میں سکت نہ رہی اور وہ بچوں کی طرح دوسروں کا محتاج ہوگیا۔ اور بچوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔ جن چیزوں کے بارے میں اُسے علم تھا سب رفوچکر ہوگیا۔

صفاتِ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا احساس تو انسانوں کا فطری اور وجدانی علم ہے۔ جو اُن کی فطرتِ سلیمہ میں ودیعت کردیا گیا ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں نسلِ انسانی کسی

Marfat.com

نہ کسی درجے میں اس بات پر متفق رہی ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والی اور چلانے والی کوئی اعلیٰ ہستی موجود ہے۔ لیکن اس سے آگے یہ حقیقت کہ وہ ہستی کون ہے کیسی ہے اُس کی صفات کیا ہیں انسانوں کی گمراہی کا باعث بنی۔ کیونکہ انسانوں نے اپنی عقل اور فکر کی بنیاد پر اس ہستی کے بارے میں مختلف باطل نظریات گھڑ لیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے آگ کی پوجا شروع کر دی کسی نے درختوں اور چاند ستاروں کی اور کسی نے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی۔ حالانکہ یہ ایک ایسا راز تھا جس تک پہنچنے کے لیے انسان بذاتِ خود عاجز تھا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی راہنمائی درکار تھی تاکہ وہ اعلیٰ ہستی خود بتائے کہ میں کیا ہوں اور میری صفات کیا ہیں۔

انسانوں کو باطل نظریات سے ہٹا کر اپنی ہستی کا صحیح شعور دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے۔ جو آسمانی وحی کی بنیاد پر انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعارف کراتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا صحیح تصور اُس کی اعلیٰ صفات سے ہی ہو سکتا ہے۔ پیغمبروں کا دوسرا کام انسانوں کو عبادات، اخلاقیات اور روز جزا و سزا کے بارے میں صحیح ہدایات دینا تھا جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ وحی کی راہنمائی میں دیتے۔ یہ تب ممکن تھا جب انسان اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس کی صفات کا صحیح ادراک کر لیتے۔

نزولِ قرآن کے وقت اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں تو کسی قوم یا مذہب کو کوئی اختلاف نہیں تھا۔ لیکن اُس کی صفات کے بارے میں دنیا گمراہیوں میں بھٹک رہی تھی۔ بہت سی قومیں اس وہم میں مبتلا تھیں کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا انتظام

Marfat.com

براہِ راست خود نہیں چلاتا۔ بلکہ اس نے انتظامی اختیارات اپنے مقربین اور روحانی ہستیوں (دیوی دیوتا) کے سپرد کر رکھے ہیں۔ وہ جس سے راضی ہوں اُسے خوشحال اُور جس سے ناراض ہوں بدحال کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بجائے ان ہستیوں کو راضی کرنا ضروری ہے۔ ایک گمراہی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے چند مخصوص ہستیوں سے ایسے تعلقات استوار کر رکھے ہیں کہ ان کی کسی خواہش یا سفارش کو ٹال نہیں سکتا۔ اور وہ جو بھی اللہ تعالیٰ سے کروانا چاہیں کروا سکتے ہیں۔ بعض قومیں اللہ تعالیٰ کا تصور مادی شکل وصورت اور مادی صفات سے کرتی تھیں۔ یعنی جیسے غم وراحت کے حالات انسانوں پر آتے ہیں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ پر بھی آتے ہیں۔ اور انسان ان حالات سے متاثر ہو کر جیسے کام کرتا ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔ بعض قوموں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ہستی کا تصور یہ تھا کہ وہ ایک قہر وغضب سے بھرپور مطلق العنان بادشاہ ہے۔ جس کا کوئی اصول اور آئین نہیں اور جو اپنے غیض وغضب کی تسکین کے لیے لوگوں پر تباہیاں نازل کرتا رہتا ہے۔ اور جس کی فطرت رحم ودرگزر سے خالی ہے۔ لہٰذا سلامتی اسی میں ہے کہ اس کے مقربین اور مصاحبین کا سہارا لیا جائے۔

پیغمبر تو آتے ہی اس لیے ہیں کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کا صحیح تصور دلائیں۔ لہٰذا شرک اور ظلمت کے ان اندھیروں میں امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ عمل میں لائی گئی۔ انہیں ایک ایسی وحی قرآنی عطا کی گئی جس میں تمام پچھلی آسمانی کتابوں کی تعلیمات سمودی گئیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس کی صفاتِ کاملہ کا صحیح تصور دے کر جھوٹے تصورات باطل نظریات اور شرک و

Marfat.com

بدعات کے سارے راستے بند کر دیئے۔ آیئے دیکھیں کہ قرآن نے مختلف اقوام و مذاہب کی سنگین غلطیوں کی تصحیح کر کے صفات باری تعالیٰ کا کیا تصور دیا ہے۔

وحدانیت:

تاریخ کے مختلف ادوار میں کئی انسانی گروہ دو یا تین بلکہ متعدد خداؤں کے قائل بھی رہے ہیں اور کائنات کی اس وسیع مملکت کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کا علیحدہ خدا مانتے رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے ذریعے ہمیشہ اس غلط عقیدے کا ابطال کیا۔ اور نسل انسانی پر واضح کیا کہ وہ ہستی جو اس عالم کی خالق و صانع ہے یقیناً ایک ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کی سب سے بڑی دلیل اس عالم کی وحدت اور اس میں موجود اسباب اور اشیاء کا باہم تعاون و تفاوق اور اشتراک و اتحاد ہے۔ یعنی اس دنیا میں ایک ذرہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کائنات میں موجود مختلف قوتیں آپس میں اشتراک و اتحاد نہ کریں۔ آپ روزمرہ زندگی میں زمین سے ایک دانہ اُگنے کی مثال لے لیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دانہ اپنے اندر اُگنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ زمین میں روئیدگی ہو۔ بارش اور موسم اُس دانے کی اُگنے کی صلاحیت کے موافق ہو۔ سورج کی گرمی اور روشنی ایک خاص مقدار سے مہیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان ساری تدبیروں میں موافقت اور اشتراک پیدا کرنا ایک ہی ہستی کا کام ہے۔ ورنہ اگر ایسی ہستیوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہوتی۔ تو دانہ زمین سے کبھی نہ اُگ سکتا۔ کوئی ہستی بارش روک لیتی۔ کوئی سورج کی گرمی مناسب مقدار سے بڑھا دیتی اور کوئی دانے کے اُگنے یا زمین کے اُگانے کی صلاحیت ہی چھین لیتی۔ اس طرح پورے

Marfat.com

کائناتی نظام میں فساد پڑ جاتا۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (الانبیاء۲۲)

ترجمہ: اگر زمین و آسمان میں ایک اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا بھی ہوتے تو زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جاتا۔پس اللہ تعالیٰ عرش کا رب ان باتوں سے پاک ہے جو یہ مشرک کہتے ہیں۔

ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک ہی مملکت میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ایک چھوٹی سی دنیوی مملکت کے امور چلانے کے لیے دونوں بادشاہوں کے احکامات، اختیارات اور خواہشات میں ہم آہنگی ناممکن ہے۔لہٰذا جب بھی کوئی طاقتور سے طاقتور آدمی ایک بادشاہ کی موجودگی میں اپنی بادشاہت کا اعلان کرتا ہے۔تو اُسے باغی تصور کیا جاتا ہے۔اس کے ساتھ جنگ کی جائے گی حتیٰ کہ دونوں میں سے ایک بادشاہ رہ جائے گا۔ جو امور مملکت اپنی مرضی سے چلائے گا۔جب اس دنیا کی چھوٹی سی مملکت میں دو بادشاہوں کا تصور ناممکن ہے۔تو اس پوری کائنات میں جس کا انتظام نہایت پیچیدہ اور مافوق الفطرت ہے ایک سے زیادہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

اسی حقیقت کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ (المومنون-۹۱)

ترجمہ: نہ تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اُس خدائے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا

Marfat.com

ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔

یہی چیز سورہ بنی اسرائیل میں بیان کی گئی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا○

(بنی اسرائیل ۴۲)

ترجمہ: اے محمد! ان سے کہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی ضرور کوشش کرتے۔

یعنی اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور قدرت میں شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا محکوم رہنا کیوں پسند کرتے۔ سارے مل کر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی سلطنت کو الٹ ڈالتے۔ اور اُس پر غلبے کی کوئی راہ نکالتے۔ لیکن صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی ایسا سوچ بھی نہیں سکا۔

عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ قرآن نے بیسیوں جگہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ○ (البقرہ ۱۶۳)

ترجمہ: تم سب کا معبود ایک معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ○ (الانعام ۱۹)

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ معبود برحق بس ایک ہی معبود ہے۔ اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ○ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ

Marfat.com

الْمَشَارِقِ ۝ (والصّفّت ۴-۵)

ترجمہ: یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ وہی زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب ہے۔

یہ قرآنی آیات انسانوں کو مسلسل پیغام دے رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں صرف ایک ہستی ہے۔ اسی نظریے پر توحید کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی شریک نہیں تو اس کی صفات میں کیسے ہو سکتا ہے۔ اکثر انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو ایک مانا۔ لیکن اس کی صفات میں دوسری ہستیوں کو شریک کر کے ٹھوکر کھا گئے اور نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو بھی شرک میں مبتلا کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جیسا کوئی نہیں اور وہ اپنی ذات میں وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جیسے کام کون کر سکتا ہے۔ گمراہ انسانوں کو شیطان نے یہ بات سمجھائی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ایک ہی ہے۔ لیکن اُس نے چند ہستیوں کو اپنے اختیارات منتقل کر دیئے ہیں۔ لہٰذا وہ کام جو صرف اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے وہ بھی کر سکتے ہیں۔ اس طرح انسان اللہ تعالیٰ کے ایک در پر جانے کی بجائے متعدد ہستیوں کی پوجا کرنے لگے۔

ملوکیت:

ساری کائنات کا مالک اور بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی بادشاہی ازل سے لے کر ابد تک ہے۔ وہ بادشاہوں کا بادشاہ اور حاکموں کا حاکم ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ بشمول ظالم اور جابر انسان بڑے بڑے وحشی جانور آسمان سے باتیں کرتے پہاڑ گہرے سمندر اور اجڑے صحرا سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ اس دنیا میں

Marfat.com

بھی حقیقی بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے۔ مجازی بادشاہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور اُس کے حکم کے تابع ہیں۔ وہ جسے چاہے بادشاہت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (آل عمران ۲۶)

ترجمہ: کہو اے اللہ تعالیٰ سارے ملک اور ساری کائنات کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کسی خاص زمانے کسی خاص جگہ یا مخلوق کے کسی خاص طبقہ یا گروہ تک محدود نہیں۔ جو کہ دنیوی بادشاہوں کا خاصہ ہے۔ بلکہ اُس کی بادشاہت پوری کائنات اور ہر زمانے پر محیط ہے پھر دنیوی بادشاہ اپنا نظامِ سلطنت اپنے مصاحبین اور شریکِ اقتدار لوگوں کے ذریعے چلاتے ہیں۔ اُن سے عام آدمی مل بھی نہیں سکتا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کو نظامِ کائنات چلانے کے لیے کسی شریک ساتھی یا مددگار کی ضرورت نہیں۔ اور ہر آدمی اُس سے براہِ راست رجوع کر سکتا ہے۔ وہ جو فیصلہ کرتا ہے اٹل ہوتا ہے اور جس کام کا ارادہ کرتا ہے وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا اعلان کرتا ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ O (الحدید ۵)

ترجمہ: زمین اور آسمان کی بادشاہی اُسی کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سارے معاملات رجوع کیے جاتے ہیں۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط (یوسف ۴۰)

ترجمہ: فرمانروائی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ۔ (یٰس ۸۳)

ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے۔

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ۔ (الفرقان ۲)

ترجمہ: اور بادشاہی میں کوئی اُس کا شریک نہیں۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ط لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ O (المؤمن ۱۶)

ترجمہ: (اُس روز پکار کر پوچھا جائے گا) آج بادشاہی کس کی ہے (سارا عالم پکار اُٹھے گا) اللہ تعالیٰ واحد قہار کی۔

یومِ آخرت میں جب ہر روح خوف کے مارے کانپ رہی ہوگی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کا اعلان ہوگا۔ اور پوچھا جائے گا آج بادشاہی کس کی ہے۔ سارے مجازی بادشاہ جو اس دنیا میں اپنی گردنیں اونچی رکھتے تھے رفو چکر ہو جائیں گے اور ہر چیز پکار اُٹھے گی کہ آج صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے۔

اگر دنیا کے ظالم اور آمرِ مطلق بادشاہ اس پر ذرا سنجیدگی سے غور کریں تو ان کی اکڑفوں ایک منٹ میں نکل جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ سامانی خاندان کا بادشاہ نصر بن احمد جب نیشاپور میں داخل ہوا تو دربار منعقد کر کے فرمائش کی کہ کاروائی کا

Marfat.com

آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہو۔ ایک بزرگ اُٹھے اور تلاوت شروع کی۔ جب اُس کے منہ سے نکلا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ تو بادشاہ لرزتے ہوئے تخت سے اُترا اور سر سے تاج اتار کر سجدے میں گر گیا۔ اور روتے ہوئے بولا اے رب آج بھی تیری ہی بادشاہی ہے نہ کہ میری۔

رحمٰن ورحیم:

قرآن کی ابتداء ہی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے ہوتی ہے۔ رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جن میں کثرت اور دوام پایا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اور اس کی یہ صفت دائمی ہے۔ قرآن میں سینکڑوں مقامات پر باری تعالیٰ نے اپنی اس صفت کو بیان فرما کر مایوس اور گناہگار انسانوں کو حوصلہ دیا کہ لوگو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ جب بھی اور جس حالت میں بھی تم سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے در پر لوٹ آؤ گے تمہاری خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے کہ اُس نے انسانوں کے لیے ہدایت کے ذرائع پیدا کیے۔ انہیں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت اور قوت دی اور جو سیدھے راستے سے بھٹک گیا اُسے توبہ کا موقع دیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت اس دنیا میں تو مختلف درجے میں سب انسانوں کے لیے ہے خواہ کوئی مومن ہو یا کافر و فاسق۔ کیونکہ یہ ایک امتحان کی دنیا ہے۔ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مومنین اور نیک لوگوں کے لیے ہوگی کیونکہ کفار اور فجار تو اس دنیا میں کیے گئے اعمال کا بدلہ

Marfat.com

پائیں گے۔

ایک حدیث کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کریم تخلیقِ کائنات سے فارغ ہو گیا تو عرش پر لکھ دیا:

''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''

ایک اور حدیث میں پیغمبر نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے رحم کے سو حصے کیے۔ ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین والوں کو عطا کیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ باہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک گھوڑی بھی اپنے بچہ کے لیے اس خوف سے پاؤں اٹھا لیتی ہے کہ اس کو صدمہ نہ ہو''۔

ان احادیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت لامحدود اور اُس کے غضب پر غالب ہے۔ لیکن اس رحمت کے وہی لوگ مستحق ہیں جو دوسروں پر رحمت و شفقت کرتے ہیں۔ پیغمبر نے فرمایا: ''لوگو تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا''۔

مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا ذکر کریں۔ اس کے تین فوائد ہیں۔

ا۔ انسان بہت سے برے کاموں سے بچ جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کسی برے کام کا آغاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

۲- اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے ساتھ اس کا غضب اور غم وغصہ بھی اس کے ذہن میں آئے گا۔لہٰذا اس کی ذہنیت ٹھیک سمت اختیار کرے گی۔

۳- اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام لے کر کام کا آغاز کرنے سے اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوگی۔کام میں برکت ہوگی اور انسان شیطان کے وسوسوں سے بچ جائے گا۔

ربوبیت:

رب کا لفظ عربی زبان میں تین معنوں میں بولا جاتا ہے۔(۱) مالک و آقا (۲) فرماں روا اور حاکم (۳) پرورش کرنے والا اور رزق دینے والا۔ اللہ تعالیٰ کی ملوکیت اور حاکمیت کے بارے میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔اب اللہ تعالیٰ کی رزاقی کے بارے میں چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن پاک میں باری تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے کہ وہ رب العالمین ہے۔ جس کا مطلب ہے وہ سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کی رزاقی کا محتاج ہے۔سمندر کی گہرائیوں میں بے شمار سمندری مخلوق بس رہی ہیں۔ان کا رزق کہاں سے آتا ہے۔مچھلیاں، جانور، کیڑے مکوڑے حتیٰ کہ پرندوں اور پودوں تک سمندر کے اندر نہ صرف پرورش پا رہے ہیں بلکہ اپنی پیدائش اور نسل کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔زمین پر سارے چرند پرند اپنے رزق کے بارے میں بے فکر ہیں۔صبح اڑ کر اپنا رزق ہوا کی وسعتوں اور زمین کی پہنائیوں میں ڈھونڈتے ہیں اور شام کو بے فکر ہو کر سو جاتے ہیں۔ دوسری صبح پھر رزق تیار ہے۔پتھروں کے اندر جو کیڑے مکوڑے پرورش پا رہے

Marfat.com

ہیں ان کا رزق پتھروں کے اندر پہنچ جاتا ہے۔ وہ سانس بھی پتھر کے اندر سے لیتے ہیں۔ اور اپنی نسل کا سلسلہ بھی جاری رکھتے ہیں۔ البتہ انسانوں کو اپنا رزق کمانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا پڑتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مکلّف بنایا ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ روزی کیسے کمائی اور کیسے خرچ کی اور کیا کم روزی پر صبر کیا اور زیادہ روزی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور کیا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو رب مانا۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ انسانوں کو کم یا زیادہ روزی دے کر آزماتا ہے لیکن ساتھ یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ روزی صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ دوسروں کے در پر روزی مانگنے مت جایا کرو کیونکہ یہ شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نہ صرف انسانوں کو بلکہ کائنات کی ہر ذی روح شے کو اپنا رزق پہنچا رہا ہے۔ قرآن مجید مختلف انداز میں رب ذوالجلال کی رزاقی کا اعلان کرتا ہے۔ قرآن کی ابتداء ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے ہوتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الفاتحہ ۱)

ترجمہ: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جو تمام کائنات کا پالنے والا (روزی رساں) ہے۔

عالمین عالم (جہاں) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلائق کے مجموعے کو عالَم کہا جاتا ہے۔ اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے۔ جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں۔ جیسے عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش وطیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کی صفت ربوبیت اتنی کامل اور ہمہ گیر ہے کہ وہ اس کائنات میں موجود تمام مخلوقات کی ضروریات ان کے احوال اور طبائع واجسام کے مطابق پوری کرتا ہے۔ جیسے فرمایا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (العنکبوت ۶۰)

ترجمہ: کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق نہیں اُٹھائے پھرتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

انسانوں اور جانوروں کو کیسے رزق دیا جاتا ہے اس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ یعنی انسانوں کو رزق کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے کیونکہ وہ مکلّف ہیں۔ جب کہ جانوروں، پرندوں، چرندوں، کیڑوں مکوڑوں کا رزق ہر وقت تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی ہر جنس کی ضروریات سے آگاہ ہے اور اُسی کے مطابق روزی دے رہا ہے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنا رزق سب کو عطا کرتے ہیں۔ خواہ کوئی مومن ہو یا کافر۔ کیونکہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ اگر کفار کو رزق کی تنگی میں مبتلا رکھا جاتا تو وہ ضرور مومن بننا پسند کرتے جس سے آزمائش کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ باری تعالیٰ کسی کو زیادہ رزق دے کر آزماتے ہیں کہ کیا وہ مخلوقِ خدا کے حقوق ادا کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بنتا ہے یا نہیں۔ کسی کو کم دے کر آزماتے ہیں کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق حلال پر صبر کرتا ہے یا نہیں۔ لیکن روزی بہرحال سب کو دیتا ہے۔

Marfat.com

كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَاۤءِ وَهٰۤؤُلَاۤءِ مِنْ عَطَاۤءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَاۤءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۲۰)

ترجمہ: ان کو بھی اور ان کو بھی (دنیا اور آخرت چاہنے والے) دونوں فریقوں کو ہم (دنیا) میں سامانِ زیست دیئے جا رہے ہیں۔ یہ تیرے رب کا عطیہ ہے اور تیرے رب کی عطا کو روکنے والا کوئی نہیں۔

اپنے بندوں میں رزق کی تقسیم میں کمی بیشی کی مصلحت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ رزق کی تقسیم کے فطری نظام میں جہاں انسانوں نے خودساختہ نظریات کے تحت (جیسے کمیونزم، سوشلزم) مصنوعی مساوات پیدا کرنے کی کوشش کی انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اپنی مصلحت کے تحت ان کے ظرف کے مطابق روزی دیتا ہے۔ اگر ان کو ان کے ظرف سے زیادہ دیا جاتا تو وہ پھٹ پڑتے اور زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔ اور پھر اگر ہر آدمی پر رزق وافر کے دروازے کھول دیئے جاتے تو انسان ایک دوسرے سے بے نیاز ہو جاتے۔ کوئی کسی کی خدمت تو کیا کرتا کسی کی بات سننا بھی گوارا نہ کرتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کسی نہ کسی شکل میں ایک دوسرے کا محتاج کر دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۳۰)

ترجمہ: تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر اور انہیں دیکھنے والا

Marfat.com

ہے۔ (لہٰذا اپنی مصلحت کے تحت رزق دیتا ہے)

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝ (الشوریٰ ۲۷)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے۔ مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے رزق کے بارے میں ایک اصول طے کر دیا ہے کہ رزق حلال تلاش کرو اس کے لیے جدوجہد کرو یہ بھی ایک عبادت ہے۔ لیکن اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر نہ پڑ جاؤ کہ یہ زندگی کا مقصد بن جائے۔ حلال و حرام کی تمیز کرو۔ اپنی کمائی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرو۔ اور جو بھی کماؤ اس پر صابر اور شاکر رہو اور ہر وقت یہ یقین رکھو کہ رزق کی فراخی یا تنگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن انسان رزق کے بارے میں لالچی واقع ہوا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ حرام و حلال کی حدود پھلانگ کر جھوٹ بول کر دھوکہ دے کر اور انسانوں پر ظلم و زیادتی کے ذریعے وہ زیادہ کما سکتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ زیادہ دولت کمانے کے لالچ میں ڈاکو اور قاتل بھی بن جاتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رازق نہیں سمجھتا۔ اور اپنی منفی قوتوں پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ رزق کی فراوانی میرے اپنے ہاتھ میں ہے اگر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے سے رزق کماؤں گا تو بھوکا مر جاؤں گا۔ قارون کا

Marfat.com

قصہ قرآن میں عبرت کے لیے باری تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ جب اس نے بڑے تکبر سے کہا تھا کہ یہ دولت و مال میں نے اپنے علم و ہنر اور محنت سے کمایا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا احسان ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو خزانوں اور محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ تاکہ لالچی لوگ عبرت پکڑیں۔

قدرت:

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اس کی قدرت اور اختیار ہر چیز پر حاوی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن کو مختلف مواقع پر پچاسوں جگہ دہرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مراد یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز بشمول حیوان چرند پرند جمادات نباتات آسمان پہاڑ دریا سمندر صحرا اور ان میں پائی جانے والی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے علم اور اختیار میں ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے بغیر نہ پیدا ہوتی ہے نہ حرکت کرتی ہے نہ فنا ہوتی ہے۔ اس کی قدرت لامحدود ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسے اپنے کسی ارادہ کو پورا کرنے کے لیے نہ کسی کی مدد کی ضرورت ہے نہ مشورہ کی۔ بلکہ وہ صرف لفظ کُنْ سے اپنے ارادوں کو پورا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (یٰس ۸۲)

ترجمہ: اُس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو بس کہتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا۝ (الفاطر ۴۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ زمین اور آسمان میں کوئی چیز اُس کے اختیار سے باہر جا سکے۔ وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

کائنات کا پورا نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ پوری کائنات کا ایک خاص قاعدہ اور قانون کے تحت صدیوں سے چلنا اور قائم رہنا ہی ایک ایسی ہستی کے وجود اور اختیار کلی کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کے سامنے ہر طاقت ہر قوت ہیچ ہے۔ اس کی قدرت، کائنات کے ہر ذرے اور انسان کی ہر سوچ اور فیصلے پر حاوی ہے۔

عالم الغیب اور علیم کل:

اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے۔ خواہ وہ چیز ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ کائنات کا پیدا کرنا اور لاکھوں سالوں سے اس کا کسی منظّم اور مستحکم نظام کے تحت چلنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس ہستی نے اسے پیدا کر کے قائم رکھا ہوا ہے وہ اس کا مکمل علم بھی رکھتی ہے۔ کیونکہ کوئی چیز بھی بغیر علم کے نہ بنائی جا سکتی ہے نہ قائم رکھی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں درج ذیل نقاط نہایت اہمیت کے حامل ہے:-

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ اس کا علم ذاتی ہے اور وہ اپنے لامحدود علم میں سے دوسری مخلوقات کو ان کی ضرورت کے مطابق علم عطا کرتا رہتا ہے۔

Marfat.com

۲- اللہ تعالیٰ کا علم حادث نہیں وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

۳- اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے۔ وہ کائنات کے ہر ذرے بشمول جمادات نباتات اور حیوانات اور زمین و آسمان کی وسعتوں اور ان کے اندر اور باہر رہنے والی ہر چیز پر محیط ہے۔ اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

۴- وہ نہ صرف حاضر بلکہ غائب اور پوشیدہ چیزوں کا علم بھی رکھتا ہے۔

۵- وہ نہ صرف انسان کے ہر کام سے واقف ہے بلکہ اس کی نیت اس کے ارادے اور اس کی سوچ کا بھی علم رکھتا ہے۔

۶- اللہ تعالیٰ کا علم ہمہ جہتی اور ہمہ وقتی ہے۔

قرآن نے اللہ تعالیٰ کے علم کی ہمہ گیر جہتوں کو سینکڑوں مقامات پر مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ نمونہ کے لیے چند آیات ملاحظہ ہوں۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ط وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ O (الانعام-۵۹)

ترجمہ: اور اسی کے پاس غائب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ کہ خشکی اور سمندر میں ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

لفظ غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئیں یا وجود میں تو آ چکی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا۔ خشکی اور سمندر میں

Marfat.com

موجود ہر چیز سے مراد پوری کائنات ہے۔ کیونکہ اس کائنات کی ہر چیز یا خشکی میں ہوگی یا پانی میں ہوگی۔ پھر درخت سے گرنے والے پتے اور زمین کی تاریکیوں میں گم ہونے والے دانے کا ذکر کر کے ہر چھوٹی سے چھوٹی اور مخفی سے مخفی چیز کی طرف اشارہ کر دیا۔ جو باری تعالیٰ کے علم محیط کا اظہار ہے۔ مطلب یہ کہ علم کے بارے میں دو چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک علم غیب یعنی مخفی یا آئندہ حالات و واقعات کے وجود و ظہور کا علم دوسرا ساری کائنات و موجودات کا علمِ محیط۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں کوئی فرشتہ کوئی رسول یا کوئی دوسری مخلوق شامل نہیں۔

علمِ محیط کے بارے میں ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (یونس ۶۱)

ترجمہ: اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی۔ مگر ہر چیز ایک کھلی کتاب میں ہے۔

یہاں کتاب مبین سے مراد لوحِ محفوظ بھی ہو سکتی ہے جس میں کائنات کی ہر چیز لکھ کر محفوظ کر لی گئی ہے۔ کتابِ مبین سے مراد علمِ الٰہی بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کو کتابِ مبین سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح لکھی ہوئی چیز محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس میں سہو و نسیان کا کوئی شبہ نہیں رہتا۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا علم محیط بھی کائنات کے ذرہ ذرہ پر بغیر کسی شک و شبہ کے حاوی ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید اور دلوں کے راز تک جانتا ہے۔اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔جیسے فرمایا:

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۚ (آل عمران-۲۹)

ترجمہ: اے نبی لوگوں کو خبر دار کر دو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ بہر حال اسے جانتا ہے۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ (الرعد-۱۰)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص خواہ زور سے بات کرے یا آہستہ اور کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو۔اس کے لیے سب برابر ہیں۔

یعنی ممکن ہے آدمی اپنی نیت اور دل کی بات آدمیوں سے چھپا لے۔لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو کبھی فریب نہیں دے سکتا۔یہ پختہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے ہر چھپے کھلے عمل کا مکمل علم رکھتا ہے۔انسانی زندگی میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ سارے گناہوں جھوٹ اور ظلم وزیادتی کی اصل وجہ یہ ہے کہ بھولا انسان سمجھتا ہے کہ جس طرح دنیا کے لوگوں سے چھپ کر ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر جھوٹ بول کر وہ اپنے گناہ چھپالیتا ہے۔اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ سے بھی اپنے گناہ چھپا لے گا۔پھر چونکہ اس دنیا میں گناہوں پر فوری پکڑ نہیں ہوتی بلکہ ڈھیل دی جاتی ہے۔اور بعض دفعہ یہ ڈھیل موت تک چلی جاتی ہے۔تو ظالم انسان سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا معرکہ مار لیا۔اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔اگر انسان یہ پختہ عقیدہ

Marfat.com

رکھ لے کہ اللہ تعالیٰ میرا ہر عمل دیکھ رہا ہے اور میری ہر حرکت اور تدبیر میری ہر سوچ اور میرا ہر ارادہ اس کے علم میں ہے تو پھر وہ گناہ کرنے سے پہلے کئی بار سوچے گا۔ جبکہ اسے یہ بھی یقین ہو کہ ایک حساب و کتاب کا دن آنا ہے۔ جب ہر انسان کو اپنے کردہ گناہوں کی سزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں علمِ غائب کو اپنی صفت قرار دیا ہے۔ جیسے فرمایا:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل-٦٥)

ترجمہ: (اے نبی) ان سے کہہ دو اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔

الوہیت اور علم غیب کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے۔ قدیم زمانے سے ہی انسان نے جب بھی کسی ہستی میں خدائی صفات کا گمان کیا ہے۔ اُسے عالم غیب ضرور مانا ہے۔ کیونکہ جو ہستی بھی انسانوں کی قسمتیں بنا اور بگاڑ سکتی ہے ان کی حاجتیں پوری کر سکتی ہے۔ اسے لازماً اُن کے ظاہر و باطن حالات کا مکمل علم ہونا چاہیے۔ علم کل کے بغیر اختیارِ کل محض لغو سی بات ہے۔ انسان جب شرک اور گمراہی کے گڑھے میں گرا ہے تو اُس نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو نہ صرف حاجت روا مشکل کشا رازق اور معبود مانا ہے بلکہ ساتھ ساتھ عالم الغیب بھی تسلیم کر لیا کیونکہ یہ صفت پہلی صفات کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ لیکن ہر زمانہ میں اس شرک کی جڑ کاٹنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آتے رہے۔ اور ان کے بعد بھی نسل انسانی میں نیک اور صالح لوگوں کا ایک ایسا گروہ موجود رہا جس نے یہ عقیدہ تھامے رکھا کہ چونکہ خالق و

Marfat.com

مالک رازق و قادر مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لیے عالم الغیب بھی کوئی دوسری ذات نہیں ہو سکتی۔

آج کل ہمارے ملک میں محض جہالت یا دین سے دوری کی وجہ سے عاملوں، نجومیوں حسابیوں کا لاعلم جاننے اور جنات کو اپنے قابو میں رکھنے کا دعویٰ کرنے والوں کا بڑا زور ہے۔ سادہ لوح انسانوں کو رات دن لوٹا جا رہا ہے۔ وہ لوگوں کا ہر مسئلہ حل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد بھی یہ ہے کہ وہ غائب کی خبروں تک اپنی دسترس ظاہر کر کے مخفی حالات یا آئندہ کے واقعات کے بارے میں لوگوں کو کچھ نہ کچھ بتاتے ہیں۔ جس سے عوامی ذہن اس طرف مائل ہو جاتا ہے کہ ان کے اختیار میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کا کاروبار زیادہ تر تخمینوں اور اندازوں پر ہوتا ہے۔ جسے وہ لوگوں کے سامنے بڑے پرکشش اور عیارانہ طریقوں سے پیش کرتے ہیں یا بعض اوقات جنات سماء دنیا پر فرشتوں سے سن گن لے کر کوئی ادھوری سی خبر اپنے دوست انسانوں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں جسے کاہن لوگ سینکڑوں جھوٹ ساتھ ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ بعض دفعہ کوئی تکہ لگ گیا تو دھوم مچ گئی۔ سادہ سی بات ہے کہ اگر ان کے اختیار میں کچھ ہوتا تو عوام کے نذرانوں کے محتاج نہ ہوتے۔ یاد رکھیے جادو ٹونہ فال نکالنا اور مختلف عملیات کے ذریعے لوگوں کو غائب کی خبریں دینا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

مجھے اپنی سروس کے ابتدائی سالوں کا ایک واقعہ یاد ہے کہ جب میرے گھر میں رکھی گئی ملازمہ جو ایک نابالغ بچی تھی گم ہو گئی۔ کافی جدوجہد اور تلاش بسیار سے

Marfat.com

باوجود بچی کا سراغ نہ مل سکا۔ کیونکہ بچی گھر سے دور نکل گئی اور کسی نے بہلا پھسلا کر اسے اپنے گھر رکھ لیا۔ سخت پریشانی کے عالم میں حسابیوں اور عاملین کی طرف رجوع کیا گیا۔ حتیٰ کہ ایک پولیس کا سب انسپکٹر خود مجھے ایک حسابی کے پاس لے گیا۔ لیکن یقین جانیئے سب چکر بازی تھی۔ کوئی بھی تیر صحیح نشانے پر نہیں لگا۔ میں نے تنگ آ کر پولیس والے سے کہا کہ آپ اپنی تفتیش جاری رکھیں۔ اگر یہ مسئلے حسابیوں سے حل ہو سکتے تو ہر تھانہ میں ایک حسابی یا جنوں کا عامل ضرور ملازم رکھا جاتا۔ جب میں نے سب سہارے چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کا دامن پکڑا۔ اور اس کے سامنے گڑگڑا کر رات دن عاجزی سے دعا کی تو چار ماہ بعد بچی خود بخود میرے آبائی گاؤں پہنچا دی گئی۔ میں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور میرا عقیدہ توحید مزید پختہ ہو گیا کہ علم غائب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے علم غائب کے بارے میں اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی زبان سے بھی اعلان کروایا ہے کہ اے نبی لوگوں کو صاف صاف بتا دو کہ میں بھی غائب نہیں جانتا چہ جائیکہ کائنات کی کوئی دوسری ہستی جن کا درجہ آپ ﷺ سے بہت ہی نیچے ہے علم غائب کا دعویٰ کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛ (الاعراف ۱۸۸)

ترجمہ: اے محمد! ان سے کہو کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

Marfat.com

آیتِ بالا سے یہ پیغام ملتا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو۔ نہ اپنے اندر اختیارِ کل رکھتا ہے نہ علمِ محیط۔ سید الانبیا ﷺ سے اعلان کرایا جارہا ہے کہ اگر میں غائب کا علم رکھتا تو بہت سی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں حاصل کر لیتا جو علم غائب نہ ہونے کی وجہ سے کسی وقت فوت ہو جاتی ہیں۔ نیز کبھی کوئی ناخوشگوار حالت مجھ کو پیش نہ آتی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ علم غیب نبوت کے لوازم میں سے نہیں جیسا کہ بعض جہلا سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں کو فرائض رسالت کی ادائیگی کے لئے حسبِ ضرورت غائب کا علم عطا کیا ہے۔ اور اس میں کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں کیونکہ پیغمبر ہر شرعی حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی وصول کرتا ہے۔ اسے ہر قدم پر فرائضِ رسالت کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے لیے اسے غائب کی خبریں بھی بتائی جاتی ہیں۔ تاکہ وہ اپنے فرائض خوش اسلوبی اور دلجمعی سے ادا کر سکے اور اُس کے پیروکار اُس کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر مان لیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو بھی کسی خبر کا القا ہو جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کرامت ہے۔ لیکن ایسی غیبی خبروں کے القا سے کوئی بھی ہستی عالم الغیب نہیں بن جاتی۔ کیونکہ ایسا علم تو اللہ تعالیٰ وقتی طور پر کسی خاص واقعہ یا خبر یا کسی خاص امر کے بارے میں القا کرتا ہے۔ جس سے کوئی بھی انسان خواہ وہ پیغمبر ہو یا ولی صفتِ علمِ غائب کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یہ علم ان کا ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہوتا ہے۔ باقی یہ کہ کسی ہستی کو کتنا علم غیب عطا کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم کون ہیں کہ اس کو

Marfat.com

ماپیں یا اس کا حساب لگائیں۔ نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔

پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رکھتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے کسی دوسری ہستی کو ان کے بارے میں مطلع کیا ہے۔ اگرچہ علم غائب کی اور بھی صورتیں ہیں۔ لیکن چونکہ ان ہی امور کی نسبت لوگ علم غائب کے مدعی اور انہی کے بارے میں پہلے سے جاننے کے خواہشمند ہوتے ہیں اس لیے ان پانچ امور کا بطور خاص ذکر کیا۔ وہ پانچ امور یہ ہیں:

۱- قیامت کا علم

۲- بارش کب ہوگی

۳- ماں کے پیٹ میں کیا ہے

۴- کل کیا ہوگا

۵- کس جگہ موت آئے گی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (لقمان ۳۴)

ترجمہ: بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بارش برساتا ہے۔ وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے۔ اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

Marfat.com

موجودہ دور کی سائنسی ترقی میں ایسی مشینیں ایجاد ہوگئی ہیں جن کی مدد سے انسان کسی حد تک یہ پیشنگوئی کر سکتا ہے کہ رحمِ مادر میں لڑکی ہے یا لڑکا۔ اس سے بعض لوگ مندرجہ بالا قرآنی آیت کی تطبیق کے بارے میں سوال کرنے لگے۔

میرے بھائیو! قرآن ایک سچی کتاب ہے۔ جو قیامت تک اپنی صداقت قائم رکھے گی۔ سائنسی ترقی نے ہمیشہ قرآنی آیات کی تصدیق کی ہے۔ اور قیامت تک کرتی رہے گی۔ آیت بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس میں لڑکی یا لڑکے کی تخصیص نہیں کی گئی۔ کیا مشین کی مدد سے انسان یہ بھی بتا سکتا ہے کہ جو چیز ماں کے پیٹ میں ہے اس کا رنگ کیا ہوگا۔ شکل وصورت کیسی ہوگی۔ کتنے دن زندہ رہے گی اور وہ کن برائیوں یا بھلائیوں کو لیے ہوئے برآمد ہوگی۔

مسئلہ توحید

اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق جو قرآنی بیانات یہاں تک نقل کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں مسئلہ توحید کھل کر سامنے آ گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں صرف ایک اور یکتا ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اس مسئلہ کی ہمہ جہتی نوعیت کو سمجھنے کے لیے یہاں توحید کی تین قسمیں بیان کر دینا مناسب ہوگا جو یہ ہیں:

توحید ربوبیت:

یعنی اس کائنات کا خالق مالک رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی بھی دوسری ہستی کو اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں شریک کرنا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی

Marfat.com

سے رزق مانگنا (خواہ وہ ہستی فرشتہ ہو، پیغمبر ہو، ولی اللہ ہو یا کوئی بت اور جن ہو) یا کسی اور ہستی کو رزق دینے کے قابل سمجھنا شرک ہے۔ کیونکہ صفتِ ربوبیت اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے۔

توحید الوہیت:

یعنی عبادات کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا کے لیے یا اُس کی ناراضگی کے خوف سے کیا جائے۔ اس میں نہ صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ شامل ہوں گے بلکہ سوز و پکار، دعا والتجا اور نذر و نیاز بھی شامل ہوں گے۔ مطلب یہ کہ جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں۔ اسی طرح سوز و پکار، دعا والتجا اور نذر و نیاز بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری ہستی سے دعا والتجا کرنا، مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پکارنا اس کی نذر و نیاز دینا اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا اس کا طواف کرنا شرک ہے۔

توحید صفات:

یعنی اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں ان کو بغیر کسی تاویل یا تحریف کے تسلیم کرنا اور ان صفات کو کسی دوسری ہستی میں ماننے سے انکار کرنا۔ جیسے صفتِ علمِ غیب و علمِ محیط، صفتِ قدرتِ مطلق اور تصرفِ کل۔

-----☆☆☆-----

Marfat.com

باب دوم

انسانی بعثت اور اُس کے تقاضے

خلافتِ انسانی

اوپر یہ بیان ہو چکا کہ انسانی بعثت کا مقصد اس دنیا میں انسانوں کی آزمائش ہے۔ اِس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کی خلافت عطا کی۔ یعنی اُسے اپنا نائب بنا کر زمین پر اُتارا۔ اُسے کچھ اختیارات دیئے۔ اس کا دائرہ کار مقرر کیا۔ اسے نیکی اور بدی کے راستے بتائے اور اُن پر چلنے کی آزادی دی۔ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہوگی جہاں انسانوں کی زمینی خلافت کی کارگزاری کی بنیاد پر جزا و سزا کا عمل پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جب زمینی خلافت کا عندیہ فرشتوں کے سامنے رکھا تو وہ سمجھے کہ شاید اللہ تعالیٰ کو اپنی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس مطلوب ہے جو وہ پہلے ہی کر رہے تھے دوسرا وہ متفکر ہوئے کہ ایسا با اختیار خلیفہ زمین میں فساد پھیلائے گا۔ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اِس انسانی خلافت کی حکمت میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ

Marfat.com

فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ط قَالَ اِنِّيْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ O (البقرہ ۳۰)

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ زمین میں کسی ایسے کو خلیفہ بنائیں گے جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔ آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور پاکی تو ہم بیان کر ہی رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

لٰہذا باری تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور ساتھ ہی اُن کو زمینی مخلوقات کے ناموں اور اُن کے خواص و آثار کا علم عطا فرمایا۔ جو زمینی خلافت کے لیے ضروری تھا۔ جب فرشتوں سے اِن ہی چیزوں کے ناموں کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ فوراً بول اٹھے کہ اے اللہ تعالیٰ تیری ذات پاک ہے۔ ہمارے پاس تو وہی علم ہے جو آپ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اِن چیزوں کے نام بتانا ہمارے بس کا روگ نہیں۔ اس سے آدم علیہ السلام کا فرشتوں پر علمی تفوق ظاہر کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے مطابق وہ نام بتا دیئے تھے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس (شیطان) کے جس نے متکبرانہ انداز اپناتے ہوئے کہا کہ میں آدم کو کیسے سجدہ کرسکتا ہوں جبکہ وہ مٹی سے بنائے گئے اور میں آگ سے۔ باری تعالیٰ نے کہا کہ اے مردود! تو قیامت تک راندۂ درگاہ رہے گا اور قیامت کے دن تو اور تیرے پیروکار جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

Marfat.com

شیطان مردود کی بغاوت اور جنت سے اخراج

اَب ذرا ملاحظہ ہو، شیطان مردود کا باری تعالیٰ سے مباحثہ و مکالمہ جس میں اُس کا متکبرانہ انداز اور باری تعالیٰ کی دھتکار اور غیض و غضب کی بوچھاڑ عیاں ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَo قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ج خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍo قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَo قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَo قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَo قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَo ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ط وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَo قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ط لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَo (الاعراف ۱۱-۱۸)

ترجمہ: اور ہم نے تم کو پیدا کیا۔ پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ پس سب نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے پوچھا (اے ابلیس) تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا۔ جب کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا۔ ابلیس بولا ''میں اُس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اُسے (آدم کو) مٹی سے''۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ''اچھا تو یہاں سے نیچے اُتر۔ تجھے حق نہیں ہے کہ تو یہاں رہ

Marfat.com

کر بڑائی کا تکبر کرے۔ نکل جا تو اُن لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں'' ابلیس بولا ''مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیجئے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تجھے مہلت ہے''۔ وہ بولا: ''جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر انسانوں کی گھات میں بیٹھوں گا۔ آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں ہر طرف سے اُن کو گھیروں گا۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا۔ جو شخص اِن میں سے تیرا کہنا مانے گا۔ تجھ سمیت میں ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا''۔

سورہ بنی اسرائیل میں اِس واقعہ کی ایک اور جھلک ملاحظہ فرمایئے:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًاۚ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًاۚ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًاۚ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًاۚ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًاۚ (بنی اسرائیل ۶۱-۶۵)

ترجمہ: جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اُس (ابلیس) نے کہا کہ کیا میں اُسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر وہ بولا ''اچھا دیکھ لے تو نے اُسے مجھ پر بزرگی تو دی ہے۔ لیکن

Marfat.com

اگر تو نے مجھے بھی قیامت تک ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو بجز تھوڑے لوگوں کے اپنے بس میں کرلوں گا''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تو جا۔ ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا تجھ سمیت اُن سب کی سزا جہنم ہے جو پورا پورا بدلہ ہے۔ تو جن جن کو اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے۔ ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا۔ مال و دولت میں ان کے ساتھ سا جھا لگا اور ان کو وعدوں کے جال میں پھانس اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہیں۔ تیرا رب کارسازی کرنے والا کافی ہے''۔

مفسرین کے مطابق مندرجہ بالا قرآنی آیات درج ذیل حقائق پر روشنی ڈالتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ آدم علیہ السلام کو زمینی خلافت کی اہم ذمہ داری سونپنی تھی لہٰذا پہلے تو فرشتوں پر ان کا علمی تفوق قائم کیا پھر فرشتوں کو اُن کے سامنے سجدہ ریز ہونے کو کہا۔ اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اگر زمین پر بطور خلیفہ اپنے فرائض بطور احسن سرانجام دے تو فرشتوں سے بھی اونچا درجہ پائے گا۔

۲۔ سجدہ عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔ آدم کے لیے فرشتوں کا سجدہ بطور اکرام و تعظیم تھا۔ اور پھر یہ سجدہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر کیا گیا اس لیے یہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھا۔ ورنہ فرشتوں کی کیا مجال کہ وہ اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرتے۔ فرشتے ایک معصوم اور بے

Marfat.com

اختیار مخلوق ہیں۔ ان سے شرک کا احتمال بھی ناممکن ہے۔ سجدہ عبادت تو ازل سے ہی ہر زمانے اور ہر شریعت میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہی مخصوص رہا ہے۔ ہاں پچھلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا۔ لیکن حضرت محمد ﷺ چونکہ آخری پیغمبر ہیں خطرہ تھا کہ کہیں لوگ اس میں غلو کر کے شرک کے راستوں پر نہ چل نکلیں۔ لہٰذا آپ کی شریعت میں تعظیمی سجدہ بھی حرام قرار دیا گیا۔ تاکہ قیامت تک اس راستے سے شرک کا تدارک ہو سکے۔

۳۔ ابلیس کا کفر محض عملی نہیں بلکہ نظریاتی بھی تھا۔ اس نے کھلم کھلا حکم ربانی کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ سے معارضہ اور مقابلہ کیا۔ اپنے نظریئے کو سچا ثابت کرنے کے لیے دلائل بھی پیش کیے۔ کسی فرض یا حکمِ الٰہی کو عملاً ترک کر دینا فسق و گناہ ہے۔ لیکن اس کو سرے سے ماننے سے ہی انکار کر دینا اور اپنے انکار کے لیے دلیلیں پیش کرنا کفر ہے۔ جو شیطانی عمل ہے۔ موجودہ زمانہ کے ترقی پسند اور نام نہاد روشن خیال مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ احکامِ شریعت کو اجتہاد کے نام پر اپنے وضع کردہ اصولوں کے مطابق ڈھالتے ہیں اور حرام کو حلال ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جیسے بے پردگی سودی کاروبار یا مخلوط معاشرے کا معاملہ۔ جنہیں وہ اِس زمانے میں جائز سمجھتے ہیں۔

۴۔ ابلیس سے جو زہد و طاعت میں بہت اونچا مقام رکھتا تھا حکمِ الٰہی کو ماننے سے انکار کی حرکت کیسے سرزد ہوئی۔ اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

Marfat.com

سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس کے تکبر اور حسد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سے معرفت اور علم وفہم کی دولت چھین لی۔ دوسرا حب جاہ اور خود پسندی نے اسے حقیقت سے اتنا دور کر دیا کہ وہ حق کو نہ پہچان سکا۔ تیسرا اُسے آگ سے پیدا ہونے پر بہت فخر تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ آگ مٹی سے بہتر ہے۔ حالانکہ آگ میں سوائے تیزی اور جلانے کے کیا ہے۔ جبکہ مٹی میں سکون وثبات نباتات ونمو اور رزق کے خزانے ہیں۔ پھر بنیادی چیز تو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر فوقیت دینا اُسی ذات کا حق ہے جس نے انہیں پیدا کیا۔ شیطان کا یہ سمجھنا کہ افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جا سکتا بنیادی طور پر کافرانہ فعل تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ افضل کون ہے اور مفضول کون ہے۔

۵- انسان کا وہی ایمان معتبر ہے جو مرتے دم تک ساتھ رہے۔ ابلیس نے زہد و طاعت اور عبادت و ریاضت کی بڑی منزلیں طے کیں اور جنوں سے نکل کر فرشتوں میں شامل ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کر کے راندۂ درگاہ ہوا۔ ساری نیکیاں ساری عباتیں اور ریاضتیں اور سارے رکوع و سجود صرف ایک سجدہ کا انکار کرنے سے ضائع ہو گئیں۔ اس سے انسانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کو اپنی عبادات تسبیحات اور صدقات پر غرہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں وہ ہماری کسی حرکت پر ہم سے سب کچھ نہ چھین لے۔ اور اس کے حضور دعا کرنی چاہیے کہ ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو۔

Marfat.com

۶- شیطان کا سجدہ کرنے سے انکار اور پھر اُسے بنی آدم کو گمراہ کرنے کا اختیار دراصل علم الٰہی اور قدرتِ ربانی میں پہلے سے طے شدہ تھا۔ ورنہ شیطان لعین کی کیا مجال تھی کہ اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتِ کمالیہ اور اپنی شہنشاہانہ عظمت و جبروت کا مظاہرہ کرنے کے لیے اس عالم کی تخلیق کی۔ پھر بنی آدم کی تخلیق کی تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور علم محیط کی معرفت حاصل کر کے اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اس کے لیے اُسے ایک امتحان سے گزارنا مقصود تھا کہ کیا انسان نیکی اور بدی کا اختیار رکھتے ہوئے باری تعالیٰ کی ذات و صفات کو پہچانتا ہے یا وقتی لذت میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے۔ شیطان کو جنت سے نکالنا اور اسے قیامت تک انسانوں کو گمراہ کرنے کا اختیار دینا دراصل انسانوں کے امتحان کا ایک ذریعہ بنانا تھا۔

۷- شیطان کا انسانوں کو اپنی آواز سے گمراہ کرنے کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو ہر وہ آواز جو عام دعوت کے ذریعے گناہ کی طرف بلاتی ہے شیطان کی آواز ہے۔ دوسرا شیطان اور اُس کے چیلے اپنی آوازیں بدل بدل کر لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ تیسرا جہاں ضرورت پڑے وہ اپنی آواز کو چیخ و پکار میں بدل دیتا ہے تاکہ سخت سے سخت آدمی بھی موم ہو کر اُس کی طرف متوجہ ہو۔ چوتھا فحش گانے، موسیقی اور لہو و لعب کی آوازیں شیطان کی آوازیں ہیں جن کے ذریعے وہ انسانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔

Marfat.com

۸۔ لوگوں کے مال و اولاد میں شیطان کی شرکت کے بھی کئی مطالب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حرام طریقوں سے مال کمانا اور حرام کاموں پر خرچ کرنا۔ حلال طریقوں سے کمائے ہوئے مال میں سے لوگوں کے حقوق غصب کر لینا۔ کسبِ مال کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھنے کی بجائے اپنی محنت اور عقلمندی کا نتیجہ قرار دینا۔ اولاد میں شیطان کی شرکت کا مطلب یہ ہے کہ اولاد حقیقی باپ کے نطفہ سے نہ ہو۔ یا بیٹی یا بیٹے کی پیدائش کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی سے منسوب کرنا۔ اولاد کی خاطر حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنا، اولاد کی پرورش حرام طریقوں سے کرنا، اولاد کے مشرکانہ نام رکھنا یا اُن کے لیے مشرکانہ رسوم ادا کرنا، اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل کرنا یا بیچ دینا، اولاد کی خاطر خلق خدا پر ظلم کرنا اور اُن کے حقوق غصب کرنا سب شیطانی فعل ہیں جن میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔

۹۔ شیطان کے سواروں اور پیادوں سے مراد وہ سب جن و انس ہیں جو شیطانی مقاصد کی تکمیل میں رات دن مصروف ہیں۔ شیطان انہیں منتخب کر کے خاص چالیں سکھاتا ہے۔ جنہیں لے کر وہ انسانوں میں پھیل جاتے ہیں۔ اوران کے ایمان پر پیادہ یا سوار ڈاکوؤں کی طرح ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

۱۰۔ شیطان انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہمیشہ جھوٹے وعدوں اور جھوٹی امیدوں کے جال بچھاتا ہے۔ اور اُن کے برے اعمال کو خوشنما بنا کر دکھاتا ہے۔ مثلاً پہلے تو آدمی کو غربت سے ڈرا کر یہ کہے گا کہ اگر حرام نہیں کھاؤ گے تو بھوکے مر جاؤ گے۔ تمہاری اولاد ذلیل وخوار ہو کر دھکے کھائے گی۔

Marfat.com

جب انسان رزقِ حرام کمانے لگتا ہے۔ تو اُسے شاباش دیتا ہے کہ بالکل ٹھیک ہے۔ یہ کمائی تو تمہاری محنت، جرأت اور تمہارے عہدے کے صحیح استعمال کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ایک بدھو یہ کام کیسے کر سکتا ہے۔ نوجوانوں کو فحاشی کی طرف مائل کرنے کے لیے کہے گا کہ چند روزہ جوانی سے لطف اندوز ہو لو ورنہ بڑھاپے میں پچھتاؤ گے۔ چوروں ڈاکوؤں اور غاصبوں کو کہے گا کہ بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو بعد میں توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینا۔ ظالم اور غاصب حکمران کو باور کروائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر حکومت کرنا تمہارا پیدائشی حق ہے۔ لہٰذا جو بھی ظلم کے خلاف واویلا کرتا ہے وہ باغی ہے۔ اُسے کچل دو۔ زاہد اور متقی عبادت گزاروں کو یقین دلائے گا کہ تم نیکی کے اِس درجے پر پہنچ چکے ہو جہاں اللہ تعالیٰ بھی تمہاری کوئی بات نہیں ٹال سکتا۔ قوی اور طاقتور کو کہے گا کہ بیشک جھوٹ بولو کسی کی جرأت نہیں کہ تمہارے جھوٹ کو سچ نہ مانے۔

۱۱- اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جو مہلت دی وہ صرف وقت کی مہلت نہیں تھی بلکہ اُسے اختیار اور موقع دینا بھی تھا کہ وہ انسانوں کو مختلف حربوں سے بہکائے اور گمراہ کرے۔ اُسے ایسا وجود دینا بھی تھا کہ کوئی انسان اُسے ظاہری آنکھ سے نہ دیکھ سکے جبکہ وہ ہر انسان کو دیکھ سکے۔ اُسے مختلف شکلیں اور روپ بدلنے کا اختیار دینا بھی تھا تاکہ وہ ہر روپ میں آ کر انسانوں کو گمراہ کرے۔ اُسے یہ قوت بھی عطا کرنی تھی کہ وہ ہر انسان تک بیک وقت پہنچ سکے۔ لیکن اُس کا اختیار بہرحال یہیں تک محدود تھا کہ وہ انسانوں کے سامنے شیطانی

Marfat.com

راستے مزین کرکے پیش کرے۔ انہیں پر فریب اُمیدوں کی آس دلائے۔ انہیں دنیا کی آسائشوں اور لذتوں میں ایسا الجھائے کہ وہ اپنے حقیقی آقا کو ہی بھول جائیں۔ ان تمام حربوں کے استعمال میں اُسے یہ اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ زبردستی لوگوں کو گمراہ کرے۔ کیونکہ اِس طرح تو انسان بے بس ہو جاتا اور اُسے دیئے گئے امتحان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔

۱۲- اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جو یہ چیلنج کیا تھا کہ تو اپنے سارے حربے آزما لے لیکن میرے مخلص بندے تیرے دام میں نہیں آئیں گے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ مخلص بندوں پر شیطان کا گزر نہیں ہوگا۔ یا وہ شیطان سے اتنا دور رہیں گے کہ اُن سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا۔ بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اُن سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہوا تو وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ شیطانی حملہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں گے اور آئندہ کے لیے احتیاط برتنے کا عہد کریں گے۔

۱۳- قرآن بتاتا ہے کہ انسان کی پیدائش سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے ہوئی۔ جس میں انسانی روح ڈال کر شکل وصورت اور متناسب اعضا بنائے گئے۔ لیکن موجودہ زمانے کے ایک سائنسدان مسٹر ڈارون نے تخلیق انسانی کا یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ انسان غیر انسانی حیوانی اور نیم انسانی حالت کے مختلف مدارج طے کرتا ہوا موجودہ مرتبہ انسانیت تک پہنچا ہے۔ اُس نے اپنے نظریئے کی بنیاد آثارِ قدیمہ سے پائی گئی ہڈیوں اور دوسرے انسانی تمدن کی دریافت شدہ چیزوں پر مختلف تخمینے لگا کر رکھی۔ حتیٰ کہ انسان کو بندر

Marfat.com

کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا۔ جیسا کہ شروع میں بیان ہو چکا کہ قرآنی حقائق کے مقابلے میں سائنسی نظریات ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کچھ نہیں۔ انسان جو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے کیسے مانا جا سکتا ہے کہ وہ پودوں، جانوروں یا بندروں کی نسل سے تخلیقی مدارج طے کرتا ہوا موجودہ حالت میں پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ صَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ یعنی تمہاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ صورت بنائی لیکن ڈارون اور اُس کے پیروکار انسان کی ابتدا گھٹیا نسلوں کی طرف منسوب کرنے پر بضد ہیں۔

۱۴- شیطان کا اللہ تعالیٰ کو یہ چیلنج کرنا کہ نسل انسانی کو ہر طریقہ سے گمراہ کرے گا اِس بنا پر تھا کہ اس نے انسان کے اجزائے ترکیبی کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کے اندر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو گا۔ جنہیں وہ ہر طریقہ سے پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جائے گا۔ دوسرا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بنی آدم کو زمین پر ایک امتحان کے لیے بھیجا جا رہا ہے۔ جس میں سارے انسان تو کامیاب نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے کچھ تو اُس کے ہتھے چڑھیں گے۔

انسان کا انتخاب بطور خلیفہ

یہاں سوال کیا جا سکتا ہے کہ انسان ہی کو زمینی خلافت کے لیے کیوں چنا گیا۔ فرشتوں اور جنات کو بھی یہ کام سونپا جا سکتا تھا۔ جبکہ انسان کی نیابت سے فساد اور خون ریزی کا خطرہ بھی تھا۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خلافتِ زمین کسی ایسی

Marfat.com

مخلوق کو دینی مقصود تھی جس میں شر اور نیکی دونوں کا عنصر موجود ہو۔ لیکن شر کا عنصر غالب نہ ہو۔ جنوں کو خلافت کا اہل اس لیے نہ سمجھا گیا کہ اُن میں شر کا عنصر غالب تھا جس کا مظاہرہ ابلیس نے جو جنوں میں سے تھا اس طرح کیا کہ الہ تعالیٰ کے براہِ راست حکم کے باوجود آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر زمینی خلافت کا مقصد ایک امتحان تھا۔ جس کے لیے اُس مخلوق کا ایک حد کے اندر بااختیار ہونا ضروری تھا۔ تاکہ وہ نیکی اور بدی میں سے ایک کا چناؤ کر سکیں۔ فرشتے اس خلافت کے اس لیے اہل نہیں تھے کہ وہ ایک معصوم مخلوق ہیں اوران سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ نیابتِ خداوندی کے لیے ایک خاص علم کی ضرورت تھی جو آدم علیہ السلام کو عطا کر دیا گیا یا پیدائش کے وقت اُن کی سرشت میں ودیعت کر دیا گیا۔ یہ علم کائنات کی چیزوں کے نام اُن کی خصوصیات اور اثرات کے بارے میں تھا جس سے فرشتے نابلد تھے اور جس کا اظہار انہوں نے رب رحیم کے سامنے برملا کر دیا۔

انسان کو زمینی خلافت عطا کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کی سرشت میں نیکی کا مادہ ودیعت کر دیا گیا تھا اور جب اُسے خلافت کے لوازمات فرائض اور اُس کے نتیجے میں جزا و سزا کے بارے میں آگاہ کیا گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا قرب و رضا حاصل کرنے کے لیے فوراً یہ بارِ امانت اُٹھانے پر تیار ہو گیا۔ کیونکہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل کر انعاماتِ باری تعالیٰ حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ اُسے یہ احساس نہ ہوا کہ میری نسل میں سے کتنے لوگ زمینی خلافت کا صحیح حق ادا نہیں کر سکیں گے اور سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔ پھر کائنات میں اُس کو

Marfat.com

دیئے گئے وسیع اختیارات اور بے شمار مخلوقات پر اُس کی بالادستی ایسی چیزیں تھیں۔ جو اُسے بارِ خلافت اُٹھانے پر مجبور کر گئیں۔ اور اس معاملے میں وہ زمین و آسمان اور پہاڑوں سے بھی قوی ثابت ہوا۔ جنہوں نے باری تعالیٰ کے سامنے بارِ خلافت اُٹھانے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (الاحزاب ۷۲)

ترجمہ: ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا۔ تو وہ اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

یہاں امانت سے مراد خلافتِ زمینی ہے جس میں انسان کو احکامِ شرعیہ کا مکلّف و مامور بنایا گیا ہے۔ زمین و آسمان یا پہاڑ کے سامنے امانت پیش کیے جانا ممکن ہے تمثیلاً بیان کیا گیا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتے ہوں کہ زمینی خلافت کا بارِ گراں اتنا سخت اور بھاری تھا کہ زمین و آسمان اپنی وسعت و عظمت اور پہاڑ اپنی جسامت و متانت کے باوجود اس کو نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ نے خلافتِ زمینی کا بوجھ اُٹھانے کے لیے زمین و آسمان اور پہاڑوں سے پوچھا ہو اور انہوں نے حقیقی طور پر اس بارِ گراں سے اپنی عاجزی ظاہر کی ہو اور وہ یہ سوچ کر ہی ڈر گئے ہوں کہ اگر اِس امانت میں ذرا بھی خیانت کی تو ہماری خیر نہیں۔ لیکن انسان کا دل گردہ دیکھیے کہ وہ فوراً ہی اس بارِ گراں کو اُٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ کیونکہ وہ بہت ہی جاہل اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا

Marfat.com

ہے۔ یہاں جاہل اور ظالم اُس انسان کو کہا گیا ہے جو فرائضِ خلافت سے لا پرواہی برتتا ہے اور اُسے یہ احساس ہی نہیں کہ یہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ یہاں زمینی خلافت کی اہمیت اجاگر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اتنی اہم ذمہ داری ہے کہ سوائے انسان کے کوئی اور مخلوق اسے اُٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئی۔

یہاں ایک چیز قابلِ غور ہے کہ جب زمین وآسمان اور پہاڑوں پر یہ بارِ امانت اللہ تعالیٰ نے خود پیش فرمایا تو انہیں انکار کی جرأت کیسے ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بارِ امانت اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور پہاڑوں پر اختیاری طور پر پیش کیا۔ ان سے صرف ان کی مرضی اور رائے پوچھی کہ کیا ان شرائط اور اختیارات کے ساتھ یہ بارِ امانت اُٹھا لو گے۔ تو وہ اس امانت میں چھپی ہوئی مشکلات سے اتنا ڈر گئے کہ لرزتے ہوئے کہنے لگے کہ یا الٰہی ہمیں معاف کیجئے ہم یہ بھاری بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ ہمیں بے اختیار مخلوق ہی رہنے دیجئے۔

زمین وآسمان اور پہاڑوں پر عرضِ امانت کا واقع تخلیقِ آدم سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں تخلیقِ آدم سے پہلے وجود میں آچکی تھیں۔ پھر جب انسان نے یہ بوجھ اُٹھانے پر رضامندی ظاہر کر دی تو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانی روحوں کو اکٹھا کر کے خلافتِ زمینی کا حلف لیا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب روحوں نے اقرار کیا کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ دراصل یہی اقرار انسانوں کو خلافت کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت عطا کر گیا۔ انسان کو خلافتِ زمین دی ہی اس لیے گئی کہ اس میں اس بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت اور طاقت

Marfat.com

تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر ازلی میں آدم علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا طے کر دیا تھا اس لیے اُس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ یہ بوجھ اُٹھا سکے۔ دوسری مخلوقات میں اِس بوجھ کو اُٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں پیدا کی گئی۔ لہٰذا وہ یہ بوجھ اُٹھانے سے عاجز ہو گئیں۔ اِس سے انسان کا اشرف المخلوقات ہونا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور مکرم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

آدم اور حوا کا جنت سے اخراج

نسلِ انسانی کے پہلے امتحان میں اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک درخت کا انتخاب کیا۔ اور آدم وحوا کو بتا دیا کہ جنت میں جو چاہو بفراغت کھاؤ لیکن اس مخصوص درخت کے نزدیک نہیں جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے شیطان نے اپنی شکست کا بدلہ اس طرح لیا کہ آدم وحوا دونوں کو ورغلایا جس سے وہ اس درخت کا پھل کھا بیٹھے۔ نتیجتاً اُن کے ستر کھل گئے۔ اور وہ درختوں کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے۔ تب آدم اور حوا کو محسوس ہوا اُن سے بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ انہوں نے توبہ کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ قرآن نے اِس واقعہ کو مفصل بیان کیا ہے۔

وَ يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ٥ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ٥ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ٥ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا

Marfat.com

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ○ (الاعراف ۱۹-۲۵)

ترجمہ: (اور ہم نے حکم دیا) کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ اور اس مخصوص درخت کے پاس مت جاؤ ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں اُن کے سامنے کھول دے۔ اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے کسی اور سبب سے منع نہیں فرمایا مگر صرف اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔ اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ پس ان دونوں کو دھوکہ دے کر آہستہ آہستہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا مزا چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے۔ اور وہ اپنے جسم کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ تب ان کے رب نے انہیں پکارا۔ ”کیا میں نے تمہیں اس درخت سے روکا نہیں تھا اور کہا نہ تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے“۔ دونوں بول اٹھے: ”اے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے“۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اتر جاؤ تم

Marfat.com

ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اور تمہارے لیے ایک خاص مدت تک زمین میں ہی جائے قرار اور سامانِ زیست ہے"۔ اور فرمایا "وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے۔ اور اسی میں سے تم آخر کار نکالے جاؤ گے"۔

آیاتِ بالا کی تفسیر میں مفسرین نے درج ذیل حقائق بیان کیے ہیں:

۱- اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آدم علیہ السلام شیطان کے دھوکے میں نہ آتے اور اُس مخصوص درخت کا پھل نہ کھاتے۔ جس سے اُن کو منع کیا گیا تھا۔ تو وہ جنت سے نہ نکالے جاتے اور نسلِ انسانی بغیر کسی آزمائش کے ہمیشہ جنت میں رہتی۔ یہ خیال اس لیے غلط ہے کہ آدم کی پیدائش سے پہلے ہی اُسے خلافتِ زمینی عطا ہونے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اور آدم کی پیدائش کا مقصد ہی اُسے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنا کر بنی آدم کی آزمائش کرنا تھی۔

۲- آدم علیہ السلام کو زمین پر خلیفہ کی حیثیت سے بھیجنے سے پہلے آدم و حوا کو امتحان کی غرض سے جنت میں رکھا گیا۔ تاکہ انسانی خواہشات اور رجحانات کی آزمائش ہو جائے۔ اور اس امتحان کے نتیجے میں نسلِ انسانی پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ شیطان اُن کا ازلی دشمن ہے۔ وہ ان کے دائیں بائیں آگے پیچھے سے حملہ آور ہوگا۔ اُن کے برے اعمال کو مزین کر کے پیش کرے گا۔ اور جس طرح اُن کے جدامجد آدم علیہ السلام کو جنت کی نعمتوں سے محروم کرایا تھا انہیں بھی آخرت میں جنت سے محروم کرائے گا۔ اِس سلسلہ میں اگر بھول چوک ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے معافی مانگ لینی چاہیے۔

Marfat.com

۳- اللہ تعالیٰ اپنی صفاتِ کبریائی عظمت شہنشاہی اور بڑائی میں منفرد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی بھی اِن صفات کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ عاجزی فروتنی اور خاکساری ہی کو پسند کرتا ہے۔ اسی لیے آدم علیہ السلام عجز وفروتنی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے سرفراز ہوئے۔ اور شیطان جس نے تکبر اور بڑائی کا اظہار کیا راندۂ درگاہ ہوا۔

۴- اس واقعہ سے اُن لوگوں کے نظریئے کی نفی ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گناہ کے نتائج لازمی ہیں۔ جو بہر حال انسان کو بھگتنے ہوں گے۔ یہ نظریہ گناہگار انسان کو ہمیشہ کے لیے مایوس کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اب تو میں گناہ کر بیٹھا ہوں اَب توبہ اور رجوع کا کیا فائدہ۔ قرآن بتاتا ہے کہ سچی توبہ سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم نے توبہ اور استغفار کے ذریعے نہ صرف اپنا گناہ معاف کرایا بلکہ نسلِ انسانی کے پہلے پیغمبر بھی بنے۔

۵- آدم اور حوا کے ستر کھلنے اور پھر ان کا اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے اندر شرم وحیا کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی پیدائش کے وقت ہی اس کی فطرت میں ودیعت کر دیا تھا۔ اس سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ جس کے مطابق شرم وحیا انسان کے اندر تہذیبی ترقی کا نتیجہ ہے۔ اور یہ کہ ابتدائی انسان برہنہ رہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

Marfat.com

۶- انسان کو فطرتِ انسانی کی سیدھی راہ سے ہٹانے کے لیے شیطان کا پہلا حملہ اُس کے جذبۂ شرم و حیا پر تھا۔ شیطان چاہتا تھا کہ برہنگی کے ذریعے نسلِ انسانی کے لیے فواحش و منکرات کے دروازے کھولے۔ یہی انسان کا کمزور پہلو ہے جس کا استحصال بڑی آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

۷- شر اور بدی کا مدعی ہمیشہ اپنا بھیس بدل کر خیر خواہ کے روپ میں انسان کو ورغلاتا ہے۔ شیطان نے اپنے ٹولے کے لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے روپ بدلو۔ انسانوں کو جھوٹے وعدے اور جھوٹی آرزوئیں دلاؤ۔ اُن کے سامنے اُن کے اعمال بد مزین کر کے پیش کرو۔ اُن کے کمزور فطری پہلوؤں کا استحصال کرو تب کامیابی کی اُمید ہے یہ کام نہ صرف شیطان خود بلکہ شیطان کے چیلے بھی کرتے ہیں۔ اِس سلسلے میں جو لوگ بھی خلقِ خدا کو مختلف حربوں کے ذریعے راہِ راست سے بھٹکاتے ہیں وہ شیطان کے چیلے ہیں کیونکہ وہ شیطان کی مدد کر رہے ہیں۔

۸- انسان کے اندر حیاتِ جاوداں اور بشریت سے بھی بلند مقام پر پہنچنے کی فطری خواہش موجود ہے۔ شیطان نے اِسی چیز کا سہارا لیا۔ اور آدم و حوا سے کہا کہ اِس مخصوص درخت کا پھل کھانے سے تمہیں نہ صرف ابدی زندگی ملے گی بلکہ بشریت سے نکل کر فرشتے بن جا گے۔ شیطان اتنا عیار ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو مسجودِ ملائکہ تھے فرشتہ بننے کا لالچ دے کر گمراہ کر

Marfat.com

لیا۔ حالانکہ فرشتوں نے تو آدم کو سجدہ کیا تھا اور فرشتہ بننا اُن کے لیے کوئی بڑا مقام نہیں تھا۔

۹- عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ شیطان نے پہلے اماں حوا کو ورغلایا اور پھر ان کے ذریعے حضرت آدم کو دامِ فریب میں مبتلا کیا۔ قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ قرآن کہتا ہے کہ شیطان نے دونوں کو بیک وقت ورغلایا اور دونوں دھوکہ کھا گئے۔ کسی ایک نے بھی دوسرے کو پھل کھانے یا نہ کھانے کا مشورہ یا تجویز نہیں دی۔ بہر حال اس روایت نے عورتوں کا معاشرتی، اخلاقی اور قانونی رتبہ گرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مرد حضرات مذاق مذاق میں ہی عورتوں پر طعنہ زنی کرتے رہتے ہیں کہ تم وہ ہستی ہو جس نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوایا تھا درا صل یہ تصور اسرائیلی روایات پر مبنی ہے۔

۱۰- شجرِ ممنوعہ کا پھل کھاتے ہی آدم و حوا کے ستر کھل جانا اس درخت کی کسی خاصیت کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نتیجہ تھا جس نے آدم و حوا کو جنت میں بھیج کر اپنی حفاظت میں لیا ہوا تھا۔ انہیں انسانی فطری ضرورت کے مطابق جنت کا لباس بھی دیا ہوا تھا۔ لیکن جب انہوں نے شیطان کے فریب میں آکر مخصوص درخت کا پھل کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت ہٹا لی۔ اور انہیں اپنے نفس کے حوالے کر دیا۔ جس سے وہ شیطان کے فریب میں آ گئے۔ اور عین شیطانی خواہش کے مطابق سب

Marfat.com

سے پہلے آدم وحوا کے ستر اتر گئے۔

۱۱- اللہ تعالیٰ نے شیطان اور انسان کو ایک دوسرے کا دشمن قرار دیا۔ شیطان تو انسان کا دشمن اُس وقت بنا جب اُس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور ملعون اور راندۂ درگاہ ہوا۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ انسان بھی شیطان کو اپنا دشمن سمجھے کیونکہ وہ بدبخت اس کی اخروی زندگی تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اگر آیتِ مذکورہ سے انسانوں کی آپس میں دشمنی لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ آدم کو جنت سے نکالنے کے بعد اولادِ آدم میں باہمی رقابتیں ہوں گی۔ وہ ایک دوسرے سے حسد کریں گے۔ جاہ وجلال ملک و سلطنت اور مال و دولت کے لیے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہیں گے۔ یہ حضرت آدم کے لیے ایک قسم کی معنوی اور روحانی سزا تھی۔

۱۲- آدم وحوا کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان نے قسم کا سہارا لیا۔ وہ دونوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر کون جھوٹ بول سکتا ہے۔ حالانکہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے نام پر جھوٹ بولتا ہے۔ اُسے اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر یقین ہی نہیں ہوتا۔ آج بھی یہ شیطانی حربہ اکثر لوگ استعمال کرتے ہیں۔ کسی جھوٹ کو سچا ثابت کرنے کے لیے بار بار جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک آدمی سچا ہے تو اُسے قسمیں کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا سچ اُس کے قول وفعل سے نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اگر ایک آدمی اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تو وہ جھوٹی قسم کھانے سے کیوں ڈرے گا۔

Marfat.com

۱۳- قرآنی الفاظ ہیں وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ یعنی آدم وحوا کو کہا گیا کہ اِس درخت کے نزدیک بھی نہ جانا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ اس کا پھل نہ کھانا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو برائی کی سرحدوں سے بھی دور رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ جب برائی کی سرحد پر پہنچ گئے تو پھر برائی کا ارتکاب آسان ہو جاتا ہے۔ سلامتی اسی میں ہے کہ انسان سرحد سے دور ہی رہے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ کسی دن قدم سرحد کے پار نہ چلا جائے۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے وہ تمام اشیا بھی ممنوع قرار دیں جن کے اختیار کرنے سے کسی حرام کام میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

۱۴- وہ درخت کون سا تھا جس سے آدم وحوا کو منع کیا گیا تھا۔ قرآن نے متعین نہیں کیا نہ کسی مستند حدیث میں اِس کا تعین ہے۔ کسی نے گندم کا درخت قرار دیا کسی نے انگور کا کسی نے انجیر کا۔ مگر جس چیز کو قرآن وحدیث نے مبہم چھوڑا ہے۔ اُس کے تعین کرنے پر بحث وتقرار اور تحقیقات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ منع کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ اُس درخت کے پھل میں کوئی خرابی تھی۔ یا اُس میں کوئی ایسی خاصیت تھی کہ اُس کا پھل کھاتے ہی آدم وحوا کے ستر کھل جائیں گے۔ اصل مقصد آدم وحوا کی آزمائش تھی۔ جس کے لیے کسی مخصوص درخت کا انتخاب کیا گیا۔ اگر درخت کا انتخاب نہ کیا جاتا تو آزمائش کے لیے کوئی اور چیز بھی متعین کی جاسکتی تھی۔

۱۵- توبہ قبول کرنے اور گناہ معاف کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ اُس وقت بہت خوش ہوتا ہے جب کوئی گناہگار اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اُس کے در پر لوٹ آتا ہے۔ اور گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے۔ حضرت آدم سے جب ممنوعہ درخت کھانے کی لغزش ہوئی اور انہوں نے اپنی غلطی کا احساس کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو معافی مانگنے کے الفاظ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا بھی اللہ تعالیٰ نے القا کیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ توبہ کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور توبہ قبول کرنے کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ اس سے یہود و نصاریٰ اور بعض توہم پرست مسلمانوں کے اس عقیدہ کی نفی ہوتی ہے جو اپنے پادریوں یا پیروں اور مرشدوں کے پاس جاتے ہیں۔ اور کچھ ہدیے اور نذرانے دے کر بزعمِ خود اپنے گناہ معاف کرا لیتے ہیں۔ بے چارے سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے ہمارے گناہ معاف کر دیئے تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی درخواست نہیں ٹالتا۔ حالانکہ یہ لوگ تو خود اپنے گناہ معاف کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ گناہ کا معاف کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے۔ جس کے لیے انسانوں کو براہِ راست اللہ تعالیٰ کے در پر آنا پڑتا ہے۔ کیونکہ توبہ کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

۱۶- ہر جگہ چلنے پھرنے کی آزادی انسان کا فطری حق ہے۔ باری تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں کھانے پینے کی ساری چیزیں بکثرت عطا کیں۔ اور پوری جنت میں گھومنے پھرنے کی اجازت دی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

Marfat.com

انسان کا اپنی مرضی کے مطابق ہر جگہ چلنا پھرنا اُس کا فطری حق ہے۔ تمام ضروریاتِ زندگی مہیا ہونے کے باوجود اگر ایک انسان کسی خاص جگہ یا خطہ سے باہر نہیں جاسکتا تو یہ ایک قسم کی قید تصور ہوگی۔

یہاں ایک سوال کیا جاسکتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو کسی خاص درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا اور ساتھ ہی متنبہ کردیا گیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اس کے باوجود آدم علیہ السلام نے درخت کا پھل کیوں کھایا۔ مفسرین نے اس کی کئی توجیہات بیان کی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱- آدم علیہ السلام نے جان بوجھ کر نافرمانی کا صدور نہیں کیا۔ اُن سے بھول ہوگئی یا اجتہادی لغزش کا شکار ہوگئے۔ جو اگرچہ عام حالات میں قابلِ گرفت نہیں۔ لیکن آدم علیہ السلام کی شانِ نبوت اور رتبہ عالی کے لحاظ سے یہ بھول بھی ایک بڑی لغزش سمجھی گئی۔

۲- جس خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا۔ اُس سے مراد صرف وہی درخت نہیں تھا۔ بلکہ اس جنس کے سارے درخت مراد تھے۔ شیطان نے آدم کو قسم کھا کر باور کرایا کہ جس درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ہے وہ وہی ایک مخصوص درخت ہے۔ اس کی جنس کے دوسرے درخت اس میں شامل نہیں۔ لہٰذا آدم علیہ السلام سمجھے کہ جس درخت کا پھل میں کھا رہا ہوں۔ اُس سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا۔

۳- یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان نے آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو کہ

Marfat.com

درخت سے پھل کھانے کی ممانعت چند محدود دنوں کے لیے ہے۔ یا ابتداء
افرینش کے دنوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جب یہ عرصہ گزر گیا ہو، تو
بقول شیطان یہ ممانعت کی پابندی ختم ہوگئی ہو۔ اس بنا پر شیطان نے آدم کو
مطمئن کرلیا ہو کہ اب پابندی کی مدت ختم ہوگئی ہے۔

۴- اللہ تعالیٰ نے جنات وشیاطین کو مختلف شکلیں عطا کی ہیں وہ شکلیں بدل بدل
کرانسانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کو گمراہ کرتے وقت ممکن ہے
شیطان نے ایسی شکل اختیار کی ہو کہ آدم علیہ السلام اسے پہچان نہ سکے
ہوں۔ اور پھر جب اس نے آدم علیہ السلام کو جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے
اور فرشتہ بننے کا لالچ دیا تو وہ دھوکہ کھا گئے ہوں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش کا مقصد ہی اُسے
زمین پر بطور خلیفہ بھیجنا تھا۔ اُسے کچھ عرصہ جنت میں رکھنے اور پھر اُسے آزمائش
کے ذریعے کوئی غلطی صادر کرا کر زمین پر اتارنے کا فیصلہ تقدیرِ الٰہی میں پہلے
سے ہی ہو چکا تھا۔ لہٰذا مندرجہ بالا وجوہات میں سے کسی کو جنت سے اخراج کا
سبب بنانا تھا۔

انسان کی حیثیت بطور خلیفہ

قرآنِ مجید انسان کی بطور خلیفۂ زمین تین حیثیتیں بیان کرتا ہے۔ انسان کی

Marfat.com

بطور خلیفہ ایک حیثیت تو یہ ہے کہ ہر انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی مملوکات میں سے ہر انسان کو کچھ نہ کچھ اُس کی امانت میں دیا ہے۔ اُسے اُس امانت کے اُٹھانے کی حد تک کچھ اختیارات بھی دیئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر انسان اپنی امانت کا بوجھ کیسے اُٹھاتا ہے۔ ایک طریقے سے دیکھا جائے تو ہر انسان پر حقوق اللہ تعالیٰ اور حقوق العباد ایک قسم کی امانت ہے۔ اپنے فرائض منصبی امانت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس جس کو جتنی جتنی امانتیں اور اختیارات عطا کیے ہیں اُسی قدر اُن سے قیامت کے دن حساب لیا جائے گا۔ حدیثِ نبوی ہے ''تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے''۔

انسان کی بطور خلیفہ دوسری حیثیت یہ ہے کہ اُسے ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔ خاندان ہو یا قبیلہ، قوم ہو یا ملک انسان مختلف حیثیتوں سے ایک دوسرے کا جانشین بنتا رہا ہے۔ بدکار قوموں سے نیک اور نیک قوموں سے بدکار قومیں ایک دوسرے کی جانشین بنتی رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ زمینی اقتدار اور وسائل ایک قوم سے دوسری قوم ایک حکمران سے دوسرے حکمران اور ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں منتقل کرتا رہا تاکہ انسانوں کو آزمائے کہ وہ اقتدار اور دولت کے نشے میں کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اور کیا وہ اپنے پیش رووں کے انجام سے کوئی سبق سیکھتے ہیں یا نہیں۔

انسان کی تیسری حیثیت بطور خلیفہ زمین یہ ہے کہ اُسے زمین پر اقتدار اور حکومت دی تاکہ اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون

Marfat.com

نافذ کرے۔ زمین پر اقتدارِ اعلیٰ تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔لیکن زمین کا انتظام چلانے اس میں عدل و انصاف قائم کرنے اور عام زندگی میں اللہ تعالیٰ کے قوانین نافذ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نائب آتے رہے ہیں۔ نائب کے اختیارات لازماً اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدود کے اندر محدود ہوتے ہیں۔ یہ نائب پیغمبر بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نیک و صالح بندے بھی جو پیغمبروں کے نقشِ قدم پر چل کر زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرتے ہیں۔ یہاں ایک چیز ذہن میں رہے کہ خلیفہ کی ہر حیثیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امتحان ہے۔

-----☆☆☆-----

Marfat.com

باب سوم

انسانی ہدایت کے ذرائع

اوپر بیان ہو چکا کہ آدم اور اولادِ آدم کو زمین پر بھیجنے کا مقصد اُس کی آزمائش اور امتحان تھا۔ اب یہ امتحان کیا ہوگا اس کی تیاری کیسے کی جائے گی۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور صحیح راہنمائی کے لیے مختلف ذرائع کا بندوبست کیا۔ تاکہ قیامت کے دن جھگڑالو انسان یہ عذر پیش نہ کرسکیں کہ ہمیں امتحان کی تیاری کے بارے میں کچھ بتایا نہیں گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ عادلِ کل ہے۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی انسان سے اس چیز کا حساب لے جس کا اسے علم ہی نہ ہو۔ یا اس چیز کی آزمائش کرے جس کے بارے میں اسے بتایا ہی نہ گیا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ذرائع سے انسان کے لیے صراطِ مستقیم اور ہدایت کے راستوں کی طرف راہنمائی کی تاکہ انسان اپنے امتحان میں کامیاب ہو اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق ہو۔

قرآن مجید درج ذیل ذرائع کی نشاندہی کرتا ہے۔ جن کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچان کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

ہدایت کا نور فطرتِ انسانی میں:

انسانی ہدایت کا سب سے پہلا ذریعہ یہ ہے کہ وجودِ باری تعالیٰ کا احساس انسانی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اس پیدائشی فطری اثر سے ہر انسان کا دل اندر سے گواہی دیتا ہے کہ کوئی اعلیٰ ہستی ضرور ہے جس نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے اور جو اسے ایک مستحکم نظام کے ذریعے قائم رکھے ہوئے ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ سینکڑوں قوموں کے منہدم کھنڈروں اور آثارِ قدیمہ میں کسی تمدن یا اعلیٰ علوم کی لاکھ کمی محسوس ہوئی ہوگی۔ لیکن مذہبی عقیدت اور کسی نہ کسی خدا یا دیوتا کے اعتراف کی کمی ہرگز محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ انسان کا ضمیر ہمیشہ اِس بات کا قائل رہا ہے کہ کوئی ایک ہستی ضرور ہے جس نے اپنی اعلیٰ کاریگری سے اس کارخانۂ قدرت کی تخلیق کی ہے اور اسے صدیوں سے چلا رہا ہے۔ جس کے قبضے میں زندگی اور موت ہے اور جو انسانوں کو نفع نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اب آیئے دیکھیں قرآن اِس فطرتِ سلیمہ کا ذکر کیسے کرتا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(الروم-۳۰)

ترجمہ: پس آپ یکسو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کریں۔ وہی فطرت اللہ تعالیٰ کی جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساخت کو بدلنا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

یعنی انسانوں کی پیدائش ہی اسلام اور توحید پر رکھی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کی ذات کا احساس انسان کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے۔ جس کا اثر یہ ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اجمالی معرفت کا بیج جو انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے ہمیشہ انسان کو دینِ حق کی طرف کھینچتا ہے۔ اگر انسان بیرونی مضر اثرات اور اردگرد کے ماحول سے متاثر نہ ہو تو ہمیشہ دینِ حق اختیار کرے۔ اور کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ لیکن خارجی مضر اثرات اور شیطانی اغوا کی وجہ سے وہ راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ اور یہی اُس کا امتحان ہے۔

اِس مضمون کو متعدد احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر بچہ اپنی اصلی انسانی فطرت یعنی فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے یہ ماں باپ ہیں جو اِسے بعد میں عیسائی یا یہودی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہر جانور کے پیٹ سے صحیح وسالم جانور برآمد ہوتا ہے۔ کوئی بچہ بھی کٹے ہوئے کان لے کر نہیں آتا۔ بعد میں مشرکین اپنے اوہام جاہلیت کی بنا پر اس کے کان کاٹ دیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو حنفا پیدا کیا پھر شیاطین نے اغوا کر کے اُنہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیا۔ مسندِ احمد اور نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک جنگ میں مسلمانوں نے دشمنوں کے بچوں تک کو قتل کر دیا۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ”لوگوں کو کیا ہوا کہ آج وہ حد سے گزر گئے اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا“۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا وہ مشرکین کے بچے نہ تھے۔ آپ نے فرمایا ”تمہارے بہترین لوگ مشرکین کی ہی تو اولاد ہیں“ پھر فرمایا ”ہر متنفس

Marfat.com

فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی زبان کھلنے پر آتی ہے تو ماں باپ اُسے یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں''۔

اِسی مضمون کی تائید حضرت شاہ ولی اللہ تعالیٰ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ البالغہ میں کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوقات مختلف طبائع اور مزاج کی بنائی ہیں۔ اور ہر مخلوق کی جبلت اور فطرت میں ایک خاص مادہ رکھ دیا ہے تاکہ وہ مخلوق اپنی تخلیق کے منشا کو پورا کر سکے۔ قرآنِ کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ یعنی خالقِ کائنات نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور پھر جس مقصد کے لیے اُسے پیدا کیا۔ اُس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اُسے ہدایت بھی دی۔ دوسرے لفظوں میں اُس کی جبلت اور فطرت میں ایک خاص استعداد ودیعت کر دی تاکہ ہر مخلوق اپنا مقصدِ حیات حاصل کر سکے۔ شہد کی مکھی میں یہ مادہ رکھ دیا کہ وہ درختوں اور پھولوں کو پہچان کر اُن کا انتخاب کرے۔ پھر اُن کے رس کو اپنے پیٹ میں محفوظ کر کے اپنے چھتے میں لا کر جمع کرے۔ اسی طرح انسان کی فطرت میں یہ استعداد رکھ دی کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان کر شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرے''۔

لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ کے دو معنے لیے جا سکتے ہیں۔ اگر اسے خبر کے طور پر لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انسان کی فطرتِ سلیمہ اور حق پہچاننے کی صلاحیت اور استعداد کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ اس کو غلط ماحول شیاطین کا اغوا یا ماں باپ کا اثر کافر تو بنا سکتا ہے مگر اس کی استعداد قبولِ حق کو بالکل فنا نہیں کر سکتا۔ یہ استعداد ہمیشہ

Marfat.com

حق کو قبول کرنے کے لیے زور لگاتی رہتی ہے۔ انسانی ضمیر کو جھنجھوڑتی رہتی ہے۔ اگر مناسب ماحول اور مواقع مل جائیں۔ یعنی پیغمبروں اور نیک لوگوں کی صحبت تو فطرت کی یہ استعداد انسان کو صراطِ مستقیم پر لے آتی ہے۔ لیکن اگر بیرونی ماحول کے مضر اثرات اور شیاطین کا اغوا غالب آجائے تو یہ استعداد عارضی طور پر معطل ہو جاتی ہے اور انسان گمراہیوں میں بھٹکنے لگتا ہے۔ مگر یہ استعداد انسانی فطرت میں کبھی بھی فنا ہو کر ختم نہیں ہوتی ورنہ انسانی ہدایت اور توبہ کا راستہ بند ہو جاتا۔ فطرتِ انسانی کے تبدیل نہ ہونے کا اثر یہ ہے کہ ہر انسان فطرتاً جھوٹ، دغا بازی، ظلم، فریب اور دوسروں کی حق تلفی کو بُرا سمجھتا ہے۔

اگر لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کے معنی امر کے طور پر لیے جائیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جس فطرتِ سلیمہ پر پیدا کیا ہے۔ اُسے تبدیل نہ کرو۔ جو نیکی کا مادہ تمہاری فطرت میں ڈالا گیا ہے۔ اُسے خراب نہ کرو۔ ایسے اسباب سے پرہیز کرو جو قبولِ حق کی استعداد کو معطل یا کمزور کر دیں۔ غلط ماحول بری صحبت اور شیطانی کاموں سے بچتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی ساخت کو نہ بگاڑو یعنی جو چیز جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے اُس سے وہی کام لو۔ کیونکہ یہی دینِ قیم اور سیدھا راستہ ہے۔

انسانی فطرت میں نیکی کا مادہ ودیعت کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی روحوں کو وجود اور شعور بخشا اور اُن سے شہادت لی کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے حقیقت امر کو سمجھ کر جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ واقعی آپ ہمارے رب ہیں۔ بنی آدم سے یہ اقرار اور شہادت

Marfat.com

اس لیے لی گئی تا کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت سے بے خبر تھے۔ اور شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا جس کے لیے ہم سزا کے مستحق نہیں۔ قرآن اس ازلی میثاق کی نشاندہی اس طرح کرتا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۙ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (الاعراف ۱۷۲-۱۷۳)

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن سے اُن ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے جواب دیا کہ ہاں آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ ہم سب اس پر گواہ بنتے ہیں تا کہ تم لوگ قیامت کے دن یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔ یا یوں کہو کہ پہلے پہلے شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے۔ سو کیا تو اِن گمراہوں کے فعل پر ہم کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

اِس آیت کی تفسیر حضرت اُبی بن کعب اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے سب روحوں کو جمع کیا اور ایک ایک قسم یا ایک ایک دور کے لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں مرتب کر کے انہیں صورت اور گویائی کی طاقت عطا کی۔ پھر ان سے عہد و میثاق لیا اور انہیں آپ اپنے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے عرض کیا۔ ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔ تب اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر زمین و آسمان سب کو اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ ٹھہراتا ہوں تا کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس کا علم نہیں تھا۔ خوب جان لو کہ میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے۔ اور میرے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تم کو یہ عہد و میثاق جو تم میرے ساتھ باندھ رہے ہو یاد دلائیں گے۔ اور تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔ اس پر سب انسانوں نے کہا کہ ہم گواہ ہوئے آپ ہی ہمارے معبود ہیں۔ آپ کے سوا نہ کوئی ہمارا رب ہے نہ معبود''۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں مفسرین نے اِس آیت مبارکہ کے تحت مندرجہ ذیل مطالب بیان کیے ہیں:

۱۔ چونکہ زمین پر انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلافت عطا کی جانی تھی اُس خلافت کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے اپنی وحدانیت اور ربوبیت کا عہد لیا کہ تمہیں زمین پر جو کام سونپا جا رہا ہے اُسے دیانتداری سے سرانجام دینا۔ وہ تب ہی ممکن ہے جب تم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رب اور معبود مانو گے۔

۲۔ یہ میثاق تمثیلی نہیں۔ بلکہ واقعتاً تمام انسانی روحوں کو لطیف اجسام شعور اور قوتِ گویائی عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی واحدانیت اور ربوبیت کا اقرار لیا تھا۔ رہا یہ سوال کہ تمام روحیں جنہیں ابھی وجودِ عنصری عطا بھی نہیں ہوا تھا وہ کیا سمجھ سکتی تھیں کہ ہمارا پیدا کرنے والا اور پالنے والا کون ہے یا یہ کہ

Marfat.com

قیامت تک پیدا ہونے والے انسان اپنے جسموں کے ساتھ ایک جگہ کیسے سما گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے اور وہ اپنی قدرت کاملہ سے ہر کام صرف ایک لفظ 'کُن' سے کرسکتا ہے۔ اس کے لیے ذرائع و اسباب بے معنی ہیں۔ یہ کیا مشکل ہے کہ اُس نے تمام انسانی روحوں کو بقدر ضرورت خفیف اجسام عقل و فہم اور شعور و ادراک وقتی طور پر عطا کر دیا ہو۔ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام روحیں دنیاوی اجسام کے ساتھ حاضر کی گئی ہوں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث یہ تصریح کرتی ہے کہ اُس وقت جو ذریت پشتِ آدم سے نکالی گئی تھی وہ دنیاوی ڈیل ڈول کے ساتھ نہیں تھی بلکہ چھوٹی چیونٹی کے جثہ میں تھی۔ آج کل کے ایٹمی دور میں تو ایسے سوال ویسے ہی مہمل لگتے ہیں۔ اور پھر قیامت کے دن بھی تو اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو بمعہ اجسام حساب کتاب کے لیے حاضر کرنا ہے۔

۳- احادیثِ مبارکہ میں ذریتِ آدم کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالنے کا ذکر ہے لیکن قرآنی آیتِ بالا میں ذریتِ آدم کو بنی آدم یعنی اولادِ آدم سے نکالنے کا ذکر ہے۔ اس کی تطبیق یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے اُن لوگوں کو نکالا گیا جو براہِ راست آدم علیہ السلام سے پیدا ہونے والے تھے۔ پھر اُن کی نسل کی پشت سے دوسروں کو اور اِسی طرح جس ترتیب سے اولادِ آدم اس دنیا میں پیدا ہونے والی تھی۔ اسی طرح اُن کی پشتوں سے ذریت کو نکالا گیا۔

Marfat.com

۴- یہ میثاق قیامت کے دن دوسرے ذرائع کے علاوہ انسان پر بطور حجت پیش کیا جائے گا تاکہ حساب وکتاب کے وقت انسان یہ نہ کہہ سکے کہ مجھ تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا ہی نہیں۔ اور مجھے ہدایت کا کوئی ذریعہ میسر نہ تھا۔ اور وہ اپنی بغاوت اور کفر کی ذمہ داری پہلی نسلوں پر ڈال کر کنارہ کش ہو جائے۔

۵- انسان اس ازلی میثاق کے باوجود پھر کیوں اللہ تعالیٰ سے بغاوت کر کے اُس کے احکامات کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اس دنیا میں آزمائش اور امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اگر یہ میثاق انسانوں کے دلوں میں جوں کا توں رہتا تو پھر وہ کبھی برائی کی طرف مائل نہ ہوتے جس سے امتحان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ لہٰذا یہ میثاق اور اقرار انسان کے تحت الشعور میں چلا جاتا ہے۔ جسے انسان وقتی طور پر بھول جاتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ جو انسان کے لیے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ہے انسان کو بھولے ہوئے اس ازلی عہد کی یاددہانی کراتا ہے کبھی آسمانی کتابوں اور رسولوں کے ذریعے کبھی نیک انسانوں کے ذریعے اور کبھی مربوط کائناتی نظام کی طرف توجہ دلا کر مقصد صرف یہ ہے کہ کسی طرح انسان اپنا بھولا ہوا ازلی عہد یاد کرے اور اپنی فطرتِ سلیمہ کی طرف لوٹ کر نیک اعمال کے ذریعے آخرت کی کامیابی حاصل کرے۔ دوسری طرف شیطانی طاقتیں ہمیشہ اس تگ ودو میں لگی رہتی ہیں کہ انسان اس ازلی میثاق کو بھول کر گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا رہے۔ یہی انسان کا امتحان ہے۔

Marfat.com

- اِس ازلی میثاق کی یاد دہانی ایک سنت کی شکل میں بحمد للہ پورے عالمِ اسلام میں پائی جاتی ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد اُس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت وتکبیر کہی جاتی ہے۔ حالانکہ بچے کو اِن الفاظ کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ اس کی حکمت یہی ہے کہ اذان اور تکبیر کے ذریعہ اِس اقرار ازلی کو قوت پہنچا کر بچے کے کانوں کی راہ سے اُس کے دل میں ایمان کی تخم ریزی کی جائے اس کا اثر یہ ہے کہ بچہ بڑا ہو کر خواہ اسلام سے کتنا ہی دور ہو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اور مسلمانوں کی صف میں ہی اپنا شمار کرانا پسند کرتا ہے۔

کائناتی نشانیاں بطور نورِ ہدایت

باری تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر انسانوں کی توجہ اِس کائنات میں پھیلے ہوئے وسیع نظامِ قدرت کی طرف مبذول کرائی ہے۔ تا کہ انسان اس ہستی کا ادراک کر سکے جس نے یہ گونا گوں عالم اور رنگا رنگ کائنات تخلیق کی ہے۔ یہ تاروں بھرا آسمان یہ سجی سجائی زمین یہ سورج یہ چاند یہ درخت یہ سمندر یہ پہاڑ یہ لاکھوں جاندار اور بے جان اشیا یہ موسموں کا تغیر و تبدل یہ رات اور دن کا با قاعدگی سے آنا جانا ایک خالقِ کل کا ہی تو پتہ دیتا ہے۔ کائناتی نظامِ قدرت درج ذیل نسبت سے انسانی ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا محیر العقول نظامِ کائنات اتنا مکمل حسین مربوط مستقل اور بے عیب ہے کہ انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسے نظام کا خالق کوئی

Marfat.com

ایسی ہستی ہے جو ایک ہے۔ اور جس کی قدرت اور علم ہر چیز پر حاوی ہے۔
اور وہ ہستی ربِ رحیم خالق کائنات کی ہے۔

۲- باغی انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کائناتی نظام میں ردوبدل کرتا ہے۔ مثلاً بادلوں سے موسلا دھار بارش جو سیلاب کی شکل اختیار کرلے۔ یا بحری طوفان جو راتوں رات آبادیوں کو نیست و نابود کردے یا زلزلہ جو آناً فاناً بستیوں کو ملیا میٹ کردے۔ یا خشک سالی اور قحط کہ انسان روٹی کے ٹکڑے کو ترسے۔ یہ سارے مصائب انسان کی تنبیہ کے لیے نازل ہوتے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر راہِ راست پر آجائے۔

۳- آسمانوں کی ساخت شمس و قمر کی تسخیر زمین کا بچھانا اور اُس سے مختلف اشیاء کا پیدا ہونا انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ جس ہستی نے یہ چیزیں بنائیں اُس کے لیے انسانوں کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔

۴- کائنات کا وسیع نظام انسان کو پیغام دے رہا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا کمال درجے کی حکمت کا مالک ہے۔ اس کی حکمت سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ انسان کو عقل و شعور دے کر با اختیار مخلوق بنائے۔ اُسے کائنات کی بے شمار چیزوں پر تصرف دے۔ اور پھر اُس سے حساب نہ لے۔ یہ حساب قیامت کے دن لیا جائے گا۔

۵- اجرامِ فلکی زمین سورج چاند پہاڑ صحرا ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور

Marfat.com

منضبط ہیں۔ سارا کائناتی نظام ایک اکائی کی شکل میں آپس میں موافقت اور مطابقت لیے ہوئے ہے۔ مثلاً زمین کی ساری پیداوار آسمانی عوامل (سورج، ہوا، بارش) سے مربوط ہے۔ بارش کا برسنا زمینی عوامل (سمندروں، پہاڑوں، جنگلات) سے مربوط ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب انہیں پیدا کرنے اور چلانے والا ایک اللہ تعالیٰ ہے۔

انسانی ہدایت کے لیے کائناتی نظام اور اس کی نشانیوں کا ذکر بمعہ قرآنی آیات پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ جب انہی نشانیوں کو وجودِ باری تعالیٰ کی معرفت پر بطور شاہد پیش کیا گیا۔ قرآنی دلائل کے لیے وہاں رجوع کر لیا جائے۔

انسانی پیدائش میں ہدایت کی نشانیاں

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ بار بار انسان کی توجہ اس کی پیدائش کے مختلف مرحلوں زندگی کے مختلف ادوار بوڑھاپے اور موت کی طرف دلاتا ہے۔ تا کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی کو پہچان کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

ایک بے جان نطفے کا ماں کے رحم میں قرار پانا اُس میں جان ڈال کر مختلف تخلیقی مراحل سے گزارنا اُسے جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں اور قوتیں عطا کرنا پھر بڑھاپے میں ساری صلاحیتوں سے محروم کر دینا یقیناً اُس ہستی کا کام ہے۔ جو کائنات کے پورے نظام پر قدرت رکھتی ہے۔ اور جس کا کوئی ہمسر اور ساتھی نہیں۔ پھر جو ہستی مردہ اور بکھرے ہوئے اجزاء سے ایک زندہ انسان بنا سکتی ہے۔ اس کے لیے مردہ انسان کو دوبارہ زندہ کرنا زیادہ آسان ہے۔ انسان اپنی

Marfat.com

تخلیق اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں پر غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اُس کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے جو ظاہر ہے اُس ہستی کا بنایا ہوا ہوگا جس نے اُس کی تخلیق کی۔ اس سلسلے میں مفصل قرآنی آیات باب اول بعنوان "تخلیقِ انسانی میں معرفتِ ربانی" میں دی گئی ہیں۔ جہاں ایک نظر ڈالی جائے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول ذریعہ ہدایت

انسانی ہدایت کا چوتھا ذریعہ پیغمبروں اور رسولوں کی بعثت ہے۔ یہ ذریعہ بہت ہی موثر اور براہِ راست ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سارے ذرائع کا منبع یہی ذریعہ ہے۔ کیونکہ بہت ہی کم انسان ایسے ہوں گے جو صرف اپنی فطرتِ سلیمہ یا اپنی پیدائش اور کائناتی نشانیوں پر غور کر کے ہدایت یافتہ ہوئے ہوں۔ انسانی فطرتِ سلیمہ انسانی پیدائش موت وحیات یا مربوط کائناتی نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت حکمت اور واحدانیت کی گواہی تو دیتے ہیں۔ جس سے تصورِ توحید ابھر کر سامنے آتا ہے۔ لیکن یہ تمام ذرائع عقیدۂ توحید نہیں دے سکتے۔ جس کے لیے پیغمبروں کی طرف سے راہنمائی ضروری ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے براہِ راست پیغام وصول کرتے ہیں۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ پیغمبروں نے بھی اپنی دعوت کو موثر اور مدلل بنانے کے لیے دوسرے ذرائع ہدایت کو انسانی ہدایت کے لیے بطور حجت پیش کیا۔ کیونکہ انسانی فطرت کسی چیز کو قبول کرنے کے لیے دلیل مانگتی ہے۔ یہ کائناتی نظام بشمول انسانی موت وحیات اور انسانی فطرتِ سلیمہ پیغمبروں کو

Marfat.com

ایسی بنیادیں فراہم کرتے رہے کہ جن کے ذریعے وہ مختلف دلائل دے کر انسانوں کا تصورِ توحید عقیدۂ توحید میں بدل دیتے تھے۔ یہ پیغمبر ہی تھے جنہوں نے وحی الٰہی کی روشنی میں نہ صرف انسانوں کو براہِ راست ذاتِ باری تعالیٰ سے روشناس کرایا۔ بلکہ عبادت کے طریقے اور زندگی کے ہر میدان میں شریعت کے اصول بھی بتائے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبروں کی بعثت ہی انسانوں کی ہدایت کا بنیادی اور قابلِ اعتماد ذریعہ ہے۔ اور باقی تمام ذرائع اسی سے اثر لے کر پھلتے پھولتے ہیں۔

آیئے اب دیکھیں کہ پیغمبروں نے کن کن طریقوں سے انسانوں کی اصلاح کی۔ یعنی اُن کا مقصدِ بعثت کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذمے کیا کام سپرد کیے۔ جو انسانی ہدایت کے لیے ضروری تھے۔ پیغمبروں کی دعوت کے بڑے بڑے مقاصد درج ذیل ہیں۔

۱۔ دعوتِ توحید:

اِس دنیا میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ ایک دنیاوی بادشاہ بھی اپنی بادشاہی میں کوئی دوسرا بادشاہ شریک کرنا گوارا نہیں کرتا۔ اور اُس کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رب ذوالجلال جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ کیسے گوارا کرے گا کہ کوئی اُس کی ذات وصفات میں شریک ہو۔ حالانکہ دنیاوی بادشاہ دوسروں کی مدد اور سہارے کے محتاج ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان نقائص سے پاک ومبرا ہے۔ اسی لیے شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ قیامت کے دن مشرک کے چھٹکارے کی کوئی گنجائش نہیں۔ باری تعالیٰ نے سب سے پہلے

Marfat.com

پیغمبروں کے ذریعے اپنی ذات وصفات میں شرک کی نفی کروائی۔ کیونکہ جب تک انسان کا عقیدۂ توحید پختہ نہ ہو اس کے نیک اعمال اُس کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج

(النحل ۳۶)

ترجمہ: اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ (صرف) اللہ تعالیٰ کی پرستش کرو۔ اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

یہاں طاغوت سے مراد تمام جھوٹے معبود ہیں خواہ وہ بت ہوں۔ شیطان ہوں یا ظالم انسان ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ o (الانبیاء ۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا لیکن اس کو یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (لہٰذا) مجھی کو پوجو۔

اِن آیاتِ مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سے پہلے آنے والے انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد دعوتِ توحید تھا۔ اور انہوں نے برملا سب سے پہلے اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی کہ لوگو اللہ تعالیٰ کو ایک مانو وہی تمہارا خالق و رازق ہے۔ اسی کی عبادت کرو اور اُسی سے اپنی حاجات کے لیے فریاد کرو۔

آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے بھی باری تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی وحدانیت اور بڑائی کا اعلان کروایا۔ سورہ مزمل اور مدثر جو نبوت کے ابتدائی دور

Marfat.com

میں نازل ہوئیں میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُo قُمْ فَاَنْذِرْo وَرَبَّكَ فَكَبِّرْo (المدثر-۱-۳)

ترجمہ: اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑے ہو جا۔ اور لوگوں کو (کفر کے نتائج) سے ڈرا۔ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بیان کر۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًاo (المزمل-۹)

ترجمہ: وہ مشرق ومغرب کا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا اسی کو اپنا کارساز بنالو۔

اِن آیات میں پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ برملا لوگوں کو ایمان کی دعوت دیں۔ اُن کی ہٹ دھرمی پر اُن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ اور ہانکے پکارے یہ اعلان کریں کہ اِس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بڑائی نہیں۔ نہ بتوں کی نہ جنوں کی اور نہ بادشاہوں کی۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں اُن پر قابو پانے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں۔ کیونکہ وہی سب سے بڑا کارساز ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کی زبان سے آپ کی رسالت کی عالمگیر حیثیت کا اعلان کرایا تو ساتھ اپنی توحید وملوکیت کا بھی اعلان کرایا۔ تاکہ قیامت تک آنے والے انسان جہاں آخری پیغمبر کی رسالت کا اقرار کریں۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ملوکیت پر بھی ایمان لائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۣ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ص (الاعراف-۱۵۸)

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔

۲- قیامِ عدل:

زمین پر انسانی زندگی کو پُرامن بنانے کے لیے عدل وانصاف کا قیام بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ظلم وزیادتی سے زمین پر فساد پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر پیغمبر کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ انسانوں میں عدل وانصاف کریں۔ تاکہ بھٹکی بھولی انسانیت ظلم کے اندھیروں سے نکل کر راہِ راست پر آجائے۔ قیامِ عدل کے بارے میں سورہ الحدید کی ایک آیت ملاحظہ کیجیے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحدید ۲۵)

ترجمہ: یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا۔ اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل کی۔ تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہا اُتارا۔ جس میں بڑی ہیبت اور قوت ہے۔ اور لوگوں کے لئے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں۔ یہ اس لیے کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ کون اُس کی اور اُس کے رسولوں کی بے دیکھے مدد کر رہا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت

Marfat.com

والا اور زبردست ہے۔

اِس آیت مبارک میں انبیاءعلیہم السلام کے مشن کا نچوڑ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ تمام انبیاء کھلی کھلی نشانیاں اور روشن دلائل کے ساتھ بھیجے گئے۔ جو اُن کی تعلیمات کی سچائی پر حجت تھیں۔ یہ کھلی نشانیاں اور روشن دلائل پیغمبروں کے معجزات بھی ہو سکتے ہیں۔ اُن کی قوتِ مناظرہ اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حکمت اور دانائی بھی ہو سکتے ہیں۔ یا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ احکام جو انسانی ہدایت کے لیے ضروری تھے۔ دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب کا نازل کرنا ہے جس میں وہ ساری تعلیمات لکھ دی گئی تھیں جو انسانی ہدایت کے لیے درکار تھیں۔ تیسری چیز میزان کا نازل کرنا یعنی پیغمبروں کو عدل و انصاف اور حق و باطل کا معیار قائم کرنے کا علم اور اُسے عملی طور پر قائم کرنے کا حکم۔ یہاں عدل کا لفظ بہت وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے ایک مراد تو یہ ہے کہ انسان اپنی انفرادی اور شخصی زندگی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد میں پوری طرح عدل سے کام لے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ فرائض کی ادائیگی میں ڈنڈی نہ مارے۔ لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ نہ ڈالے کیونکہ یہ ظلم اور ناانصافی ہوتی ہے۔

قیامِ عدل کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ انسانوں کا اجتماعی نظامِ زندگی عدل پر قائم ہو۔ معاشرے میں رنگ و نسل اور وطنیت کا بت ٹوٹ جائے۔ افراط و تفریط ختم ہو جائے اور معاشرے کے تمام طبقے انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے فرائض انجام دیں۔ یہی پیغمبروں اور ان کے نائبین کا مشن تھا۔

Marfat.com

آیتِ مبارکہ کے دوسرے حصے میں لوہا نازل کرنے کا ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں بغاوت کرنے والوں اور نظامِ عدل و انصاف میں روکاوٹ ڈالنے والوں کے خلاف طاقت کا استعمال کیا جائے۔ پیغمبروں کی بعثت کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ وہ محض عدل وانصاف کا ایک نظام پیش کرکے اُس کی تبلیغ کریں بلکہ اِس نظامِ عدل کو بالفعل انسانوں پر نافذ کریں۔ اور جو طاقتیں اِس نظام میں گڑبڑ پیدا کریں یا اِس نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کریں۔ اُن کو طاقت اور اسلحہ کے زور سے زیر کیا جائے۔ ہاں نظامِ عدل کے نفاذ میں پہلا درجہ تبلیغ کا ہی ہے۔ انسانوں کی اصلاح اور اُن کو عدل وانصاف پر قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے بینات کتاب اور میزان کے ذریعے اُن کے ذہنوں کی تربیت کی جائے۔ انہیں نظامِ عدل و انصاف کی ضرورت اور فوائد سے آگاہ کیا جائے۔ انہیں ظلم اور ناانصافی کے بھیانک نتائج سے ڈرایا جائے۔ انہیں دلائل سے قائل کیا جائے۔ لیکن اگر ہر تبلیغی ذریعہ ناکام ہوجائے تو نظامِ عدل وانصاف کے قیام میں پیدا شدہ روکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے بدرجہِ مجبوری حالات کے مطابق طاقت کا استعمال کیا جائے۔

آیتِ مبارکہ کے آخر میں فرمایا کہ پیغمبروں کی بعثت اور لوہے کے اتارنے میں یہ مقصد پنہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ جانچنا چاہتا ہے کہ نظامِ عدل وانصاف قائم کرنے میں کس کس نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں کی مدد کی۔ اور کس کس نے روکاوٹیں پیدا کیں۔ کس کس نے لوہے کے آلاتِ حرب سے ظلم وناانصافی کے خلاف جہاد کیا اور کون لوگ ہیں جو نظامِ جور وظلم باقی رکھنے پر تلے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ تو صرف انسانوں کا امتحان لینا چاہتا ہے۔

۳۔صراطِ مستقیم کی نشان دہی (دین اور شریعت):

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ایک مدت تک اولادِ آدم راہِ راست پر قائم رہی۔ اپنے جدِ امجد کے نقشِ قدم پر چل کر توحید کی شمع تھامے رہی۔ لیکن پھر خود غرض لوگوں نے دنیوی فوائد کے لیے نئے راستے نکال کر گروہ بندیاں کر لیں اور توحید کے راستے سے ہٹ گئے۔ دین میں بدعات اور غلو باتوں کو شامل کر لیا۔ اور آپس میں ظلم اور سرکشی پر اُتر آئے۔ اِن خرابیوں کو دور کرنے اور نسلِ انسانی کو دوبارہ راہِ راست پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو مبعوث کیا۔ جو مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتے رہے۔ اور بالآخر یہ سلسلۂ نبوت حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جتنے انبیاء اور کتابیں بھیجیں۔ وہ صرف ایک ہی راستہ (دینِ حق) اور امتِ واحدہ کی طرف راہنمائی کرتی تھیں۔ ایسا نہیں ہوا کہ ہر امت کے لیے یا ہر زمانے میں انسانی نجات کے لیے جدا جدا راستے بتائے گئے ہوں یا کسی نبی نے کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈال کر اپنی علیحدہ اُمت بنالی ہو۔ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط

(شوریٰ ۱۳)

Marfat.com

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا۔ جس کا اُس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔ اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

یہاں دین سے مراد وہ اصولِ دین ہیں جو ہر پیغمبر کی شریعت میں مشترک چلے آرہے ہیں اور ہر شریعت کی بنیاد ہیں۔ مثلاً عقیدہ توحید و رسالت آخرت پر ایمان عبادات مثلاً نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ کی پابندی معاشرتی بُرائیوں مثلاً چوری، ڈاکہ، زنا، جھوٹ، فریب، قتل، حرام خوری اور ظلم کی حرمت اور اُن سے اجتناب تمام ادیانِ سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ رہی ہیں۔ ہاں ہر پیغمبر کی شریعت کی تفصیلات اور فروعی احکامات میں اختلاف رہا ہے۔ ایک شریعت میں بعض چیزیں حلال تو دوسری میں حرام تھیں۔ بعض میں کسی مسئلے پر تشدید تو دوسری میں تخفیف تھی۔ مثلاً نماز کی فرضیت تو ہر شریعت میں تھی۔ لیکن اس کے اوقات رکعتوں کی تعداد اور ادائیگی کے طریقہ کار میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ جو علیم و خبیر اور عالم کل ہے سب سے بہتر جانتا ہے کہ کس امت کو اس کے ماحول اور زمانے کے مطابق کیا کیا احکامِ شریعت دینا مناسب ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کو راہِ راست پر لانے اور قائم رکھنے کے لیے ہر پیغمبر نے ایک ہی دین پیش کیا اگرچہ اُن کی شریعتیں مختلف تھیں۔

انسانوں کی گمراہی کو اندھیرے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ اندھیرے میں انسان کو کچھ نہیں سوجھتا اور وہ ہمیشہ غلط راستے پر چل نکلتا ہے۔ ہدایت اور صراطِ

Marfat.com

مستقیم کو نور اور روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ روشنی میں انسان سب کچھ دیکھ کر صحیح سمت میں قدم اُٹھاتا ہے اور سیدھا راستہ پالیتا ہے۔ پیغمبروں کا یہ کام تھا کہ وہ گمراہ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ جیسے فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔

(ابراہیم ۵)

ترجمہ: ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ۔

هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط (الحدید ۹)

ترجمہ: وہی ذات ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کرتی ہے۔ تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔

پیغمبر چونکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے پیغامات وصول کرتے ہیں جن کی روشنی میں وہ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی تعلیم دیتے ہیں۔ لہٰذا اُن کا بتایا ہوا راستہ ہی صحیح اور قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اُس کی بنیاد وحی باری تعالیٰ ہے۔ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جب بھی انسانوں نے اپنی عقل وفکر اور علم وفلسفہ کی بنیاد پر صراطِ مستقیم تلاش کرنے کی کوشش کی وہ کہیں نہ کہیں بھٹک گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے اور انسان کی نس نس سے واقف ہے۔ وہی انسانوں کے لیے صراطِ مستقیم تجویز کر سکتا ہے۔ وہی انسانی زندگی کے ضابطے مقرر کر سکتا ہے۔

Marfat.com

صراطِ مستقیم اور روشنی کا راستہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملتا ہے۔ پیغمبروں کا کام صرف راستہ دکھانا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا اذن اور مشیت نہ ہو تو پیغمبر خواہ کتنا ہی وعظ و نصیحت کر لیں لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ خود پیغمبر آخر الزمان ﷺ اپنے مہربان چچا ابو طالب کو مسلمان نہ کر سکے۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اپنے اِذن اور مشیت سے کن لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے تو اس کا قانون اور اصول قرآن میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی ہدایت اُسے بخشتا ہے جو ہدایت کا طالب ہو ضد ہٹ دھرمی اور تعصب سے پاک ہو۔ اپنی خواہشات کا غلام نہ ہو۔ کھلی آنکھوں سے دیکھے اور کھلے کانوں سے سنے۔ معقول بات ماننے پر آمادہ ہو۔ رہے وہ لوگ جو ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہیں۔ اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا الٰہ بنا لیں۔ حق بات سننے کے لیے تیار بھی نہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیل دیتا ہے۔ اور وہ گمراہیوں میں مست رہتے ہیں حتیٰ کہ اُن کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ جیسے فرمایا:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور مومنوں کی روش کے خلاف کسی اور روش پر چلے۔ درآنحالیکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو تو ہم اُس کو اُسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا۔ اور اُسے دوزخ میں جھونکیں گے جو کہ بری جائے قرار ہے۔

Marfat.com

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ O (الصف ۵)

ترجمہ: پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یعنی جب انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا گیا۔ اور حجت پوری ہونے کے بعد بھی وہ حق سے اعراض کرتے رہے۔ اور اپنے کفر شرک اور باطل نظریات پر ڈٹے رہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے دلوں کو راہِ حق سے پھیر دیا۔

مجرم اور گناہگار انسان ہمیشہ سے اپنی گمراہی کا سبب اللہ تعالیٰ کی مشیت کو قرار دیتے رہے ہیں۔ اور وہ یہ عذر پیش کرتے رہے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ضرور صراطِ مستقیم پر چلتے۔ دراصل یہ پٹی گمراہ انسانوں کو شیطان پڑھاتا ہے کہ تمام گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا تم اس میں بے بس ہو۔ مشرکین مکہ بھی اپنے شرک کا الزام اللہ تعالیٰ پر لگاتے تھے اور کہتے تھے: لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان (بتوں) کی پوجا نہ کرتے۔ یہ بات تو درست ہے کہ اس دنیا میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ انسان کو اس دنیا میں ایک امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اس لیے اسے آزادی دی گئی ہے کہ وہ نیکی اور برائی کا انتخاب خود کرے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اُسے مجبور نہیں کرتی ورنہ تو امتحان کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔

۴۔ تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس:

پیغمبروں کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ گمراہ لوگوں کی تعلیم و تربیت

Marfat.com

کرتے ہیں اُن کا تزکیہ نفس کرتے ہیں انہیں باطنی اور ظاہری گندگیوں سے پاک کرتے ہیں۔ انہیں حکمت اور دانائی کی باتیں سکھاتے ہیں۔ تاکہ اُن سے ایسے اعمال صادر ہوں جو پوری انسانیت کے لیے مفید ثابت ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (اٰلِ عمران ۱۶۴)

ترجمہ: بیشک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ان ہی میں سے ان میں ایک رسول بھیجا جو انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً سب اِس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیتِ کریمہ میں پیغمبر کی بعثت کو مسلمانوں پر احسان قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ دوسری قرآنی آیات کے مطابق آپ پوری انسانیت کے ہادی بنا کر بھیجے گئے۔ لہٰذا آپ کی بعثت پوری انسانیت پر احسان ہے۔ لیکن یہاں مومنین کی تخصیص اس لیے ہے کہ آپ کی نبوت پر ایمان لا کر صرف مومن بننے کا ارادہ اور نیت رکھنے والے لوگ ہی ہدایت پا سکتے ہیں۔ پھر تلاوتِ کتاب اور تعلیم کتاب کا ذکر فرمایا جس کے ذریعے پیغمبر لوگوں کا تزکیہ نفس کرتے ہیں۔ اُن کی روح کو شرک اور بدعات کی آلودگیوں سے پاک کرتے ہیں۔ انہیں اچھے اخلاق اور اعمال صالح کی تربیت دیتے ہیں۔ تاکہ وہ معاشرے میں صالح انسان بن کر اپنی اور

Marfat.com

دوسرے انسانوں کی اخروی زندگی سنوار سکیں۔

۵-۱ اقامتِ دین:

بعثتِ انبیاء کا مقصد بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیدھا راستہ دکھانا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کا دین لے کر آتے اور اپنی اپنی شریعت کے مطابق اُس کی تعلیم و تبلیغ کرتے۔ لیکن بعثتِ انبیاء کا مقصد صرف دین کی تعلیم و تربیت تک محدود نہیں تھا کہ لوگ اس کا برحق ہونا تسلیم کر لیں۔ بلکہ اُن کی بعثت کا مقصد یہ بھی تھا کہ جب لوگ دین کو تسلیم کر لیں تو پورے کا پورا دین اُن کی زندگی میں عملاً رائج اور نافذ کیا جائے۔ تا کہ دینی احکامات کے مطابق عمل بھی ہو اور ہوتا رہے۔ اور یہ دین کا نفاذ نہ صرف انفرادی سطح پر بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اِس طرح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین پورے ادیان پر غالب آ جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبہ ۳۳)

ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تا کہ اُسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اگر چہ مشرک کتنے ہی ناخوش ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا دین ایک ایسا نظامِ زندگی ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ عبادات کے علاوہ انسانی زندگی کے معاشی معاشرتی سیاسی اور تمدنی پہلوؤں پر نہ صرف راہنمائی کرتا ہے۔ بلکہ انہیں چند ضابطوں کا پابند کر کے ایسا نظام پیش کرتا ہے۔ جو انسانوں کو زمین پر عدل اور بھلائی کی

Marfat.com

ضمانت دے سکے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد کبھی یہ نہیں رہا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادات کا فریضہ انجام دے کر آزاد اور بے مہار چلتا پھرے۔ اور اُسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کا دیا ہوا نظامِ زندگی پورے عدل و انصاف کے ساتھ انسانوں کو چند ضابطوں کا پابند کرتا ہے۔ تاکہ انسان زمین پر امن و آشتی سے رہ سکیں۔ اور کسی انسان کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نظامِ زندگی کے علاوہ کوئی اور نظامِ زندگی رہے بھی تو وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اُس کے دیئے ہوئے نظامِ زندگی کی بخشی ہوئی گنجائشوں کے اندر سمٹ کر رہے۔ تاکہ سارے ادیان پر غلبہ اللہ تعالیٰ کے دین کا ہی رہے۔

پیغمبروں کی تعداد

جن پیغمبروں اور رسولوں کے اسمائے گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں۔ اُن کی تعداد چوبیس یا پچیس ہے جو ترتیب وار یہ ہیں:

۱- آدم علیہ السلام	۲- ادریس علیہ السلام
۳- نوح علیہ السلام	۴- ہود علیہ السلام
۵- صالح علیہ السلام	۶- ابراہیم علیہ السلام
۷- لوط علیہ السلام	۸- اسماعیل علیہ السلام
۹- اسحاق علیہ السلام	۱۰- یعقوب علیہ السلام
۱۱- یوسف علیہ السلام	۱۲- ایوب علیہ السلام
۱۳- شعیب علیہ السلام	۱۴- موسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

۱۵- ہارون علیہ السلام ۱۶- یونس علیہ السلام

۱۷- داؤد علیہ السلام ۱۸- سلیمان علیہ السلام

۱۹- الیاس علیہ السلام ۲۰- الیسع علیہ السلام

۲۱- ذکریا علیہ السلام ۲۲- یحییٰ علیہ السلام

۲۳- عیسیٰ علیہ السلام ۲۴- ذوالکفل (اکثر مفسرین کے نزدیک)

۲۵- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جن انبیاء اور رسل کے نام اور واقعات قرآن میں بیان نہیں ہوئے اُن کی تعداد کتنی ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک حدیث میں جو بہت مشہور ہے پیغمبروں کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک حدیث میں آٹھ ہزار تعداد بتائی گئی ہے۔ لیکن یہ ضعیف روایات ہیں۔ قرآن وحدیث سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار اور حالات میں مختلف قوموں کی طرف لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول آتے رہے اور بالآخر یہ سلسلۂ نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔ آپ سے پہلے جتنے نبی آئے اُن کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کذاب اور دجال ہوگا۔ اور اِن پر ایمان لانے والے دائرہ اسلام سے خارج ہوں گے۔ کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور فریضۂ تبلیغ کے فرائض قیامت تک امتِ محمدیہ کے صالح افراد ادا کرتے رہیں گے۔

Marfat.com

آسمانی کتابیں ذریعۂ ہدایت

انسان اپنی فطرتِ سلیمہ اور مربوط کائناتی نظام کے مشاہدے سے معرفتِ الٰہی کا تصور تو حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن اس تصور کو پروان چڑھانے اور صحیح سمت میں راہنمائی کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے بغیر کاروانِ انسانیت اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس راہنمائی کے لیے مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول آتے رہے جو وحی الٰہی کی روشنی میں انسانوں کو شریعت کے احکامات عبادات کے طریقے اور اخلاقی اصولوں کے لوازمات بتاتے رہے۔ رسولوں کے ذریعہ جو آسمانی تعلیم انسانوں تک پہنچائی جاتی ہے۔ اُسے اللہ تعالیٰ کی کتاب کہا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی پیغمبر یا رسول کی زندگی میں وحی کے سارے مجموعے کو ہی کتاب مان لیا جائے۔ وحی کے کچھ احکامات کلمات یا اشارات پیغمبروں کی ذاتی راہنمائی کے لیے ہوتے ہیں جن کی روشنی میں وہ فرائض نبوت سرانجام دیتے ہیں۔ ایسی وحی عموماً کتاب کا حصہ نہیں ہوتی۔ وحی کے کچھ احکامات و ارشادات براہِ راست انسانوں کی راہنمائی اور اُن کی شریعتِ مطہرہ کے بارے میں ہوتے ہیں جو مستقل نوعیت کے ہوتے ہیں انہیں کتاب اللہ کہا جاتا ہے۔ پیغمبر یہ فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں کرتا ہے کہ کون سے احکامات اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شامل ہیں اور کون سے احکامات اُس کی ذات کے لیے ہیں۔ کتاب اللہ کی تشریح و توضیح کا کام بھی پیغمبر اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں کرتا ہے تاکہ لوگوں کو کتابی احکامات کا صحیح مطلب سمجھ آجائے۔ ایسی توضیحات اور تشریحات بھی کتاب کا

Marfat.com

حصہ نہیں ہوتیں۔ اگرچہ انسانی راہنمائی میں کتاب اللہ تعالیٰ کے بعد اُن کا دوسرا درجہ ہوتا ہے۔

ہر پیغمبر اور رسول کو وحی کے ذریعے آسمانی کتاب یا صحیفہ دیا جاتا ہے۔ تاکہ اُس کا پیغام محفوظ ہو جائے اور دنیا سے جانے کے بعد بھی اُس کا پیغام اُس کے نائبین اور صالح لوگوں کے ذریعے انسانوں تک پہنچتا رہے۔ قرآن مجید میں چار آسمانی کتابوں کا ذکر ہے جن کا نام توریت، زبور، انجیل اور قرآن ہے جو بالترتیب حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئیں۔ اس کے علاوہ صحفِ ابراہیم اور اجمالی طور پر پچھلی آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا ذکر بھی قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ۝

(الاعلیٰ ۱۸-۱۹)

ترجمہ: یہ باتیں گزشتہ صحیفوں میں بھی ہیں۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الشعرا ۱۹۶)

ترجمہ: اور بلاشبہ یہ پہلوں کی کتابوں میں مذکور ہے۔

مطلب یہ کہ کیا لوگوں کو پچھلی آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے ذریعہ یہ گواہی نہیں ملی کہ قرآن جن حقائق کو بیان کر رہا ہے وہ سچے ہیں اور قرآنی تعلیم توحید و رسالت اور معاد کا عقیدہ پچھلی کتابوں کی بھی بنیادی تعلیم تھی۔ جو انسانی ہدایت کا ایک بڑا ذریعہ رہا ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید نے صرف اپنی تصدیق کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ آسمانی کتابوں پر عقیدہ کے تکمیلی پہلو کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ قرار دیا کہ کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک قرآن کے ساتھ دوسری آسمانی کتابوں کو بھی من جانب اللہ تسلیم نہ کر لے اسی لیے جن آسمانی کتابوں کا ذکر قرآن میں ناموں کے ساتھ آیا ہے اُن پر ناموں کے ساتھ اور جن کا نام مذکور نہیں اِن پر بااجمال ایمان لانا ضروری ہے۔ ایسی آسمانی کتابیں جو قرآن سے پہلے انسانی ہدایت کے لیے اتاری گئیں جو توحید کی دعوت اور عدل و انصاف کا سبق دیتی ہیں لیکن قرآن میں اُن کا تصریحی نام نہیں۔ ہم نہ ہی ان کو بالتصریح آسمانی کتاب تسلیم کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا بالتصریح انکار کر سکتے ہیں کیونکہ ان کا کتبِ الٰہی ہونا ممکن ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیغمبر کی تصدیق کے ساتھ ساتھ اُس کے صحیفہ وحی پر بھی ایمان لائے۔ صحیفہ وحی پر ایمان عقیدہ رسالت کا لازمی جزو ہے۔ جب تک انسان پیغمبر کے صحیفہ وحی پر ایمان نہیں لائے گا۔ پیغمبر پر ایمان لانا بے معنی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر نے اپنے سارے فرائض وحی کی روشنی میں ہی ادا کرنے ہوتے ہیں۔ لہٰذا انسانوں پر لازم ہے کہ وہ نہ صرف پیغمبروں پر نازل شدہ صحیفہ وحی پر ایمان لائیں بلکہ انہیں ذریعہ ہدایت سمجھ کر ان پر عمل بھی کریں۔

قرآن سے پہلے کی کوئی بھی آسمانی کتاب اپنی اصل شکل میں محفوظ نہیں رہی۔ کیونکہ جب کوئی رسول اپنی قوم کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر چلا جاتا

Marfat.com

تو اُس کے بعد اُس کے متبعین اُس کی کتاب میں بگاڑ پیدا کرنا شروع کر دیتے۔ دنیوی مفاد حاصل کرنے کے لیے اس میں ردو بدل کر دیتے۔ اس طرح آسمانی کتابیں انسانی امیزشوں کا مجموعہ بن گئیں۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ کوئی ارضی یا سماوی حادثہ کسی آسمانی کتاب کو یکسر ضائع کر دیتا۔ اور اُس کی جگہ اس رسول کے متبعین اپنی یادداشتوں کے سہارے نئی کتاب مرتب کر دیتے۔ جسے وہ قوم آسمانی کتاب کہہ کر پکارتی۔

نزولِ قرآن کے وقت اللہ تعالیٰ کی سچی تعلیم جو مختلف آسمانی کتابوں کے ذریعے مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کی طرف آتی رہی اپنی حقیقی اور غیر متبدل شکل میں دنیا میں کہیں موجود نہیں تھی۔ لہٰذا خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر آخری آسمانی کتاب نازل ہوئی جسے قرآن کہا جاتا ہے۔ جس میں پچھلی تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات بھی ہیں اور ایسے غیر متبدل اصول اور قوانین بھی ہیں جنہیں ہمیشہ کے لیے انسانی زندگی کا ضابطہ قرار دینا مقصود تھا۔ اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا۔ فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ O (الحجر ۹)

ترجمہ: ہم نے ہی اِس قرآن کو اُتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اِس کتاب کی حفاظت کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یہ لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ایک بچہ اپنی مادری زبان میں کسی کتاب کے دو چار صفحات بھی زبانی یاد نہیں کر سکتا۔ لیکن غیر مادری زبان عربی

Marfat.com

میں آٹھ آٹھ سال کے بچے پورا قرآن حفظ کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی ایسے ایسے صالح اور نیک بندے پیدا کردیئے جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں قرآن کی لفظی اور معنوی حفاظت کرتے رہے۔ کاتبوں نے رسم الخط کی قاریوں نے طرزِ ادا کی حافظوں نے الفاظ اور عبارت کی اور فقہا علماء مفسرین اور محدثین نے معنی ومطالب کی وہ حفاظت کی کہ آج تک نہ تو زیروزبر تبدیل ہو سکا اور نہ ہی کسی اکثریتی فرقے نے قرآن کے مطالب بدل کر گمراہی اختیار کی۔ پھر دنیا میں ساری زبانیں وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ اُن کے الفاظ لہجے اور معانی میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ لیکن قرآن کی زبان عربی وہ واحد زبان ہے جس میں وقت کے ساتھ کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے عربی زبان کو بھی محفوظ کیا ہوا ہے۔

قرآن مجید ایک محفوظ کتاب ہونے کے علاوہ چند اور ایسی امتیازی خصوصیات کی حامل کتاب ہے جو اسلام سے ہٹ کر دوسرے مذاہب اختیار کرنے والے انسانوں کو دعوتِ فکر دیتی ہے کہ وہ قرآن مجید پر ایمان لائیں اور اس کی تعلیمات پر عمل کر کے راہِ ہدایت پائیں۔ وہ خصوصیات یہ ہیں۔

عالمگیر حیثیت:

قرآن مجید روئے زمین پر بسنے والی پوری انسانیت کے لیے ہدایت کی کتاب ہے اور قیامت تک رہے گی۔ جیسے فرمایا:

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (الاعراف ۱۵۸)

Marfat.com

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

یہاں خطاب پوری انسانیت کو ہے جو قیامت تک اس دنیا میں آئے گی۔ جب آپ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو ان پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ذریعہ ہدایت ہے۔

وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الجمعہ ۳)

ترجمہ: اور (وہ رسول ہیں) دوسروں کے لیے بھی انہی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

یہاں دوسروں سے مراد فارس اور دیگر عرب و غیر عرب لوگ ہیں جو قیامت تک آپ پر ایمان لائیں گے جس طرح وہ آپ کی رسالت پر ایمان لائیں گے۔ اسی طرح آپ پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید پر بھی ایمان لا کر اس کی تعلیمات کی پیروی کریں گے اور راہِ ہدایت پائیں گے۔

تمام سابقہ کتابوں کی مہیمن:

قرآن کریم میں وہ ساری تعلیمات یکجا کر دی گئی ہیں جو پچھلی کتابوں میں موجود تھیں لہٰذا کسی آسمانی کتاب کے پیروکار کو یہ عذر نہیں ہو سکتا کہ قرآنی تعلیمات اُس کی کتاب کی تعلیمات سے مختلف ہیں۔ اس لیے وہ اپنی کتاب سے ہی چمٹا رہے گا۔

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ

Marfat.com

مُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ۔ (المائدہ-۴۸)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔

ہر آسمانی کتاب اپنے سے پہلے آنے والی آسمانی کتاب کی تصدیق کرتی رہی ہے۔ لیکن قرآن پہلے آنے والی آسمانی کتابوں کا مصدق ہونے کے علاوہ ان کا محافظ امین اور شاہد بھی ہے کہ پچھلی کتابوں کی اصلی تعلیمات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اُن تعلیمات میں سے قرآن جس کو صحیح قرار دے وہ صحیح ہے اور جس کو باطل قرار دے وہ باطل ہے۔ اسی بنا پر نزولِ قرآن کے ساتھ ہی پچھلی ساری آسمانی کتابوں کی تعلیمات منسوخ ہوگئیں۔ اور راہِ ہدایت صرف قرآنی تعلیمات سے ہی مل سکتی ہے۔

مکمل اور غیر متبدل کتاب:

قرآن ایک مکمل اور غیر متبدل آسمانی کتاب ہے۔ اس کے احکام وضوابط نہ صرف اُس قوم کے حالات کے مطابق تھے۔ جو اس رسول کی اولین مخاطب تھی بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے حالات اور ضروریات کے مطابق اور اُن کی راہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ اِس کی عبارت اور الفاظ میں آج تک زبر زیر تک کا فرق نہیں آیا اور نہ ہی قیامت تک آئے گا۔ اس کی تفاسیر اور معنوی وسعت پر اتنا کام ہو چکا ہے کہ اگر کوئی بد بخت اُس کی کسی آیت کی معنوی تحریف کرنا چاہے تو بھی نہیں کرسکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَ رَضِيۡتُ

Marfat.com

لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ؕ (المائدہ ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور اسلام کو بطور دین تمہارے لیے پسند کر لیا۔

یعنی دینِ اسلام کو انسانیت کی فلاح وہدایت کے لیے پسند کرلیا گیا اور اس جیسے مکمل اور عالمگیر دین کے بعد قیامت تک کسی نئے دین یا کسی نئی آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں اور حضرت محمد ﷺ جیسا رسول بھیج کر انسانیت کے لیے دینی اور دنیوی نعمتوں کی تکمیل کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اپنے بعد کسی آنے والے پیغمبر کی پیشگوئی نہیں کی اور نہ ہی کسی نئی آسمانی کتاب اور نئی شریعت کی خبر دی جیسا کہ آپ سے پہلے والے انبیاء ایسی پیشینگوئیاں اور خبریں دیتے رہے ہیں۔ ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ تَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝ (الانعام ۱۱۶)

ترجمہ: آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔ اس کلام کے بدلنے والا کوئی نہیں۔ اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

یعنی قرآن کے احکام واوامر انصاف پر مبنی ہیں۔ قرآن انہی چیزوں کا حکم دیتا ہے۔ جن میں انسانوں کا فائدہ اور اُن کی ہدایت ہے۔ اور انہی چیزوں سے روکتا ہے جن میں انسانوں کا نقصان اور فساد ہے۔ اگرچہ انسان شیطانی اغوا کی وجہ سے اس کو نہ سمجھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہر حرکت دیکھ اور سن رہا ہے اور اسی کے مطابق قرآنی احکامات کے ذریعے اُن کی راہنمائی کرتا ہے۔ پھر یہ کہ کسی بھی

Marfat.com

ہستی کو یہ طاقت نہیں کہ قرآنی احکامات میں تحریف یا ردوبدل کر سکے۔

اس وقت دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے پاس جو آسمانی کتابیں ہیں ان میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جس کے متعلق خود ان مذاہب کے پیروکار بھی یہ دعویٰ کر سکیں کہ وہ اپنی اصلی اور غیر متحرف شکل میں موجود ہے۔ یہ سب کتابیں انسانی تحریفات کا مجموعہ ہیں۔ ان کتابوں کی یہ حالت آج نہیں ہوئی۔ بلکہ نزولِ قرآن کے وقت بھی ان کی یہ حالت ہو چکی تھی۔ اس لیے یہ کہنا کہ اگر دنیا کے مختلف مذاہب کے پیروکار (جن کے پاس آسمانی کتابیں ہیں) اپنے اپنے مذہب کی کتابوں پر کاربند ہو جائیں تو راہِ ہدایت پا لیں گے درست نہیں۔ جب کسی مذہب کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اصل کتاب ہی موجود نہیں تو راہِ ہدایت کا سوال کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں کی اصل اور سچی تعلیم قرآن کریم کے اندر سمو دی گئی ہے۔ جو اُس اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے جس نے سابقہ کتابوں کو نازل کیا تھا۔ لہٰذا اب صراطِ مستقیم اور اخروی نجات پانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ اور وہ ہے حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان اور آپ پر نازل شدہ آسمانی کتاب قرآن کریم میں دیئے گئے احکامات کی پیروی۔

صالح اِنسان ذریعہ ہدایت

پچھلی سطور میں انسانی ہدایت کے مختلف ذرائع کا ذکر کیا گیا جن میں انسانی فطرتِ سلیمہ، مربوط کائناتی نظام، انسانی عزت و حیات، پیغمبروں کی بعثت اور آسمانی کتابوں کا نزول شامل ہے۔ انسانی ہدایت کا ایک اور ذریعہ خود انسان

Marfat.com

ہیں۔ یہ ایک بہت ہی اہم موثر اور مستقل ذریعہ ہدایت ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر دعوت و تبلیغ کا کام پیغمبروں کے بعد اُن کے نائبین اور صالح انسان سرانجام نہ دیتے تو پیغمبروں کا پیغام کتنی انسانی نسلوں تک سنا جاتا۔ اغلب یہ ہے کہ ایک دو نسلوں کے بعد پیغمبروں کی تعلیم بھلا دی جاتی۔ اور ہر انسان گمراہی کے اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتا نظر آتا۔ اور پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیین ہیں ان کے بعد قیامت تک کوئی پیغمبر یا نبی نہیں آئے گا۔ لہٰذا دعوت و تبلیغ کا کام قیامت تک امتِ محمدیہ کے نیک اور صالح لوگ ادا کرتے رہیں گے۔

قرآن نے اِس بات پر بہت زور دیا ہے کہ انسانوں میں صالح لوگوں کا ایک گروہ ضرور ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے۔ اور برائیوں سے روکے۔ ورنہ تو انسان پیغمبروں کی دعوت کو بھلا کر زمین میں فساد برپا کر دیں گے۔

جیسے سورۂ آلِ عمران میں فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آلِ عمران-۱۰۴)

ترجمہ: اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو نیک کام کی طرف بلائے۔ اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

یعنی مسلمانوں میں ایک جماعت ضرور ایسی قائم رہنی چاہیے جو اپنے قول و عمل سے دوسرے مسلمانوں کو قرآن و سنت کی تعلیمات کی طرف دعوت دیتی رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جو قرآن و سنت کی تعلیمات سے

Marfat.com

واقف ہوں۔ شاید اسی لیے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ایک مخصوص جماعت کے علاوہ باقی امت کے لوگ فریضۂ تبلیغ سے بری ہیں۔ اکثر حالات میں امت کے ہر فرد کا اس میں لگ جانا ضروری نہیں ہوتا۔ لیکن اپنی صلاحیت اور اہلیت کے مطابق ہر فرد کو داعیِ الی الخیر کی نصرت اور اُس سے تعاون کرنا ضروری ہوتا ہے۔ آیت کے آخری جملہ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ فلاح کسی خاص طبقہ کے لیے مخصوص نہیں۔

اہلِ کتاب کے علماء کو دعوت و تبلیغ میں غفلت پر متنبہ فرمایا:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝

(آلِ عمران ۱۸۷)

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے عہد لیا کہ تم کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں بیان کرو گے اور ان کو (کبھی) نہیں چھپاؤ گے۔ مگر انہوں نے وہ عہد پس پشت ڈال دیا۔ اور تھوڑی سی قیمت پر اُسے بیچ ڈالا۔ کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

یہاں اہلِ کتاب کے علماء کو موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب (توریت و انجیل) سپرد کرتے وقت اُن سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے احکامات لوگوں تک جوں کے توں پہنچائیں گے۔ لیکن انہوں نے معمولی مفاد کی خاطر اِس عہد کو پسِ پشت ڈال دیا۔ پیغام کچھ تھا پہنچا

Marfat.com

کچھ اور دیا۔ یہ بڑا گھاٹے کا سودا تھا جو انہوں نے کیا۔ اس میں ہماری امت کے علماء کے لیے بھی تنبیہ ہے کہ وہ علمِ نافع اور قرآنی تعلیم بغیر کسی تحریف و ملاوٹ لوگوں تک پہنچائیں۔

امتِ محمدیہ کے نیک افراد کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ O (الاعراف ۱۸۱)

ترجمہ: اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اس کے موافق انصاف بھی کرتی ہے۔

یعنی امتِ محمدیہ کے افراد دوسرے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ قانونِ الٰہی کے مطابق کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا:

وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ O (الاعراف ۱۵۹)

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک ایسی جماعت تھی جو حق کے مطابق ہدایت کرتی اور اسی کے مطابق انصاف کرتی۔

بنی اسرائیل کے علماء و مشائخ کی مداہنت پر سخت تحدید کرتے ہوئے فرمایا:

لَوْ لَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ O (المائدہ ۶۳)

ترجمہ: انہیں (بنی اسرائیل کو) ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے۔ بیشک برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

علماء و مشائخ پیغمبروں کے خلیفہ ہوتے ہیں۔ ان کا کام پیغمبروں کی تعلیمات

Marfat.com

لوجوں کا توں لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اگر وہ اپنے نذرانوں کی خاطر سچی بات چھپا جاتے ہیں یا گناہ ہوتے دیکھ کر چشم پوشی کر جاتے ہیں تو وہ اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی انسانوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اتنا اہم فریضہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو یہ فریضہ نبھانے پر خیر امت کہا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (آلِ عمران ١١٠)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو۔ اور بری باتوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

یہاں امتِ مسلمہ کو بہترین امت اس لیے قرار دیا جا رہا ہے کہ اس کے افراد اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نیک باتوں سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکامات اور پیغمبروں کی لائی ہوئی تعلیمات ہیں۔ اور بری باتوں میں کفر و شرک بدعات رسوم قبیحہ ظلم بد اخلاقی اور فسق و فجور شامل ہیں۔ ان کے روکنے کے بھی مختلف طریقے ہیں۔ ہر انسان اپنی طاقت صلاحیت اور موقع و محل کے مطابق برائی سے روکنے کا فریضہ سرانجام دے گا۔ کوئی قوتِ بازو سے کوئی زبان سے کوئی قلم سے اور کوئی اپنا مثالی اخلاق عمل اور کردار پیش کر کے برائی کو روکے گا۔

ایک مسلم معاشرے میں اسلامی حکومت کے اہداف و اغراض بیان کرتے ہوئے جہاں اقامتِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا وہاں نیکی کا حکم دینے اور برائی

Marfat.com

سے روکنے کو بھی اسلامی حکومت کا ایک اہم فریضہ قرار دیا گیا۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (الحج ۴۱)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اگر زمین میں اقتدار بخشیں۔تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوۃ دیں گے۔ اچھے کاموں کا حکم دیں گے۔ اور برے کاموں سے روکیں گے۔تمام کاموں کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اسی تصور تبلیغ کو سورہ حٰم سجدہ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (حٰم سجدہ ۳۳)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے۔اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں ہوں۔

یعنی سب سے اچھی بات اُس انسان کی ہے جو ایمان اور عمل صالح کا ذاتی سرمایہ رکھنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلائے۔اور اُن کی اصلاح کی کوشش میں اپنی جان مال اور وقت کھپائے۔

سورہ العصر میں دعوت و تبلیغ کو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ نتھی کر دیا۔

وَالْعَصْرِ ۝ لا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ لا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر ۱-۳)

زمانہ کی گردش کی قسم! سارے انسان خسارے میں ہیں۔سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ اور راہِ حق پر چلنے کی اور نفس کو بری

Marfat.com

خواہشات سے تھامے رکھنے کی ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت کریں۔

یہاں خسارے سے بچنے کے لیے جہاں ایمان اور عمل صالح ضروری ہے۔ وہاں تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی بھی شرط لگادی۔ تواصی بالحق کا مطلب ہے لوگوں کو شریعت کی پابندی اور معاصی سے اجتناب کی تلقین کرنا۔ اور تواصی بالصبر سے مراد مصائب و آلام پر صبر، شریعت کے احکام پر چلنے میں مشکلات پر صبر اور نفسانی خواہشات کو ترک کرنے پر صبر کی تلقین کرنا ہے۔

ساری بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ جہاں اخروی کامیابی کا انحصار عقائد و عبادات پر ہے وہاں تبلیغِ دین بھی اس کا لازمی جزو ہے۔ جہاں کوئی شخص رات دن اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارتا ہے۔ وہاں اُس کا یہ فرض بھی بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچائے۔ پیغمبر نے فرمایا کہ خواہ میری طرف سے تمہیں ایک آیت ہی کیوں نہ پہنچے اُسے دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ۔

-----☆☆☆-----

Marfat.com

باب چہارم:

عقائد وعبادات

انسانی پرچہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا۔ اس امتحان کی تیاری کے تمام ذرائع بھی مہیا کر دیئے۔ یہ بھی بتا دیا کہ اس امتحان کا نتیجہ قیامت کے دن نکلے گا۔ فیل اور پاس ہونے کے نتائج سے بھی آگاہ کر دیا۔ اب فطری طور پر انسان کو یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ اس امتحان کا سلیبس کیا ہے۔ اس سے کس کس عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ وہ کون سے اعمال ہیں جن کو اختیار کر کے وہ اخروی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ یا جن کو ترک کر کے فیل ہونے سے بچ سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو آیئے اس اخروی امتحان اور ہمارے دنیوی امتحانوں کا فرق دیکھیں۔

۱۔ اُخروی امتحان کا سلیبس اللہ تعالیٰ کا تیار کردہ ہے جس کے بنیادی اصول تمام انسانوں کے لیے ہر زمانے اور ہر جگہ ایک ہی رہے ہیں۔ جبکہ دنیوی امتحانوں کے سلیبس انسانوں کی عقل وفکر کی بنیاد پر تیار کیے جاتے ہیں۔ جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں مختلف اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

۲- اُخروی امتحان کا پرچہ تو اس زندگی میں دیا جاتا ہے لیکن اس کا نتیجہ دوسری زندگی میں سنایا جائے گا۔ جبکہ دنیوی امتحان کا پرچہ اور نتیجہ دونوں اسی زندگی میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

۳- اخروی زندگی کے امتحان میں کوئی سفارش رشوت یا فراڈ نہیں چل سکتا۔ ہر فیصلہ اعمال کی بنیاد پر ہوگا۔ جبکہ دنیوی زندگی کے امتحان میں یہ سب چیزیں ممکن ہیں۔

۴- اخروی زندگی کے امتحان میں نتیجہ سنانے کے بعد ناکام انسانوں کو دوبارہ امتحان کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا جبکہ دنیوی زندگی کے امتحان میں ناکام امیدواروں کو دوبارہ امتحان کے بار بار مواقع دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ زیادہ محنت کریں اور پچھلی غلطیوں پر قابو پا کر امتحان میں کامیابی حاصل کریں۔

۵- دنیوی امتحان کا دورانیہ چند گھنٹے یا چند دن ہوتا ہے جبکہ اخروی امتحان کا دورانیہ پوری انسانی زندگی ہے۔

اب ان اعمال کا مختصر اً جائزہ لیا جائے گا جو اخروی امتحان میں انسانی پرچے کی بنیاد ہیں۔ آسانی کے لیے ہم ان کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱- عقائد

۲- عبادات

۳- حقوق و فرائض

Marfat.com

عقائد

عقیدہ کا مطلب ہے کسی چیز کو دل سے ماننا اور اُس پر ایمان لے آنا۔ جب تک کسی چیز کی حقیقت کو سچے دل سے تسلیم نہ کیا جائے اُس پر عمل کرنا یا صرف زبان سے اقرار کرنا ایک مہمل سی بات ہے۔ اسلام میں پانچ امور ایسے ہیں جن پر ایمان لائے بغیر کوئی انسان مسلمان نہیں ہوسکتا۔ وہ پانچ امور یہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت پر ایمان اور اس کی تقدیر پر ایمان۔

۲- اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان

۳- اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان

۴- اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان

۵- آخرت پر ایمان

قرآنی آیات ان ایمانیات کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ O (البقرہ ۲۸۵)

ترجمہ: رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری۔ اور مومن بھی ایمان لائے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اُنہون نے کہہ دیا کہ ہم اُس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

Marfat.com

ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب۔ اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا○ (النساء ۱۳۶)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بڑی گمراہی میں جا پڑا۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان دل سے یقین کرے کہ اس وسیع کائنات بشمول جن و انس کو پیدا کرنے قائم رکھنے اور سمیٹنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں واحد و یکتا ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہر چیز پر قادر اور ہر چیز کا غیر محدود علم رکھتا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ بے نیاز حکیم اور دانا ہے۔ وہ ہر عیب نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور رازق بھی ہے۔ ان صفات کے ہوتے ہوئے انسان یہ یقین کرلے کہ عبادت اور بندگی کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لیے قرآن نے صرف اللہ تعالیٰ کا دامن تھامنے کی ہدایت کی ہے۔ جیسے فرمایا:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ (البقرہ ۲۵۶)

Marfat.com

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو گویا اُس نے ایک مضبوط سہارے کو تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان:

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ انسان سچے دل سے مانے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ اور گناہ سے پاک مخلوق ہیں وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنی سلطنت کی تدبیر کرتا ہے۔ اور ان کے ذمے مختلف کام لگاتا ہے۔ انہی میں سے ایک برگزیدہ فرشتہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں پر وحی بھیجتا ہے۔ ایک کے ذریعے انسانوں کی روح قبض کرتا ہے۔ دو فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور اس کی ہر اچھی اور بری بات لکھ کر محفوظ کر رہے ہیں۔ جو قیامت کے دن انسانوں کے سامنے اعمال نامے کی شکل میں پیش کر دیں گے۔ اسی طرح ہر فرشتہ اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ حکم بجالا رہا ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں۔ ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہمیں ان کی ہستی پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کی عبادت کرنا ان سے مدد مانگنا یا انہیں اللہ تعالیٰ کی اولاد ماننا کفر اور شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان:

تیسری چیز جس پر ایمان لانا ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں جو اُس

Marfat.com

نے اپنے نبیوں پر نازل کیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے ہر زمانے میں آپنے پیغمبر بھیجے۔ پھر اُن پر کتابیں نازل کیں تا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام محفوظ ہو جائے اور پیغمبروں کے بعد اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اُن سے راہنمائی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں کے نام قرآن مجید میں ہمیں بتائے ہیں۔ جیسے توریت، زبور، انجیل اور صحفِ ابراہیم۔ ان کے علاوہ اور بھی آسمانی کتابیں ہوں گی جن کے نام ہمیں نہیں بتائے گئے۔ کسی بھی مذہب کی ایسی کتاب کے بارے میں جس کا نام ہمیں نہیں بتایا گیا نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ البتہ یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ جو کتاب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی وہ برحق اور سچی ہے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ پچھلے تمام مذاہب کی کتابیں محفوظ نہیں رہیں۔ لالچی اور بدکردار لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اصلی پیغام کو بدل کر ان کتابوں میں اپنی طرف سے بہت سی باتیں شامل کر لی ہیں لہٰذا یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ خدا کا کلام کون سا ہے اور انسانوں کا کون سا۔ پچھلی کتابوں پر اس حد تک ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ سچی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں۔ لیکن وہ چونکہ اپنی اصلی حالت میں کہیں موجود نہیں۔ اور قرآن آنے کے بعد اُن کی تعلیمات منسوخ ہو چکی ہیں۔ اس لیے پیروی صرف قرآن کی کرنی ہے۔ جس میں پچھلی تمام کتابوں کی تعلیمات کو سمو دیا گیا ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اور جو تمام نسلِ انسانی کے لیے قیامت تک ذریعۂ

Marfat.com

ہدایت اورذریعہ نجات ہے۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان:

چوتھی چیز جس پر ایمان لانا ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ہدایت کے لیے ہر دور اور ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے۔ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ تعداد جو بھی ہو ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ یقین سے مانے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے تمام رسول سچے تھے اور اُن کی تعلیمات برحق تھیں۔ تمام رسولوں کا دین ایک ہی تھا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات صرف ایک ہے لہٰذا اُسی کی عبادت کی جائے اور اپنی ساری حاجات کے لیے صرف اسے پکارا جائے۔ قیامت اور روزِ جزاو سزا کو سچا مان کر پیغمبروں کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ تاکہ انسان شرک اور کفر سے بچ کر اخروی کامیابی حاصل کر سکیں۔ چونکہ سب رسولوں کا دین اور بنیادی پیغام ایک ہی تھا اور ہر رسول اپنے پہلے والے رسول کی تصدیق اور تائید کرتا تھا اس لیے انسانوں پر لازم ہے کہ تمام رسولوں کو سچا مانیں اور ان میں تفریق پیدا نہ کریں۔ جو شخص کسی ایک رسول کی بھی تکذیب کرے گا وہ کافر ہوگا۔

سلسلہ رسالت میں حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ آپ اگرچہ وہی پیغام لے کر آئے جو پہلے رسول اپنی اپنی قوموں کی طرف لائے تھے لیکن پہلے رسولوں کی تعلیمات خاص خاص قوموں اور خاص خاص زمانوں کے لیے تھیں۔ اُن میں ترامیم اور اضافے ہوتے رہے۔ اُن میں سے کچھ ناپید ہو گئیں۔ ان تعلیمات کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ بھی نہیں رکھا کیونکہ ان کی افادیت

Marfat.com

خاص قوموں اور زمانوں تک محدود تھی۔ آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات ہر لحاظ سے مکمل اور محفوظ ہیں۔ جو قیامت تک ہر انسان کے لیے ذریعۂ ہدایت ہیں۔ کیونکہ آپ کی بعثت قیامت تک آنے والی ہر قوم اور ہر انسان کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعلیمات کو محفوظ کر دیا ہے۔ آپ کی تعلیمات پہلے تمام رسولوں کی تعلیمات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا پچھلے تمام انبیاء کی شریعتیں آپ سے آپ منسوخ ہو گئیں۔ قیامت تک ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ شریعتِ محمدی پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کرے یہی اُس کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔

آخرت پر ایمان:

پانچویں چیز جو کسی مسلمان کے عقیدہ کا لازمی جزو ہے وہ یومِ آخرت پر ایمان لانا ہے، یعنی یہ کہ اس دنیا کی عارضی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ایک دن تمام کائنات اور اس کی مخلوقات کو مٹا دے گا۔ پھر تمام روحوں کو نئی زندگی عطا کی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کتاب کے لیے پیش ہوں گے۔ دراصل یہ حساب کتاب اس انسانی پرچے کا نتیجہ ہوگا۔ جو انسان کو دنیا میں دیا گیا تھا۔ انسانوں کے اعمال ترازو میں تولے جائیں گے۔ جس کے نیک اعمال بھاری ہوں گے وہ جنت میں داخل کیا جائے گا اور جس کے کرتوت اور بداعمالیاں بھاری ہوں گی۔ وہ جہنم کی آگ میں دھکیلا جائے گا۔ وہاں کوئی سفارش دوستی یا رشتہ داری کام نہیں آئے گی۔ بلکہ اپنے نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔

عقائد کے سلسلے میں ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ انسان اپنی فطرتِ سلیمہ کی

Marfat.com

بنیاد پر کائناتی نظام کا مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کی ہستی اُس کی توحید اور قدرت اور جزا و سزا کا ایک دھندلا سا تصور تو قائم کر سکتا ہے لیکن ان خیالات یا تصورات کو عقیدہ میں بدلنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی راہنمائی ضروری ہے جو پیغمبروں کے ذریعے انسانوں تک پہنچائی جاتی ہے۔ کیونکہ مشاہدات کی بنیاد پر بنائے گئے تصورات اور ان سے اخذ شدہ نتائج غلط ہو سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی وحی جسے پیغمبروں کی زبان سے لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے کبھی غلط نہیں ہو سکتی لہٰذا ایک صحیح عقیدے کی بنیاد کسی مشکوک فلسفے کی بجائے ایک ٹھوس سچائی پر ہی رکھی جا سکتی ہے۔ جس کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔

عبادات

اوپر پانچ عقائد کا ذکر ہوا جو اسلام کی بنیاد ہیں۔ کسی انسان کے لیے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ہستی وحدانیت اور اس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لے آئے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اللہ تعالیٰ کی کتابوں اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور یوم آخرت اور حساب کتاب کو سچے دل سے مانے۔ ان عقائد پر ایمان لانے کے باوجود انسان پورا مسلمان تب بنتا ہے جب وہ ان عقائد کو پرکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے نازل شدہ احکام کی پیروی کرے۔ یہ نازل شدہ احکامات جنہیں عبادات کہا جاتا ہے نسلِ انسانی کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر انسانوں تک پہنچاتے رہے۔ تاکہ ان کے عقیدے کی سچائی کو جانچا جا سکے۔

Marfat.com

عبادات کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ عبادت کا لفظ عبد سے نکلا ہے۔ جس کے معنی اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کا عبد ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کے معبود ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جو کام بھی کرے گا وہ عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ، غیبت، ظلم اور فحش گوئی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ انسان اگر محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ان برائیوں سے پرہیز کرتا ہے تو یہ عبادت ہے۔ اسی طرح محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی کی حق تلفی نہ کرنا غریب کی مدد کرنا۔ غریب کو کھانا کھلانا پڑوسی کو خوش رکھنا۔ والدین کی خدمت کرنا رشتہ داروں سے اچھے تعلقات قائم رکھنا عبادت ہے۔ حتیٰ کہ رزقِ حلال کے لیے جدوجہد اور محنت بھی عبادت میں شامل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے تحت کھانا پینا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا اور بات چیت کرنا بھی عبادت ہے۔

دراصل عبادت کا اصلی مدعا ہی یہی ہے کہ انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق زندگی گزارے۔ اس بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چند مخصوص عبادتیں فرض کی ہیں۔ تاکہ انسان اصل اور بڑے مقصدِ عبادت کو پانے کے لیے تربیت حاصل کر سکے۔ اب جو شخص بھی ان عبادات کو اچھی طرح ادا کرے گا۔ عبادت کا اصل مقصد حاصل کر لے گا۔ ان مخصوص عبادات کو ارکانِ دین کہا گیا ہے۔ یعنی یہ دین کے ستون ہیں جن پر دینِ اسلام کی عمارت قائم ہے۔ انسان جتنا مضبوطی سے ان بنیادوں کو تھامے رکھیں گے۔ اتنا ہی اسلام کی عمارت مضبوط رہے گی۔ ان ارکان کو ذیل میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

نماز:

اِن عبادات میں سب سے پہلا فرض نماز ہے۔ جو ہر مسلمان پر دن اور رات میں پانچ مرتبہ ادا کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ دراصل انسان نماز میں پانچ وقت زبان اور عمل سے اُن ہی چیزوں کا عملی مظاہرہ کرتا ہے جن پر وہ ایمان لایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر جھک کر یا سجدہ کر کے اپنے جسم اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عملی اقرار کرتا ہے وہ یہ حقیقت تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے وہی سجدے کے لائق ہے۔ اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں اور ایک دن سب انسان دوبارہ زندہ ہو کر حساب کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ اس کی ساری حرکات و سکنات اور نماز کے الفاظ کی خاموش ادائیگی اللہ تعالیٰ دیکھ اور سن رہا ہے۔ تبھی تو وہ اکیلے نماز میں بھی مقررہ قواعد وضوابط کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ پھر وہ یہ سبق رات دن میں پانچ مرتبہ دہراتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی توحید پیغمبر کی رسالت اور قیامت اور جزاوسزا پر ایمان تازہ رہے۔

نماز کو باجماعت پڑھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ تاکہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو۔ امیر غریب، کالے گورے، عربی عجمی کا فرق ختم ہو جائے۔ اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا ہمدرد اور بھائی بن جائے۔ نماز، طہارت اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ وضو کرنے سے بدنی طہارت حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے رکوع و سجود کرنے سے روحانی پاکیزگی میسر ہوتی ہے۔ یہ نماز ہی ہے جو انسان کو ساری برائیوں سے روکتی ہے۔ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری

Marfat.com

دینے کے بعد انسان کوئی بھی برائی کرنے سے ہچکچاتا ہے کہ ابھی دوبارہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری دینی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بار بار مسلمانوں کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اسلام کی عمارت کا سب سے بڑا ستون یہی ہے۔ اگر یہ گر جائے تو دوسرے ستونوں کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں ہی پوچھا جائے گا۔ بے نماز آدمی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں زندگی گزارے گا۔

روزہ:

اسلام کا دوسرا رکن روزہ ہے۔ یہ پورا ایک مہینہ تک اُن عقائد کا عملی مظاہرہ ہے جن کی بنیاد پر انسان مسلمانوں کے گروہ میں داخل ہوتا ہے۔ انسان صبح صادق سے غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نہ صرف ہر قسم کی کھانے پینے کی اشیاء سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ بلکہ اپنی خواہشات اعمال اور گفتار کو بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے۔ خاص کر جبکہ وہ اکیلا ہو اور اسے کوئی دیکھ بھی نہ رہا ہو۔ آخر یہ کیوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے۔ اس کے حاضر ناظر ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ قیامت اور روزِ جزا پر ایمان ہے۔ اُسے قرآن اور پیغمبر کی اطاعت مطلوب ہوتی ہے۔ وہ خواہشاتِ نفس کو دبا کر اور بھوک اور پیاس کو صبر سے برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ہر سال رمضان کا مہینہ آتا ہے تاکہ مسلمان اس میں نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی تربیت اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ اور سال

Marfat.com

کے باقی مہینوں میں بھی اس ماہ کی تربیت کی بدولت اُس کی اطاعت پر جمے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے روزہ ایک ہی ماہ میں فرض کیا تا کہ تمام مسلمان مل کر اچھائیوں کو اُبھاریں اور برائیوں کو دبا دیں۔ اُنہیں روزہ رکھنے میں کوئی وقت محسوس نہ ہو۔ اور ساری زمین پر ایمان اور خوفِ خدا کی فضا چھا جائے۔ سارے مسلمانوں کا بیک وقت ایک حال میں ہونا یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ ایک ہی جماعت ہیں۔ ان میں باہمی ہمدردی اور احساس پیدا ہوتا ہے۔

روزہ ایک مسلمان کو دوسرے غریب مسلمانوں کی تکالیف اور ان کے فاقوں کا احساس دلاتا ہے۔ اسے غریبوں کی امداد کرنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے پر ابھارتا ہے۔ بسیار خوری چھوڑ کر کم خوری کا عادی بناتا ہے۔ اس سے روزہ دار ماہِ رمضان کے بعد بھی کم خوری اپنا کر بہت سی جسمانی اور روحانی بیماریوں پر قابو پا سکتا ہے۔ چونکہ روزہ میں دکھاوا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ میرے لیے ہے۔ اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ روزے نہ صرف اس امت پر بلکہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھے۔ بڑے بدقسمت ہیں وہ لوگ جو رمضان کے مہینے کو پائیں اور پھر بغیر کسی عذر کے روزہ نہ رکھیں اور سب سے بڑے ظالم وہ مسلمان ہیں جو رمضان کے مہینے میں برسرِ عام کھاتے پیتے ہیں۔ روزہ داروں کا مذاق اُڑاتے ہیں گویا وہ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا مسلمانوں کی جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

Marfat.com

زکوٰۃ:

اسلام کا تیسرا رکن زکوٰۃ ہے۔ یہ ہر مالدار مسلمان پر فرض ہے۔ مال کی محبت انسان کی فطری کمزوری ہے۔ وہ ایک ایک پائی کو سمیٹ کر جمع کرتا ہے۔ تا کہ معاشرے میں اُس کا نام بلند ہو اُس پر کبھی تنگی نہ آئے اور اُس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد عیاشی کرتی رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان اتنا خود غرض نہ بنے۔ اور اس فانی دنیا کی چند روزہ عیاشی کے لیے اپنے غریب ساتھی انسانوں کو نہ بھولے۔ رزق کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ آج اگر ایک شخص مالدار ہے تو کل وہ تہی دست بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے امیروں کی دولت میں سے کم از کم ڈھائی فیصد غریبوں کا حصہ مقرر کر دیا۔ جو ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر فرض ہے۔ اس سے زیادہ اگر کوئی دے تو وہ احسان اور صدقہ ہے۔ جس کا علیحدہ ثواب ملے گا۔ زکوٰۃ صرف روپے پیسے پر نہیں بلکہ سونے چاندی، تجارتی اور صنعتی مال، مویشیوں اور زمین کی پیداوار پر بھی ہے۔ جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ فریضہ ہے۔ لہٰذا ایک امیر آدمی کسی غریب کو زکوٰۃ دے کر کوئی احسان نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایک فرض ادا کرتا ہے۔ غریب آدمی تو زکوٰۃ لے کر امیر آدمی کے فرض کی ادائیگی میں اُس کی مدد کرتا ہے۔ جس طرح نماز، روزہ، روح کی طہارت کا سبب بنتے ہیں۔ زکوٰۃ مال کی طہارت کا سبب ہے۔ زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ غریبوں کی مدد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لیے بڑی وعید ہے۔

Marfat.com

وہی سونا چاندی اور مال جو انسان سینت سینت کر رکھتا ہے۔ اور جس پر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ قیامت کے دن آگ میں گرم کر کے اُس کے جسم کے مختلف حصوں کو اُن سے داغا جائے گا۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان خود غرضی تنگ دلی اور زر پرستی کی بُری عادات سے بچ جاتا ہے۔ زکوٰۃ مسلمانوں کو مالی قربانی کی مشق کراتی ہے۔ غریب اور امیر میں بھائی چارہ اور محبت پیدا کرتی ہے۔ اور انسان میں یہ سوچ پیدا کرتی ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے جس میں مجھے ایک ایک پائی کا حساب دینا ہے۔

زکوٰۃ کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز نہ ہونے دیا جائے۔ جس سے چند افراد تو ارب پتی اور کھرب پتی بن جائیں اور باقی لوگ فاقے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور پیداوار کے ذرائع عطا کیے ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ یہ سب انسانوں میں برابر تقسیم ہوں۔ اگر ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کچھ زیادہ مل گیا ہے۔ تو اس کا فرض بنتا ہے کہ اپنی دولت پر سانپ بن کر بیٹھنے کی بجائے سسکتی ہوئی انسانیت کی مدد کرے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر اپنی دولت کا ایک مقررہ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ ایک طرف تو کوئی انسان اپنی دولت پر قارون بن کر نہ بیٹھ جائے دوسری طرف غریب مسلمانوں کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں۔

آج کل ہمارے معاشرے میں ایک عجیب رسم چل نکلی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو گن کر زکوٰۃ دیتے ہیں۔ گننے اور زکوٰۃ کے لیے حساب کتاب کرنے کا رواج ہی نہیں۔ کروڑوں کے مال پر لاکھوں کی زکوٰۃ بنتی ہے۔ لیکن چند ہزار

Marfat.com

دے کر شہیدوں میں نام لکھوالیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے نئے کارخانے لگانے اور پہلے کارخانوں کی تعداد بڑھانے کے لیے بنکوں سے سود پر بھاری قرضے لیے ہوتے ہیں۔ وہ تو سرے سے اپنے آپ کو صاحبِ نصاب ہی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ مقروض ہیں۔ اور مقروض تو الٹا زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے۔ پھر زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مختلف تاویلیں کی جاتی ہیں۔ حیلے، بہانے تراشے جاتے ہیں۔ کاش کہ ہمارے دل میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ چونکہ ہم انکم ٹیکس دیتے ہیں اس لیے وہ زکوٰۃ کا نعم البدل ہے۔ ایسے بھائیوں کو کسی عالم دین یا مفتی سے ہی رجوع کر لینا چاہیے۔ ایک بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر آج بھی مسلمان گن کر زکوٰۃ دیں تو غربت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور زکوٰۃ کے مستحقین آسانی سے نہیں ملیں گے۔

حج:

اسلام کا چوتھا رکن حج ہے۔ یہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ اُن مسلمانوں پر فرض ہے۔ جو مکہ معظّمہ تک آنے جانے کا خرچ برداشت کر سکتے ہوں۔ تندرست اور سفر کرنے کے قابل ہوں۔ آج سے ہزاروں سال پہلے مکہ معظّمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک چھوٹا سا گھر بنایا تھا۔ اور دعا کی کہ یا اللہ تعالیٰ اس گھر کو اتنا بابرکت بنا کہ لوگ ہر سال اس کی طرف روحانی فوائد حاصل کرنے کے لیے کھنچے چلے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کے خلوص اور محبت کی یہ قدر فرمائی کہ اس کو بیت اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کا گھر قرار دیا۔ اور فرمایا جس کو ہماری عبادت کرنی ہو اسی گھر کی طرف رخ کرے

Marfat.com

عبادت کرے۔اور ہر مسمان خواہ دنیا میں کہیں بھی ہو بشرطِ استطاعت زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ اس کی زیارت کرے۔اور پھر اس زیارت کے سفر کے آداب بھی مقرر کر دیئے۔یعنی نفسانی خواہشات خونریزی بدکاری بدکلامی غرور وتکبر سے بچتے ہوئے نہایت ادب واحترام اور عاجزی کے ساتھ آؤ کیونکہ تم بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار میں جارہے ہو۔جو زمین وآسمان کا مالک کل ہے۔بیت اللہ کی زیارت کا تصور ہی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی عظمت وبزرگی کا خیال پیدا کر دیتا ہے۔پھر جب وہ یہ سفر اختیار کرتا ہے تو محبت اور شوق کی آگ اور بھڑک اُٹھتی ہے۔گناہوں اور نافرمانیوں سے نفرت ہونے لگتی ہے۔پچھلے گناہوں پر شرمندگی ہوتی ہے۔اور پھر بیت اللہ تعالیٰ شریف میں پہنچ کر تو انسان کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔عبادات اور ذکرِ الٰہی میں مزہ آنے لگتا ہے۔سجدے لمبے اور دعائیں طویل ہونے لگتی ہیں۔خوفِ خدا سے گریہ زاری کا سامان بندھتا ہے۔اور انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔اور وہاں سے ایسا گہرا اثر لے کر آتا ہے جو دل سے کبھی محو نہیں ہوتا۔حج کی ادائیگی سے ایک دفعہ انسان کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حج میں دنیا کے بھی بے شمار فوائد رکھے ہیں۔حج کی وجہ سے مکہ دنیا کے مسلمانوں کا مرکز بنا دیا گیا ہے۔دنیا کے چپے چپے سے مسلمان ہر سال ایک ہی وقت میں وہاں جمع ہوتے ہیں۔مختلف ممالک کے لوگ مختلف رنگ ونسل اور مختلف زبانوں سے تعلق رکھتے ہوئے بھی ایک اسلام پر متفق ہیں۔وہ ایک ہی امام کے پیچھے ایک ہی نماز پڑھتے ہیں۔اکٹھا طواف کرتے ہیں، اکٹھی قربانی کرتے ہیں۔اسلام

Marfat.com

کے سوا کسی اور مذہب میں ایک وقت میں انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں ہوتا۔اس سے زیادہ اسلامی اخوت کا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے۔ یہ گویا عبادت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی سالانہ بین الاقوامی کانفرنس ہے۔ اور مسلمانوں کی عالمگیر برادری میں اتحاد کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

حمایتِ اسلام:

حمایتِ اسلام اگرچہ ارکانِ اسلام میں سے نہیں ہے۔ مگر یہ ایک اسلامی فریضہ ہے جس پر قرآن وحدیث میں بہت زور دیا گیا ہے۔ حمایتِ اسلام سے مراد اسلامی غیرت وحمیت اسلام کی سربلندی کے لیے جدوجہد اور اپنے مسلمان بھائیوں کی سچی خیرخواہی ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ خود تو رات دن عبادات میں لگے رہیں۔ اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا رہے۔ یا وہ کوئی ایسا کام کریں جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہو کیونکہ اس طرح تو اسلامی ریاست کا وجود اور عبادات کا عمل بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ لہٰذا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے دین اور اپنی دینی جماعت کی عزت کو مقدم رکھیں۔ نہ تو وہ خود ایسا کوئی کام کریں اور نہ ایسا کوئی کام ہونے دیں جو اسلام اور مسلمانوں کی رسوائی اور تنزلی کا باعث ہو۔

اسی حمایت اسلام میں جہاد بھی آجاتا ہے اور تبلیغ دین بھی۔ تبلیغ دین بھی ایک قسم کا جہاد ہے جو ایک مسلمان کلمۃ اللہ بلند کرنے کے لیے اپنی زبان قلم اور ہاتھ پاؤں سے کرتا ہے۔ لیکن جہاد کا آخری مرحلہ وہ قتال ہے جو ایک مسلمان اپنے دین کی خاطر کفار سے کرتا ہے۔ شریعت میں یہ فرض کفایہ ہے یعنی

Marfat.com

ایسا فرض جو تمام مسلمانوں پر عائد تو ہوتا ہے لیکن اگر ایک جماعت اسے ادا کر دے تو باقی مسلمانوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کسی اسلامی ملک پر دشمن کا حملہ ہو تو اس صورت میں ملک کے تمام باشندوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو قریبی مسلمان ملک کے باشندوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر ان کی مدد سے بھی دشمن کا حملہ دفع نہ ہو تو پوری دنیا کے مسلمانوں پر مظلوم ملک کی حمایت فرض ہو جاتی ہے۔ بنیادی مقصد دین اسلام اور اس کے ماننے والوں کو ظلم و زیادتی سے بچانا ہے۔ جو شخص مصیبت کے وقت اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ نہ دے اس کا دین ہی مشتبہ ہے۔

اخلاقِ حسنہ

اخلاقِ حسنہ بھی اگرچہ ارکانِ اسلام نہیں۔ لیکن یہ ارکانِ اسلام کی تکمیل اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعمیل میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ انسانی شخصیت کو نکھار کر اور انسانی صلاحیتوں کو ابھار کر اس قابل بناتے ہیں کہ انسان اپنی دنیوی اور اخروی فلاح حاصل کر سکے۔ اخلاقِ حسنہ کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم اتنی مکمل اتنی جامع اور انسانی فطرت کے اتنی عین مطابق ہے کہ اگر انسان اسے اپنا لے تو اس زمین پر انسان کی صورت میں رحمت کا فرشتہ نظر آئے۔ چند اخلاقِ حسنہ قرآنی آیات کی روشنی میں درج ذیل ہیں۔

صبر:

ہماری عام زبان میں صبر کے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ انسان کسی بیماری

Marfat.com

مصیبت یا غربت وتنگدستی پر کسی شکوہ وشکایت کا اظہار نہ کرے یا کسی ظالم کے ظلم پر انتقام نہ لے اور نہ نالہ وفریاد کرے۔ لیکن قرآن کی زبان میں صبر کے معنی بہت وسیع ہیں۔ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لیے یا دنیا میں نیکی پھیلانے یا برائیوں کو مٹانے کے لیے صدموں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر مضبوطی سے جمے رہنے کا نام صبر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

(البقرہ ۱۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہاں اہلِ ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ دین میں جتنی مشکلات پیش آئیں ان کا مقابلہ صبر اور نماز سے کیا جائے۔ نماز، جسم اور روح کی تسکین کا باعث بنے گی اور صبر سے عزم وہمت جرأت وشجاعت پیدا ہوگی جس سے حق پر ڈٹ جانے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ پھر صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معاونت بھی حاصل ہوگی جس سے ہر کام سہل ہو جائے گا۔ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک معاصی کے ترک کرنے اور اس سے حاصل شدہ عارضی لذتوں اور فائدوں سے محروم ہونے پر صبر دوسرا شریعت کے احکام بجالانے پر جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں اُن پر صبر یا اسے یوں کہہ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ خواہ وہ نفس و بدن پر کتنی ہی ناگوار ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا

Marfat.com

چاہیے۔ خواہ وہ نفس کو کتنی ہی خوشگوار لگیں اور یہی صبر ہے۔

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ حق کے راستے پر چلتے ہوئے جب اُسے مسلسل مصائب اور نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں اور اپنی قربانیوں کا کوئی پھل نہیں ملتا تو وہ مایوس ہونے لگتا ہے۔ ایسے موقعوں پر قرآن ڈھارس بندھا کر انسانوں کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔

فَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ (ھود ۱۱۵)

ترجمہ: اور صبر کرو کیونکہ (اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ) اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

یہاں صبر کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے کہ صبر کر کے جو نیکیاں وہ کمارہے ہیں ان کا اجر وہ ضرور حاصل کریں گے۔

صبر کی صفت وہ دولتِ عظمیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے حاصل ہوتی ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (نحل ۱۲۷)

ترجمہ: اور صبر اختیار کرو تمہارا صبر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوگا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق کیسے حاصل کی جائے۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بندہ خود عزم و ہمت سے کام لے اور پھر پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق کی دعا مانگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ صبر کی دولت اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

Marfat.com

سچائی اور راست بازی:

سچائی کا مطلب صرف یہ نہیں کہ زبان سے سچ بولا جائے۔ بلکہ اس میں دل اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے۔ دل کی سچائی یہ ہے کہ اسمیں نفاق اور فریب نہ ہو شرک سے پاک ہو اور عمل کی سچائی یہ ہے کہ جو عقیدہ اور قول کی سچائی دل میں بٹھا لی جائے اُس پر عمل بھی ہو۔ قرآن ایسے لوگوں کو صادق کہتا ہے اور اگر یہ صفت تکمیل کے درجہ پر پہنچ جائے تو ایسے لوگ صدیق کہلاتے ہیں۔

قرآن میں باری تعالیٰ نے تقویٰ اور سچائی کو ساتھ ساتھ بیان کر کے اہلِ ایمان کو ہدایت کی ہے کہ وہ سچے لوگوں کا ساتھ دیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود بھی سچے بنیں۔

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ○ (توبہ ۱۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

سورہ بقرہ (ع-۲۲) اور سورہ حجرات (ع-۲) میں نیک لوگوں کی مختلف صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہی لوگ سچے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سچائی ہی نیکیوں کی جڑ ہے۔ سچائی کو پیغمبروں کی صفت بتایا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ ط اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ (مریم ۴۱)

ترجمہ: اس کتاب میں ابراہیم کا حال ذکر کرو وہ تھے صدیق نبی۔

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ۔ (یوسف ۴۶)

Marfat.com

ترجمہ: اے بڑے صادق اور راست باز یوسف۔

سچ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بھی قرار دیا ہے جیسے فرمایا:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًاO (النساء ۱۲۲)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ قول میں کون سچا ہو سکتا ہے۔

قرآن میں سچائی کو جنتی لوگوں کی صفت قرار دیا گیا ہے۔ اور اس صفت کی بنیاد پر انہیں اللہ تعالیٰ کی خاص مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی ہے۔ لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم مسلمان اس صفت میں غیر مسلموں سے بھی پیچھے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں بڑے دھڑلے سے جھوٹ بولتے ہیں۔ پیغمبر نے جھوٹ کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے۔ اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹے پر لعنت کی ہے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ بے مقصد جھوٹ بولنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ دفاتر ہوں یا کاروبار تجارت ہو یا باہمی لین دین جھوٹ کی ملاوٹ کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور بعض کاروبار اور دفاتر تو چل ہی جھوٹ پر رہے ہیں۔ جو آدمی سچ بول بیٹھتا ہے اسے بھولا اور پاگل سمجھا جاتا ہے۔ جھوٹ کو آج کل ڈپلومیسی کا نام دیا گیا ہے۔ جو آدمی زیادہ جھوٹا ہو گا اسے کامیاب ڈپلومیٹ تصور کیا جاتا ہے۔ ہماری سیاست اور عدالتی نظام بھی مکمل طور پر جھوٹ کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ کسی عدالت میں سچی گواہی نہ دی جاتی ہے اور نہ دینے دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح انصاف ملنے کا خطرہ ہے۔ اور سیاسی قلابازی تو آج کل ایک محاورہ بن چکا ہے۔ سچ ایک ایسی حقیقت ہے جسے دنیا کے ہر مذہب نے اخلاقِ حسنہ کی بنیاد سمجھا ہے۔ لیکن پھر بھی انسانوں نے تاریخ کے ہر دور میں اپنے ذاتی

Marfat.com

مفاد کی خاطر اس سے انحراف کیا ہے۔ انسان کیوں جھوٹ بولتا ہے اس کے مختلف محرکات ہوسکتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱- مالی مفاد کی خاطر جن میں رزقِ حرام کے تمام ذرائع شامل ہیں۔

۲- اپنے جھوٹے وقار اور مصنوعی عزت وجاہ کی خاطر۔

۳- بڑے لوگوں کے احکامات ماننے اور اُن کو خوش کرنے کے لیے۔

۴- اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی ناراضگی سے بچنے کے لیے۔

۵- صرف طنز ومزاح کے لیے۔

۶- اپنی بات کو پرکشش بنانے کے لیے۔

۷- اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لیے۔

۸- اپنے مخالفین کو زیرِ عتاب لانے کے لیے۔

۹- اقتدار حاصل کرنے اور دوسروں پر غلبہ پانے کے لیے۔

۱۰- اپنا اقتدار ہمیشہ قائم رکھنے کے لیے۔

۱۱- ظلم اور زیادتی کے ڈر سے۔

۱۲- صرف عادت کے طور پر۔

وفائے عہد:

عہد کا پورا کرنا بھی دراصل صدق اور سچائی کی ایک شکل ہے۔ کیونکہ جو آدمی وعدہ خلافی کرتا ہے تو گویا اس نے جھوٹ بولا۔ قرآن میں بعض مقامات پر تو اس کے لیے صدق کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے جیسے سورہ احزاب میں فرمایا:

- مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج (احزاب:۲۳)

Marfat.com

ترجمہ: ایمان والوں میں کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اُسے سچ کر دکھایا۔

قرآن میں اہلِ ایمان سے وفائے عہد کا مطالبہ بڑے زور و شور سے کیا گیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط (مائدہ:۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان پورے کرو۔

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ۳۴)

ترجمہ: اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوگی۔

یہاں عہد و پیمان سے مراد احکامِ الٰہی کا پورا کرنا بھی ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے وعدہ لے رکھا ہے۔ اور انسانوں کے آپس میں عہد و پیمان بھی ہیں جن کو پورا کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں ایفائے عہد کو نیک لوگوں کی صفت بیان کیا گیا ہے۔

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج (بقرہ:۱۷۷)

ترجمہ: اور جب عہد کریں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

اِسی طرح وفائے عہد کو ایک دوسرے انداز میں اللہ تعالیٰ کی صفت بھی قرار دیا گیا ہے۔

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ۔ (توبہ:۱۱۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔

Marfat.com

اس میں بندوں کے لیے ترغیب ہے کہ وہ بھی عہد شکنی سے بچیں۔ اپنے معاہدوں اور وعدوں کو پورا کریں۔ خواہ یہ وعدے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں یا انسانوں کے ساتھ ہوں۔ پیغمبر نے وعدہ شکنی کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے۔ کیونکہ وعدہ خلافی سے انسان اپنی عزت و اعتماد بھی کھو دیتا ہے۔ اور دوسروں کی حق تلفی بھی کرتا ہے۔

امانت:

تعریف (امانت بھی دراصل سچائی کا دوسرا نام ہے کیونکہ کوئی بھی آدمی جھوٹ بول کر ہی خیانت کرسکتا ہے) (اردو محاورہ میں امانت کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ کسی کی حفاظت میں رکھی گئی کوئی چیز جوں کی توں مالک کے مطالبہ پر واپس کر دی جائے) لیکن قرآنی محاورہ میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ جس سے مراد حفاظت میں رکھی گئی امانتوں کے علاوہ تمام حقوق و فرائض کا دیانت داری سے ادا کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی شامل ہیں اور انسانوں کے حقوق بھی۔ گویا انسان کے فرائض اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی امانتیں ہیں۔ جن کو پورا کرنے کے بارے میں ہر انسان جواب دہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا۔ (النساء ۵۸)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ (تمہارے ذمہ) جن کی امانتیں ہیں ان کو وہ امانتیں ادا کرو۔

ضرورت (یہاں امانتوں سے مراد وہ امانتیں بھی ہیں جو لوگوں کے پاس رکھی جاتی ہیں اور عہدے اور مناصب بھی ہیں جو اہل لوگوں کو دیئے جانے چاہئیں۔ امانت کے

Marfat.com

اس وسیع مفہوم میں کسی کے راز کی حفاظت کرنا بھی امانت ہے اور کسی کو صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے۔ پیغمبر نے خیانت کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے۔ باری تعالیٰ نے قرآن میں امانتیں ادا کرنے والوں کو جنتی اور فلاح پانے والے قرار دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ O (المؤمنون:۸)

ترجمہ: اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس کرتے ہیں۔ (وہ جنت الفردوس کے وارث ہیں))

اللہ تعالیٰ نے امانت کو پیغمبروں کو صفت قرار دیا۔ جنہوں نے اپنی امتوں سے کہا:

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ O لا فَاتَّقُو اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنَ O

(الشعراء:۱۰۷،۱۰۸،۱۲۵،۱۲۶،۱۴۳،۱۴۴)

ترجمہ: میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا امانتدار پیغمبر ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرے لائے ہوئے پیغام کی تابعداری کرو۔

پھر امانتداری کو مقرب فرشتوں کی صفت قرار دیا۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ O (الشعرا-۱۹۳)

ترجمہ: لے کر اُترا ہے اس (قرآن) کو جبریل امین۔

پیغمبر علیہ السلام بچپن سے ہی امین کے لقب سے مشہور تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے جانی دشمن بھی اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور مقرب فرشتوں سے کوئی نسبت رکھنا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ امانت دار بن کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔

Marfat.com

عدل وانصاف:

تعریف عدل و انصاف بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ عدل کی بنیاد ہی سچ ہے۔ جب کوئی کسی کے ساتھ عدل وانصاف کرتا ہے تو گویا وہ سچائی کا دامن تھام رہا ہے۔ عدل سے ہٹ کر جو چیز بھی ہوگی وہ ظلم ہے جس کی بنیاد جھوٹ ہے۔ (عدل سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان سے بغیر کسی لحاظ اور رعایت کے وہی معاملہ کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ یعنی ہر انسان کو اُس کا حق دلایا جائے) قرآن مجید نے اپنی دعوت و تعلیم میں عدل وانصاف پر بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ اس میں انسانوں کی دنیوی اور اخروی فلاح مضمر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ (النحل:۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں انصاف اور اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ج (الانعام ۱۵۲)

ترجمہ: اور جب (کسی نزاعی معاملہ میں) تمہیں کچھ کہنا یا فیصلہ دینا ہو تو پورا انصاف کرو۔ اگرچہ (فریق معاملہ) تمہارا کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ (رحمٰن ۹)

ترجمہ: اور انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو اور تول میں کم نہ دو۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ (المائدہ ۸)

Marfat.com

ترجمہ: اور کسی قوم کی عداوت تمہیں خلافِ عدل پر آمادہ نہ کرے۔ عدل کیا کرو کیونکہ یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔

چند آیات نمونے کے طور پر لکھی گئی ہیں ورنہ قرآن مجید کی ساری تعلیم ہی عدل وانصاف کے اصولوں پر مبنی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اپنے ذاتی نفع ونقصان کے خیال سے یا رشتہ اور قرابت کی وجہ سے یا کسی کی دولت اور امارت سے مرعوب ہو کر یا کسی کی غربت پر ترس کھا کر یا کسی دشمن سے بدلہ لینے کے لیے کسی بھی حالت میں انصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے۔ کیونکہ تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ انسانی مصلحتوں کو سمجھتا ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جس معاشرہ میں بھی انسانوں نے عدل وانصاف کا گلا گھونٹا اور ظلم کو رواج دیا وہ معاشرہ زوال پذیر ہوا۔ اور پھر ظلم و جبر کے کھنڈرات میں سے نئی تہذیبوں نے جنم لیا۔ جو صرف عدل وانصاف سے ہی اپنا وجود قائم رکھ سکیں۔

انفاق فی سبیل اللہ:

جن اخلاقی نیکیوں پر قرآن میں زور دیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو جو مال و دولت دیا ہے اس سے صرف وہ خود ہی فائدہ نہ اٹھائے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے راہ میں بھی خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ضرورت مند بندوں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت تبلیغ جہاد اور اقامت دین پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ اسلام دولت کے ارتکاز کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ اسی لیے دولت مندوں پر

Marfat.com

زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے واجب کر دیا گیا کہ وہ دولت پر سانپ بن کر بیٹھنے کی بجائے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ تاکہ انسانوں کے درمیان ہمدردی اور بھائی چارہ پیدا ہوا۔ ضرورت مندوں کی ضروریات پوری ہوں۔ اور انسان دولت کی بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ قرآن کی ابتداہی میں باری تعالیٰ نے فلاح پانے والے گروہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (البقرہ ۳)

ترجمہ: اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مال و دولت کے علاوہ جو خداداد قوت و طاقت قابلیت اور محنت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی جائے وہ بھی اس میں شامل ہے کیونکہ یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اور مختلف پیرائے میں اہلِ ایمان کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے۔ کہیں کہا ہے کہ موت سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرلو ورنہ پچھتاؤ گے کیونکہ تمہارا مال تو دوسرے لوگ کھائیں گے۔ کہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے لیے بہتر اور دگنے اجر کا وعدہ کیا۔ کہیں اس کو اللہ تعالیٰ پر قرض قرار دیا۔ کہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کو عذاب کی خبر دی۔ مقصد صرف یہ ہے کہ کسی طرح انسان مال و دولت کو اپنی فلاح کا ذریعہ بنا لے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

Marfat.com

۱- اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہو۔

۲- بہتر سے بہتر چیز اور پیارے سے پیارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہو۔

۳- انفاق فی سبیل اللہ تعالیٰ ہمیشہ رزق حلال سے ہو۔ حرام مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

۴- خرچ کرتے وقت میانہ روی مدِ نظر رکھنی چاہیے۔

ایثار:

انفاق فی سبیل اللہ کی ایک اعلیٰ شکل یہ ہے کہ آدمی خود ضرورت مند ہوتے ہوئے دوسرے پر خرچ کرے۔ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم سمجھے۔ خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے۔ خود تکلیف اُٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔ قرآن مجید میں انصار مدینہ کی تعریف میں فرمایا گیا ہے۔

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط (الحشر ۹)

ترجمہ: اور وہ اپنے اوپر (ضرورتمند مہاجرین کو) مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود انہیں تکلیف اور تنگی ہو۔

نیک اور جنتی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ○ (الدہر ۸)

ترجمہ: اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو۔

ایثار کے وصف پر اپنے بندوں کی تعریف و تحسین گویا دوسرے بندوں کے لیے ترغیب ہے کہ وہ بھی اپنے اندر یہ وصف پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے نیک

Marfat.com

بندے بنیں اور جنت کے حقدار ہو جائیں۔)

استغنا وقناعت:

استغنا وقناعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی حلال کی کمائی پر مطمئن ہو جائے اور دوسروں کی کمائی اور مال و دولت پر للچائی ہوئی نظر نہ ڈالے اور نہ ہی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ باری تعالیٰ نے قرآن میں دوسروں کے مال و دولت کی طرف للچائی ہوئی نگاہ کرنے سے براہِ راست منع کیا ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ۝ (طٰہٰ ۱۳۱)

ترجمہ: اور ہرگز آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو اُن سامانوں کی طرف جو ہم نے اِن میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھے ہیں۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ط (النساء: ۳۲)

ترجمہ: اور مت تمنا کرو اُس چیز کی جس میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو چیز مال یا رتبہ اللہ تعالیٰ نے کسی دوسرے کو دیا اور تم کو نہیں دیا اس کی ہوس مت کرو بلکہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اس پر قناعت کرو۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ افراتفری کا عالم ہے۔ رات دن اسی کشش و پنج میں مبتلا ہیں کہ کوئی دوسرا مال و دولت اور عزت و رتبہ میں ہم سے کیوں سبقت لے رہا ہے۔ اور ساری جدوجہد مال کمانے میں کھپ رہی ہے خواہ اس کے لیے حرام و حلال کی حدود کو توڑنا ہی پڑے۔

Marfat.com

توکل:

استغنا اور قناعت کی بنیاد توکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جدوجہد کرنے اور دنیوی ذرائع استعمال کرنے سے نہیں روکا۔ بلکہ ایک درجے میں ان کا استعمال ضروری ہے۔ لیکن توکل ذرائع کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو جدوجہد اور ذرائع کو بارآور کرے چاہے تو ذرائع دھرے کے دھرے رہ جائیں اور نتیجہ صفر ہو۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور مکمل بھروسہ ہی دراصل توحید کی بنیاد ہے۔ کیونکہ جس نے صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت قدرت اور ربوبیت پر بھروسہ کیا تو اس نے گویا ایک مضبوط سہارے کو تھام لیا۔ اور دوسرے تمام سہاروں (جن وانس اور دوسرے مصنوعی کارساز) کی نفی کر دی۔ قرآن نے اپنے ماننے والوں کو بار بار اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی تلقین کی ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران ۱۶۰، التغابن ۱۳)

ترجمہ: اور ایمان والوں کو بس اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ۔ (الفرقان ۵۸)

ترجمہ: اور تم بھروسہ کرو اس زندہ جاوید ہستی پر جس کو فنا اور موت نہیں (اور اس کے سوا سب فانی ہیں)

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط (طلاق ۳)

ترجمہ: اور جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے بالکل کافی

ہے

Marfat.com

مطلب یہ کہ جب تم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو کہ وہ ہمیشہ رہنے والا اور ہر چیز پر قادر ہے تو اُسی پر بھروسہ کرو وہ تمہارے لیے کافی ہے۔اس کا در چھوڑ کر دوسروں کے در کی خاک نہ چھانو۔ اپنی محنت عقل اور جدوجہد کو حسبِ ضرورت ضرور استعمال کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے امتحان کی خاطر ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔لیکن بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرو۔ان ذرائع سے نتائج ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

تواضع:

تواضع تکبر کی ضد ہے۔تواضع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر سمجھے۔اور دوسروں کے ساتھ معاملات اور برتاؤ میں تکبر اور غرور کی بجائے عاجزی کا اظہار کرے۔کسی انسان کی تواضع کا اظہار اس کی رفتار، گفتار، کردار، رہن سہن اور نشست و برخاست سے ہوتا ہے۔پیغمبر نے فرمایا کہ جس انسان کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اور تکبر سے مراد ہے اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھنا اور حق کو پامال کرنا۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانی کے ایک ناپاک قطرے سے پیدا کیا۔لیکن یہ ایک عجیب تماشا ہے کہ انسان اپنی پیدائش کو بھول کر اس حد تک اکڑ گیا کہ اپنے آپ کو بادشاہ شہنشاہ حتیٰ کہ الٰہ تک کہلانے لگا۔انسانی تاریخ میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں۔جتنی بھی انسانی خونریزی ہوئی ہے اس کی تہہ میں انسان کا تکبر، غرور اور لالچ چھپا ہوا تھا۔سوائے ان چند جنگوں کے جو خالص اللہ تعالیٰ کا دین قائم کرنے کے لیے لڑی گئیں۔باری تعالیٰ نے قرآن میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے اوصاف بیان

Marfat.com

کرتے ہوئے فرمایا:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا۔ (الفرقان ۶۳)

ترجمہ: اور رب رحمٰن کے (خاص) بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی (عاجزی) کے ساتھ چلتے ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل میں جہاں توحید اعمال اور اخلاق کے بارے میں مفصل ہدایات دی گئیں وہاں یہ بھی فرمایا:

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا O (بنی اسرائیل ۳۷)

ترجمہ: اور زمین پر اکڑ کر نہ چل کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ ایک شخص دو چادریں پہنے اکڑ کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔ اس سے متکبر شخص پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دنیا میں آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا مقام سب سے بلند ہے آپ کو بھی مومنین کے ساتھ تواضع کا سلوک کرنے کی ہدایت کی گئی۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ O (الشعراء: ۲۱۵)

ترجمہ: اور جھکا دے اپنے بازو اُن اہلِ ایمان کے لیے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تواضع اور فروتنی اُن ہی بندوں کا حق ہے جو

Marfat.com

صاحبِ ایمان ہوں۔ کفار اور مشرکین اگر مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار نہیں تو اُن کے ساتھ رواداری اور حسنِ اخلاق کا معاملہ تو کیا جائے گا۔ لیکن وہ تواضع کے مستحق نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اُن کے ساتھ تواضع سے پیش آنا غیرتِ ایمانی کے خلاف ہوگا۔

حلم ودرگزر:

حلم ودرگزر کا مطلب ہے کسی کی زیادتی کو فراخ دلی سے برداشت کرلیا جائے اور انتقام لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود قصور وار شخص کو معاف کردیا جائے۔ بلاشبہ یہ انسانی اخلاق کا سب بڑا مقام ہے۔ جس کی قرآن میں بہت ترغیب دی گئی ہے۔ سورہ اٰلِ عمران میں ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (اٰلِ عمران ۱۳۴)

ترجمہ: وہ بندے جو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگی میں بھی اور جو غصہ کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کردینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سورہ شوریٰ میں اہلِ ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ۝ (شوریٰ ۳۷)

ترجمہ: اور جب (کسی شرارت اور بدتمیزی پر) ان کو غصہ آتا ہے تو وہ (انتقام نہیں لیتے بلکہ) معاف کردیتے ہیں۔

Marfat.com

سورۂ نور میں ایک اور موثر انداز میں معاف کرنے کی ترغیب دی۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ O (النور۲۲)

ترجمہ: اور ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ معاف اور نظر انداز کر دیا کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔

مطلب یہ کہ جو بندہ یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ بخشش اور معافی کا معاملہ کرے تو اُسے چاہیے کہ وہ بھی اپنے قصورواروں کو معاف کر دے۔ یہاں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ درگزر کی اس قرآنی تعلیم کا تعلق انسان کے ذاتی اور نجی معاملات اور حقوق سے ہے۔ اگر کوئی شخص یا گروہ زمین میں فساد پھیلاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو توڑتا ہے تو وہ ہرگز معافی کا مستحق نہیں۔

حیا اور عفت:

شرم و حیا اور عفت و پاکدامنی وہ اخلاقی اچھائیاں ہیں جن پر قرآن مجید نے خاص طور پر زور دیا ہے۔ اس کی ضد بے حیائی اور اخلاقی بے راہ روی ہے۔ جس سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ جیسے فرمایا:

وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (النحل:۹۰)

ترجمہ: اور وہ (اللہ تعالیٰ) تمہیں بے حیائی اور عام برائی سے منع کرتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ (اعراف:۳۳)

ترجمہ: اے رسول آپ لوگوں کو فرمائیے کہ میرے رب نے حرام کر دیا ہے سب

Marfat.com

بے حیائی کی باتوں کو خواہ ان میں ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی۔

یعنی فحاشی اور بے حیائی کے کام خواہ لوگوں کے سامنے کیے جائیں یا چھپ کر کیے جائیں سب حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو انسانوں کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا ہے۔ دراصل فحاشی اور بے حیائی ہی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کرتی ہے۔

حقوق

شریعت کی رو سے انسان پر چار قسم کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ جو انسانی پرچے کا حصہ ہیں۔ اور جن کی ادائیگی کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ حقوق کی چار اقسام یہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کے حقوق

۲- نفس اور جسم کے حقوق

۳- بندوں کے حقوق

۴- انسانی اختیار میں دی گئی چیزوں کے حقوق

اللہ تعالیٰ کے حقوق:

اللہ تعالیٰ کے حقوق درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

۲- اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایت کو سچے دل سے تسلیم کرنا۔

۳- اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا۔

Marfat.com

۴- صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا۔

۵- اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کرنا۔

نفس کے حقوق:

انسان پر اپنے نفس اور جسم کے حقوق بھی ہیں جو یہ ہیں:

۱- ایسی تمام چیزیں کھانے سے رکنا جو انسان کی صحت اور اخلاقی اور عقلی و روحانی قوتوں پر بُرا اثر ڈالتی ہیں مثلاً شراب، افیون اور دوسری نشہ آور چیزیں، سور کا گوشت، درندے اور زہریلے جانور، ناپاک حیوانات، خون اور مردار جانور۔

۲- اپنے جسم کو پاک غذاؤں سے محروم نہ کرنا۔

۳- اپنے جسم کو جائز لباس سے محروم نہ کرنا۔

۴- جائز ذرائع سے روزی کمانا۔

۵- نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے نکاح کرنا۔

۶- روحانی ترقی اور اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کے لیے نفس کشی اور ترکِ دنیا نہ کرنا۔

۷- خودکشی نہ کرنا۔

۸- اپنے آپ کو جائز آرام وآسائش اور زندگی کے لطف سے محروم نہ کرنا۔

۹- عزتِ نفس قائم رکھنا

بندوں کے حقوق:

انسان کو اپنے نفس اور جسم کے حقوق ادا کرتے وقت شریعت نے یہ حکم دیا

Marfat.com

ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے حقوق پامال نہ کرے۔ چنانچہ چوری، ڈاکہ، رشوت، خیانت، سودخوری اور جعلسازی سے بظاہر انسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔ جس سے آرام و آسائش کے سامان مہیا ہوتے ہیں۔ نفس پھولتا ہے۔ لیکن شریعت نے ان کو حرام کیا کیونکہ ان کا فائدہ دوسروں کے نقصان سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بہتان تراشی سے بھی دوسرے انسانوں کا نقصان ہوتا ہے۔ ان کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اُن کی شہرت کو داغ لگتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی حرام ٹھہرادی گئیں۔ جوا، سٹہ بازی اور لاٹری بھی حرام کردی گئیں کیونکہ ان میں ایک شخص کا فائدہ ہزاروں انسانوں کے نقصان پر مشتمل ہوتا ہے۔ قتل اور فتنہ و فساد کو بھی حرام کردیا گیا۔ کیونکہ کسی بھی انسان کو دوسرے انسانوں کی جان لینے یا ان کو نقصان پہنچانے کا حق نہیں۔ زنا اور فحاشی کو بھی حرام کردیا گیا۔ کیونکہ اس سے انسانوں میں بے حیائی اور بداخلاقی پھیلتی ہے۔ نسلیں خراب ہوتی ہیں۔ انسانی تعلقات بگڑتے ہیں اور تہذیب و تمدن کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ یہ وہ پابندیاں ہیں جو ایک انسان کو اپنے نفس کے حقوق ادا کرتے وقت ملحوظِ خاطر رکھنی چاہئیں۔ تاکہ دوسروں کے حقوق پامال نہ ہوں۔ لیکن انسانی تمدن کی ترقی کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ انسان دوسرے انسانوں کو نقصان نہ پہنچائے بلکہ اس کے لیے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کے لیے کس طرح مددگار ثابت ہو اور انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ اس کے لیے شریعت نے مختلف ضابطے مقرر کیے ہیں۔ ایک خاندان انسانی معاشرے کی اکائی ہے۔ اس کے اندر انسانوں کے حقوق و فرائض درج ذیل ہیں:

Marfat.com

۱- ایک خاندان کو قائم اور مضبوط رکھنے کے لیے مرد پر فرض ہے کہ وہ خاندان کے لیے رزقِ حلال کما کر لائے اور بیوی بچوں کی حفاظت اور نگرانی کرے۔ جبکہ بیوی کا فرض ہے کہ وہ مرد کی کمائی سے گھر کا انتظام چلائے بچوں کی صحیح تربیت اور پرورش کرے۔ شوہر اور بچوں کو گھر کے اندر سکھ اور آرام بہم پہنچائے بچوں کا فرض ہے کہ وہ ماں باپ کی اطاعت کریں اور ان کا ادب ملحوظ رکھیں اور جب بڑے ہوں تو ان کی خدمت کریں۔ والدین بھی بچوں کی مناسب تعلیم و تربیت اور ان کی جائز ضروریات کا خیال رکھیں۔

۲- جن مردوں اور عورتوں کو فطرتاً ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر رہنا پڑتا ہے ان کو ایک دوسرے کے لیے حرام کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ماں اور بیٹا، باپ اور بیٹی، بھائی اور بہن، دودھ شریک بھائی اور بہن، چچا اور بھتیجی، پھوپھی اور بھتیجا، ماموں اور بھانجی، خالہ اور بھانجا، ساس اور داماد، خسر اور بہو، اس کا فائدہ یہ ہے کہ ایسے مردوں اور عورتوں کے تعلقات بے لوث محبت کے ساتھ پاکیزہ رہتے ہیں۔

۳- حرام رشتوں کے علاوہ کنبے کے دوسرے مردوں اور عورتوں کے درمیان شادی کو نہ صرف جائز قرار دیا گیا بلکہ کنبے کے اندر شادی کو ترجیح دی گئی۔ کیونکہ کنبے کے لوگ ایک دوسرے کے عادات اور حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ اور موافقت کی بہتر صورت پیدا ہوتی ہے۔

۴- صدقہ و زکوٰۃ میں سب سے زیادہ حق غریب رشتہ داروں کا ہوتا ہے۔ اس

Marfat.com

کے بعد دوسرے غریبوں کا۔ ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ایک مقررہ حصہ غریبوں کو دیتے وقت اپنے خاندان کے غریبوں کو ترجیح دے۔

۵- وراثت میں بیٹا، بیٹی، بیوی، شوہر، ماں، باپ، بھائی، بہن کا حصہ مقرر کردیا گیا ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو دوسرے قریبی رشتہ داروں کو حصہ ملے گا۔

خاندان سے ہٹ کر انسان کے تعلقات دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی ہوتے ہیں جن میں دوست، پڑوسی، اہلِ محلّہ، اہلِ شہر اور دوسرے وہ لوگ شامل ہیں جن کے ساتھ لین دین کے معاملات پیش آتے ہیں۔ ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے شریعت نے مندرجہ ذیل ضابطے مقرر کیے ہیں:

۱- سب کے ساتھ ہمیشہ راست بازی انصاف اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

۲- اپنی زبان عمل یا رویے سے کسی کی دلآزاری نہیں کرنی چاہیے۔

۳- ان کے ساتھ فحش گوئی اور بد کلامی سے بچنا چاہیے۔

۴- ان میں جو بیمار ہو اُس کی تیمارداری کرنی چاہیے۔

۵- ان میں جب کوئی فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرنی چاہیے۔

۶- ان میں جو غریب اور محتاج ہوں ان کی ہر قسم کی مدد کرنی چاہیے۔

۷- اپنی ضرورتوں کو حد سے زیادہ بڑھانے کی بجائے دوسرے ضرورت مند لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

Marfat.com

۸- ان میں سے کسی پر مصیبت آ جائے تو اس کی ہمدردی اور دلجوئی کرنی چاہیے۔

۹- ان میں سے کوئی مشورہ مانگے تو صحیح مشورہ دینا چاہیے۔

۱۰- ان میں سے کوئی غلط راستے پر چل نکلا ہو تو اسے راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

۱۱- ان کے ساتھ لین دین میں امانتداری اور انصاف کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۱۲- مذہبی فرقہ بندی سے پرہیز کرنا چاہیے اور کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔

مندرجہ بالا ضابطے دیکھ کر یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ صرف غیر خاندان کے لوگوں کے ساتھ تعلقات وضع کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ضابطے تو ہر انسان کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں خواہ وہ خاندان کا ہو یا غیر خاندان کا بلکہ خاندان کے لوگوں کے لیے تو ان ضابطوں کی اور زیادہ اہمیت ہے۔

انسانی اختیار میں دی گئی چیزوں کے حقوق:

چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اِس دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا ہے اس لیے اس کی زندگی اور گزران کو آسان بنانے کے لیے اسے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ بے شمار مخلوق کو انسان کے تابع کر دیا۔ انسان ان سے روزمرہ زندگی میں کام لیتا ہے۔ ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان کا گوشت کھاتا ہے۔ ان کا دودھ پیتا ہے۔ انہیں بطور ذرائع نقل وحمل استعمال کرتا ہے۔ ان کی کھالوں اور ان کے بالوں سے اپنے استعمال کی مختلف اشیاء تیار کرتا

Marfat.com

ہے۔حتیٰ کہ ان کی ہڈیوں تک کو کام میں لاتا ہے۔ بالاتر مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسان کو ایسا کرنے کا پورا حق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا ہی انسان کے لیے کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ مخلوق انسان کے سامنے بے بس ہے۔ ظلم پر احتجاج بھی نہیں کرسکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق انسان پر واجب کر دیئے۔ تاکہ یہ بے زبان مخلوق انسان کے ظلم وزیادتی کا شکار نہ ہو۔ مثلاً:

۱۔ جانوروں کو بھوکا پیاسا رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ صرف اُن جانوروں کو ہلاک کرنے کی اجازت دی گئی ہے جو انسانوں کے لیے ضرر رساں ہوں۔ اور جن سے انسانی جانوں کو خطرہ ہو۔

۳۔ حلال جانوروں کو صرف گوشت حاصل کرنے کے لیے ہلاک کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ محض کھیل اور تفریح کے لیے ان کی جان لینے سے روکا گیا ہے۔

۴۔ حلال جانوروں سے گوشت حاصل کرنے کے لیے ذبح کا طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ ان کو کم سے کم تکلیف ہو۔

۵۔ زہریلے جانوروں اور درندوں کو بھی عذاب دے کر مارنے سے منع کیا گیا ہے۔

۶۔ سواری اور بار برداری کے جانوروں کو بھوکا رکھنے ان سے سخت مشقت لینے اور ان کو بے رحمی کے ساتھ مارنے پیٹنے سے منع کیا گیا ہے۔

۷۔ پرندوں کو خواہ مخواہ قید کر کے پنجرے میں بند کرنا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی ضرورت کے تحت ایسا کیا بھی جائے تو ان کی رہائش اور خورد و نوش کا

Marfat.com

پورا خیال رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

۸- تمام پالتو جانوروں کو موسمی حالات کے مطابق رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۹- جانوروں کے علاوہ نباتات اور جمادات کو بھی ضائع کرنے سے روکا گیا ہے۔ مثلاً کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خواہ مخواہ درختوں کو کاٹ دے یا پانی ضائع کرے۔ حتیٰ کہ وضو کے لیے بھی ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا جائز نہیں۔

-----☆☆☆-----

Marfat.com

باب پنجم

دوانسانی زندگیاں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو زندگیاں عطا کی ہیں۔ایک دنیوی زندگی اور دوسری اخروی زندگی۔ دونوں زندگیوں کے درمیان ایک وقفہ ہے جسے عالمِ برزخ کہتے ہیں۔دنیوی زندگی عارضی اور اعمال کی دنیا ہے۔جس میں انسانوں کو ایک محدود مدت کے لیے اس دنیا میں بھیج کر آزمایا جاتا ہے۔اس آزمائش میں کامیابی کا انحصار انسان کے اُن رویوں پر ہے جو وہ اس دنیا میں احکامِ الٰہی کے بارے میں اختیار کرتا ہے۔نسل انسانی کے ہر دور میں انسانوں کے لیے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کا بندوبست ہوتا رہا ہے۔تاکہ انسان امتحان کا نتیجہ سنتے وقت کوئی عذر پیش نہ کر سکیں۔دنیوی زندگی کے برعکس اخروی زندگی مستقل اور جزا و سزا کی دنیا ہے جس میں انسانوں کو دنیوی زندگی میں کیے گئے اعمال کی بنیاد پر جزا و سزا دی جائے گی۔دنیوی زندگی میں انسانوں کا ظہور ایک طویل مدت پر محیط ہے۔کیونکہ سارے انسان نہ بیک وقت پیدا ہوتے ہیں اور نہ بیک وقت مرتے ہیں۔لیکن اخروی زندگی میں سارے انسان بیک وقت اٹھائے جائیں گے۔لہٰذا قیامت تک مرنے والے انسانوں کی روحوں کو ایک عارضی انتظارگاہ میں رکھا جاتا

Marfat.com

ہے جسے برزخ یا قبر کہتے ہیں۔ تاکہ تمام انسانوں کو اخروی زندگی کے آغاز میں بیک وقت زندہ کر کے حساب کتاب کے لیے پیش کیا جا سکے۔

ویسے تو دنیوی زندگی اخروی زندگی کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہے۔ اس کی مدت صرف چندروزہ ہے۔ جو اچھی یا بری گزر ہی جاتی ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو دنیوی زندگی کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ نیک اعمال جن کی بنیاد پر اخروی زندگی کی کامیابی نصیب ہوگی۔ دنیوی زندگی میں ہی کرنے پڑتے ہیں اگر دنیوی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق نہ گزارا جائے تو اخروی زندگی بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ اکثر انسانوں نے دنیوی زندگی میں اس بنا پر دھوکہ کھایا کہ اخروی زندگی ایک وعدۂ بعید اور ایک نہ نظر آنے والی چیز ہے۔ جبکہ دنیوی زندگی کے لذائذ و لطائف آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ جب بھی انسانوں کو اخروی زندگی کی خاطر اپنی نفسانی خواہشات و لذائذ سے دستبردار ہونے کو کہا گیا تو وہ شش و پنج میں پڑ گئے کہ کہیں یہ گھاٹے کا سودا تو نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ایک حاصل شدہ چیز کو ایک وعدہ بعید پر قربان کرنا ہے۔

دنیوی زندگی

آیئے اب دیکھیں کہ قرآن دنیوی زندگی کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

دنیوی زندگی کا مقصد انسانی آزمائش ہے:

باری تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر انسان کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرائی ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں نوعِ انسانی کے لیے نہ صرف

Marfat.com

پیدا کی ہیں بلکہ اس کے لیے مسخر کر کے اُس کی خدمت میں لگا دی ہیں تا کہ اُس کے لیے آسانیاں پیدا کر کے اس کی زندگی کو پر لطف بنایا جائے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب کائنات کی ہر چیز کا مقصد انسان کی خدمت اور اُسے معرفتِ خداوندی دلانا ہے۔ تو پھر انسانی زندگی کا بھی ضرور کوئی مقصد ہونا چاہیے۔ کیا انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا کہ وہ حرام و حلال سے قطع نظر اپنی پوری زندگی دولت اکٹھی کرنے پر لگا دے۔ یا اس لیے پیدا کیا گیا کہ مخلوقِ خدا پر ظلم و زیادتی کے ذریعے اپنی سرداری اور بادشاہت قائم کرے۔ یا پھر اپنی نفسانی خواہشات کا غلام بن کر ساری زندگی عیاشیوں میں گزار دے اور اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اس دنیا میں آزمائش کے لیے اُتارا ہے۔ اُسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بخشیں اُسے ایک حد کے اندر برے بھلے کام کرنے کی آزادی دی۔ اِسے برے بھلے کاموں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اور اِس پر انسانی اعمال کے نتائج بھی واضح کر دیئے۔ جو اس دنیا میں نہیں بلکہ اخروی زندگی میں سامنے آئیں گے۔ اور انہی نتائج کی بنیاد پر انسانوں کو جنت یا جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ O (الملک:۲)

ترجمہ: وہ جس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے کام کون کرتا ہے اور وہ غالب (اور) بخشنے والا ہے۔

یہ مختصر آیت درج ذیل حقائق کی طرف اشارہ کرتی ہے:

Marfat.com

۱- موت اور زندگی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا وہی اس قابل ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد متعین کرے۔

۲- انسان کی دنیوی زندگی کا مقصد اُس کے اعمال کی آزمائش ہے۔

۳- یہ زندگی عارضی ہے جس کے بعد موت آجائے گی۔

۴- امتحان کا وقت موت کے آثار ظاہر ہونے تک ہے اور یہ کہ نتیجہ فوری نہیں بلکہ موت کے بعد سنایا جائے گا۔

۵- امتحان کا ممتحن اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ اچھے یا برے اعمال کا فیصلہ وہی کرے گا۔ وہ سب پر غالب ہے اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اگر چاہے تو معاف بھی کر سکتا ہے۔

۶- نتیجہ سنانے کے بعد ہر شخص کو اس کے عمل کی بنیاد پر جزا وسزا دی جائے گی۔ کیونکہ کوئی امتحان بے مقصد نہیں ہوتا۔

قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی انسانی زندگی کے اس مقصد کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مثلاً درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا○

(الکہف:۷)

ترجمہ: روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اُسے زمین کی رونق بنایا ہے۔ تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون اچھے اعمال والا ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا○

(الدہر:۲)

Marfat.com

ترجمہ: ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں۔ اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنایا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ (الانعام ۱۶۶)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیئے۔ تا کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ (طٰہٰ ۱۳۱)

ترجمہ: اور دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کی طرف نگاہ نہ دوڑاؤ جو ہم نے اُن میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے۔

آیاتِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو عقل و فہم کی صلاحیتیں دے کر اس دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اس زمین کی دھرتی پر جتنے حیوانات، جمادات، نباتات، معدنیات، پانی اور دیگر مدفون خزانے ہیں وہ عارضی زینت ہیں تا کہ انسان کی آزمائش کی جائے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یا اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے۔ پھر سب انسانوں کے مراتب میں فرق رکھا۔ کسی کو امیر کسی کو غریب کسی کو سردار کسی کو رعایا کسی کو کالا کسی کو گورا بنایا۔ کسی کو لگا تار مصائب دیئے کسی کو لگا تار

Marfat.com

خوشحالی سے نوازا۔ یہ سب دنیا کے رنگ ہیں بنیادی مقصد انسانوں کی آزمائش ہے۔

اِس دنیا میں کتنی چیزیں ہیں جن کو انسان کے لیے مرغوب بنا دیا گیا۔ ان کی فطری محبت انسانوں کے دلوں میں ڈال دی گئی۔ مقصد انسان کی آزمائش ہے کہ کون ان چیزوں کی محبت میں کھو کر آخرت کو بھلا بیٹھتا ہے۔ اور کون اُن کو بقدرِ ضرورت اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کر کے آخرت کی فکر کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ (آلِ عمران:۱۴)

ترجمہ: مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے مزین کر دی گئی ہے۔ جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے۔ اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی۔ لیکن یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ (حقیقت میں) بہتر ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

یہاں جن چیزوں کا ذکر ہے اُن کو طبعی طور پر انسانوں کے لیے مرغوب اور پسندیدہ بنا دیا گیا جس کی کئی حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر انسان طبعی طور پر ان کی طرف مائل نہ ہو۔ تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ خاندانی نظام کی چولیں اکھڑ جائیں۔ معاشی جدوجہد معدوم ہو جائے۔ دوسری یہ کہ دنیوی نعمتوں کی رغبت اور ذائقہ سے ہی انسان اخروی نعمتوں کے ذائقہ کا تصور اور ان کے لیے

Marfat.com

رغبت پیدا کرسکتا ہے۔ تیسری بہت اہم اور قابلِ نظر حکمت یہ ہے کہ ان چیزوں کی طبعی محبت انسان کے دل میں پیدا کر کے اس کا امتحان لیا جائے کہ کیا وہ ان چیزوں کی رنگینیوں میں ہی مدہوش ہو جاتا ہے۔ یا ان کو عارضی سامان دنیا سمجھ کر آخرت کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اور یہی اس دنیا میں انسانی زندگی کا مقصد ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو انسانوں کے لیے فطری طور پر مرغوب اور خوشنما بنا دیا ہے۔ اس لیے ان سے محبت اور رغبت مطلقاً مذموم نہیں۔ بلکہ ایک درجے میں مطلوب ہے۔ مثلاً اتنی محبت کہ مال و دولت کی حفاظت ہو سکے کیونکہ مال کا ضائع کرنا بھی حرام ہے۔ یا رزقِ حلال کمانے کے لیے جدوجہد کی جا سکے۔ یا بیوی بچوں کے نان ونفقہ اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری اُٹھائی جا سکے۔ کیونکہ اتنی محبت نظامِ زندگی چلانے کے لیے ضروری ہے۔ ان چیزوں سے محبت اور رغبت مذموم اس وقت بن جاتی ہے۔ جب انسان ان کی لذات میں الجھ کر اصلی مالک و خالق، حساب و کتاب اور روزِ قیامت کی پیشی کو بھول جاتا ہے۔ اور بے لگام ہو کر اپنی من مانیاں کرنے لگتا ہے۔ اسی لیے جب خزائنِ کسریٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فتح ہو کر آئے تو آپ نے اس بھاری خزانہ کو دیکھ کر یہ دعا کی:

"اے اللہ تعالیٰ ہم یہ تو دعا نہیں کرتے کہ ہم کو مال کی محبت نہ ہو۔ اور نہ یہ عرض کرتے ہیں کہ اسکے آنے سے ہم کو خوشی نہ ہو۔ کیونکہ آپ کا ہی ارشاد ہے (پھر اوپر والی آیتِ مبارکہ پڑھی) جب آپ نے اس کو ہمارے لیے مزین کر دیا ہے تو ہم کو اس سے محبت بھی ہوگی اور اس کے آنے سے خوشی بھی ہوگی۔ لہٰذا ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اس کی محبت

Marfat.com

کو اپنی رضا کا وسیلہ بنا دے"۔

اس سے نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ دنیا کی لذیذ اور مرغوب چیزوں کو حق تعالیٰ نے اپنے فضل و حکمت سے انسان کے لیے مزین فرما کر ان کی محبت اس کے دل میں ڈال دی تا کہ اس کا امتحان لیا جائے۔ اس امتحان میں کامیاب انسان وہ ہے جو اس فطری محبت کو بنیاد بنا کر شریعت کے بتائے ہوئے قوانین کے اندر رہ کر ان مرغوبات سے فائدہ اُٹھائے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا وسیلہ بنائے۔ اور نا کام انسان وہ ہے جو یا تو ان لذائذ میں پڑ کر آخرت کو مکمل بھول جائے یا ان لذائذ کو مکمل ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لے۔ کیونکہ یہ بھی انسانی فطرت سے بغاوت ہوگی۔

دنیوی زندگی عارضی اور اخروی زندگی کے مقابلے میں ہیچ ہے:

کئی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی ہستی یا روزِ قیامت کے بارے میں تو شک ہوگا لیکن کوئی ملحد اور کافر موت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت سب کے سامنے ہے۔ اور سب اس کو دیکھ رہے ہیں۔ آج تک کوئی انسان ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکا خواہ کوئی ولی اللہ ہو یا پیغمبر سب نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ خدا اور رسول کے منکر موجود قیامت کے منکر موجود لیکن موت کا منکر کوئی نہیں۔ لیکن اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ انسان موت کا یقین کرتے ہوئے بھی اسی دنیا کی رنگینیوں میں گم ہے۔ اپنا دھن من بڑھاپا جوانی اسی کے حصول میں کھپا رہا ہے۔ جیسے اس نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ حالانکہ یہ زندگی اخروی زندگی تک پہنچنے کا ایک سفر ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ میت کو

Marfat.com

دفنانے قبرستان جاتے ہیں۔ ابھی جنازہ قبر کے باہر پڑا ہوتا ہے کہ دنیا کی گپیں اور ہنسی مذاق شروع ہو جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ میت کی روح پر کیا گزر رہی ہوگی۔ یا کبھی ہمیں بھی یہاں لا کر رکھا جائے گا۔ کم از کم اس موقع پر تو سنجیدہ رہ کر موت کو یاد کرلیں۔ اسے انسانوں کی حماقت ہی کہا جائے گا کہ عینی مشاہدہ کے باوجود کوئی سبق نہیں سیکھتے۔

قرآن میں باری تعالیٰ نے مختلف انداز میں اس دنیا کی بے وقعتی اور بے ثباتی کو بیان فرمایا ہے۔ مثلاً درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذَالِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ○ (الزمر۲۱)

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ اور اسے زمین کی سوتوں میں پہنچاتا ہے پھر اسی کے ذریعہ مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں۔ اور آپ انہیں زرد دیکھتے ہیں۔ پھر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ اس میں عقلمندوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ○ (الحدید۲۰)

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے کچھ نہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْ يَعْلَمُوْنَ○ (العنکبوت۶۴)

ترجمہ: اور دنیا کی زندگانی محض کھیل تماشا ہے۔ البتہ آخرت کے گھر کی زندگی

Marfat.com

ہی حقیقی زندگی ہے۔ کاش یہ جانتے ہوتے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (الشوریٰ ۳۶)

ترجمہ: جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے۔ وہ دنیا کی چندروزہ زندگی کا سامان ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات درج ذیل پیغام دیتی ہیں:

۱- دنیوی زندگی ایک کھیتی کے مانند ہے۔ جس طرح ایک کھیتی پانی کے ذریعہ زمین سے اگتی ہے پھر تروتازہ ہو کر خشک ہو جاتی ہے۔ پھر زرد ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیوی زندگی بھی اپنے جوبن میں آنے کے بعد بہت جلد زوال اور فنا سے ہمکنار ہو جائے گی۔ اس کی سب رونقیں اور لذتیں عارضی ہیں۔

۲- دنیوی زندگی ایک دھوکے کا سامان ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے وہ اپنے بعد اپنی نسلوں کی آسائشات اور خوشحالی کو بھی یقینی بنانا چاہتا ہے۔ لہٰذا آخرت کو پس پشت ڈال کر اسی دنیا کے فوائد حاصل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں خرچ کر دیتا ہے۔

۳- اس دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ جیسے بچے تھوڑی دیر کھیل کود لیں۔ کوئی بادشاہ بن گیا کوئی وزیر۔ لیکن یہ صرف چند لمحوں کے لیے ہوتا ہے۔ جس کے بعد ڈرامہ ختم ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی بادشاہ

Marfat.com

رہتا ہے نہ وزیر۔ یا جیسے بچے تھوڑی دیر کے لیے مٹی کا گھر بنا کر توڑ دیتے ہیں۔ دنیا کی زندگی کو لہو و لعب کہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ دنیا فضول یا صرف کھیل تماشے کے لیے بنائی گئی ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس دنیا کی کوئی چیز عبث یا بیکار نہیں پیدا کی گئی۔

۴- دنیا کی زندگی کے مقابلے میں آخرت کی زندگی پائیدار اور مستقل ہے۔ اس کے ثمرات اور انعامات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ لہٰذا عقلمند انسان وہ ہے جو اپنی چند روزہ زندگی کو اپنی آخرت سنوارنے کا ذریعہ بنائے نہ کہ اُس کی رنگینیوں میں کھو کر آخرت کو بھول جائے۔

۵- اِس دنیا میں انسانوں کو جتنا بھی ساز و سامان مال و دولت اولاد جاہ و حشمت اور قدرتی نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ وہ صرف چند روزہ دنیوی زندگی میں برتنے کے لیے ہے۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس پر آدمی پھول جائے اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر تکبر اور بغاوت کرنے لگے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں جو اجر و ثواب اور اُس کے نتیجے میں جو اخروی نعمتیں ملیں گی وہ پائیدار اور اعلیٰ ہوں گی۔ اور یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کے لیے مخصوص ہوں گی۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے۔ اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس انگلی پر لگ کر آئی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ دنیا آخرت کے مقابلے میں اتنی بے وقعت ہے جتنا دریا کے پانی کے مقابلہ

Marfat.com

میں انگلی پر لگا ہوا پانی۔ یہ مثال بھی ہمیں سمجھانے کے لیے دی گئی ہے ورنہ دنیا کی ہر چیز محدود اور آخرت کی ہر چیز لامحدود اور لامتناہی ہے۔

دین یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ انسان دنیا ترک کر دے

اللہ تعالیٰ نے جب نسل انسانی کو زمین پر اتارا تو اس نے اسے زندہ رکھنے اور بہتر زندگی گزارنے کے لیے روزی کے ذرائع بھی پیدا کیے۔ تاکہ انسان اپنی محنت عقل اور ہنر مندی کے ذریعے اپنی روزی کمائے۔ دین نے کبھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ انسان دنیا کو ترک کر کے ہمہ وقت جنگلوں اور تنہائیوں میں مصروفِ عبادت رہے۔ اور نہ ہی دین جائز طریقوں سے دولت کمانے پر کوئی قدغن لگاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے لیے رزق کے ذرائع تو پیدا کیے۔ لیکن ان ذرائع کو تلاش کرنا اور ان پر محنت کر کے ان کو قابلِ استعمال بنانا انسان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ جب تک انسان خود اپنی محنت اور باہمی تعاون و تفاوق سے رزق کے ذرائع تلاش نہیں کرتا انسانی ضروریات کا پورا ہونا اور زندگی کی گاڑی چلنا محال ہے۔ اگر انسان دنیا ترک کرنا شروع کر دیں تو پورا نظامِ زندگی تتر بتر ہو جائے گا۔ اور یہ نظام فطرت اور انسانی مقصدِ حیات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ انسان کام کرے گا اور وہ روزی دے گا۔

اسلام میں جائز طریقوں سے دولت کمانے پر کوئی پابندی نہیں بشرطیکہ ایسی کمائی ہوئی دولت کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق خرچ کیا جائے۔ اسی لیے اسلام میں زکوٰۃ، صدقات، وراثت کے ضابطے اور باہمی لین

Marfat.com

دین اور تجارت کے اصول مقرر ہیں۔ دین جس چیز کی حوصلہ شکنی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ دولت کمانا ہی مقصدِ حیات بن جائے خواہ وہ جھوٹ، فراڈ اور حرام طریقوں سے ہی کیوں نہ آئے۔ اور پھر دولت کو مسلسل جمع کرتے رہنا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا خواہ انسانیت سسکیاں لیتی رہے ایک قابل گرفت عمل ہے۔ دین کے احکام کے مطابق دولت کمانا اور خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس سے ہزاروں غریب اور بے بس انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جو مخصوص حالات کے تحت اپنی روزی کمانے کے قابل نہیں ہوتے۔

اسی لیے رزقِ حلال کمانا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شامل ہے۔ قرآن میں اسے اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ دنیاوی آسائشات سے مستفیض ہونے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے نہ کہ اُنہیں چھوڑنے کی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہی اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان اور اس کی قدرت کا ادراک ہوتا ہے۔ ہاں کوئی شخص جتنی بھی دنیا کماتا ہے اور جتنی بھی آسائشات اور نعمتوں سے مستفیض ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں اسے پورا پورا حساب دینا پڑے گا کہ دولت کن کن طریقوں سے کمائی اور کن کن مدوں پر خرچ کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی عطا شدہ نعمتوں کا کہاں تک شکر ادا کیا۔ دولت کی ریل پیل سے عموماً نفس پھول جاتا ہے۔ اور اس پر شیطانی حملہ آسان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا نفس کو ضبط میں رکھنے اور دولت کا حساب کتاب دینے سے بچنے کے لیے اگر کوئی انسان اپنی زندگی میں سادگی اختیار کر لے اور اپنی توانائیاں دنیا کمانے کی نسبت دین پر زیادہ لگا لے تو اسے ترکِ دنیا نہیں کہیں گے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

رضا مندی حاصل کرنے کا بہتر اور آسان طریقہ ہے۔ کیونکہ اس میں خطرات کم ہیں۔ لیکن دین نے دولت کمانے کی کوئی حد مقرر نہیں کی اور نہ ہی حلال چیزوں کے استعمال اور ان کی تعداد پر کوئی پابندی لگائی ہے۔ البتہ ایسے ضابطے ضرور مقرر کیے ہیں جن پر چلنے سے دولت گردش میں رہتی ہے اور کوئی انسان سرمایہ دار نہیں بن سکتا۔

دینِ اسلام میں رزقِ حلال کمانے اور حلال اور پاک چیزیں کھانے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ ان سے منہ موڑ کر بھوکا اور دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی حوصلہ شکنی ہو۔ مثلاً درج ذیل قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔

عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی لا وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ لا وَ اٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ لا (المزمل-۲۰)

ترجمہ: وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے۔ بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی روزی بھی) تلاش کریں گے۔ اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے سو تم بہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو۔

قرآن میں جگہ جگہ رزقِ حلال کمانے کے سفر کو اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہاں نمازِ تہجد میں تخفیف کے ساتھ تخفیف کے اسباب بھی بتائے گئے ہیں۔ تہجد کا ابتدائی حکم آدھی رات یا اس سے کچھ کم وبیش کھڑے رہنے کا تھا۔ ابتدائی حکم میں خطاب اگرچہ پیغمبر ﷺ کو ہی تھا۔ لیکن حضور کے اتباع کے شوق میں صحابہ کی ایک جماعت بھی رات کو قیام کرتی۔ وقت کا صحیح تعین نہ ہونے

Marfat.com

سے یہ قیام کبھی دو تہائی کبھی نصف اور کبھی ایک تہائی رات تک چلا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرمائی اور فرمایا کہ نمازِ تہجد میں جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو اتنا ہی پڑھو۔ اس سے خود بخود قیام میں تخفیف ہو جائے گی۔ تخفیف کی وجوہات بیان کرتے وقت جہاں بیماری اور جہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا گیا۔ وہاں رزقِ حلال کے لیے سفر کو بھی تخفیف کا سبب قرار دیا گیا۔ جس سے رزقِ حلال تلاش کرنے کی اہمیت نفلی عبادات پر عیاں ہو جاتی ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (الجمعہ ۱۰)

ترجمہ: پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (رزقِ حلال) تلاش کرو۔ اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پالو۔

یہودی ہفتہ کے دن عبادت کرتے اور کاروبار بند رکھتے تھے۔ مسلمانوں کو جمعہ کی نماز کے بعد یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ زمین میں پھیل جائیں اور جو کاروبار اور تجارت جمعہ کی نماز کے لیے چھوڑے تھے دوبارہ شروع کر لیں۔ اگرچہ یہ حکم فرض کے درجے میں نہیں ہے کہ نماز جمعہ کے بعد ضرور روزی تلاش کریں۔ لیکن رزقِ حلال تلاش کرنے کی اہمیت بہرحال عیاں ہے۔ ہاں ساتھ یہ بھی تاکید کر دی گئی کہ روزی تلاش کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو نہ بھول جاؤ ہر لمحہ اُسے یاد کرتے رہو۔ اس سے تمہیں رزقِ حلال نصیب ہوگا۔ ڈنڈی مارنے اور زیادہ نفع کمانے کے لیے جھوٹ اور فراڈ سے بچ جاؤ گے۔ اور دنیا کمانے میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا پیشِ نظر رہے گی۔

Marfat.com

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ (الروم-۲۳)

ترجمہ: اور اُس کی نشانیوں میں تمہارا رات اور دن کو سونا اور اس کے فضل (رزقِ حلال) کو تلاش کرنا بھی ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو (غور سے) سنتے ہیں۔

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رزقِ حلال کی تلاش کو اپنی قدرت کی ایک نشانی کے طور پر پیش کیا ہے کہ کس طرح انسان سونے کے وقت سوتا اور جاگنے کے وقت رزق تلاش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں پر حد درجہ شفیق اور اُن کی ضروریات اور مصلحتوں کو اُن سے بھی زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔ انسان دنیا میں معاش کمانے کے لیے مسلسل محنت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کے آرام کے لیے اس کی طبیعت میں نیند کا مادہ ودیعت کر دیا گیا کہ خواہ دن ہو یا رات جب بھی انسان اپنی معاش تلاش کرتے کرتے تھک جائے اس پر نیند طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ سو کر تر و تازہ اُٹھتا ہے اور دوبارہ کام میں لگ جاتا ہے۔ اگر دن کے ساتھ رات نہ ہوتی یا کام کے ساتھ آرام کا بندوبست نہ ہوتا تو انسانی زندگی اجیرن ہو جاتی۔ لہٰذا سونا اور رزقِ حلال تلاش کرنا زہد و توکل کے خلاف نہیں بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور حکمت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات اُن لوگوں کے ذہن میں آتی ہے جو اس بات کو دھیان سے سنیں اور جب سمجھ آ جائے تو قبول کر لیں۔ ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہ کریں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

Marfat.com

الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ○ (البقرہ ۱۶۸)

ترجمہ: اے لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو اور شیطان کی راہ پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یہاں تمام انسانوں کو خطاب ہے کہ لوگو! مالکِ حقیقی نے اس زمین پر جتنی چیزیں پیدا کی ہیں انہیں کھاؤ پیو۔ شرط یہ ہے کہ وہ حلال اور پاک ہوں۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ جانوروں کو بتوں کے نام وقف کر کے اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام مت کرو بلکہ انہیں کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ ہاں جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں۔ انہیں مت کھاؤ کیونکہ ہر حرام چیز ناپاک ہوتی ہے۔ اب حرام چیزوں کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ جیسے یا تو وہ چیز فی نفسہٖ حرام ہو جیسے شراب، مردار، خنزیر یا کسی امرِ عارضی سے اُس میں حرمت آ گئی ہو۔ جیسے حلال جانوروں کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کرنا یا چوری، غصب، رشوت، سود اور دوسرے حرام ذرائع سے کمایا ہوا مال اور اُس سے خریدی ہوئی چیزیں۔ ان کے علاوہ زمین پر ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ جو صرف انسان کی خاطر پیدا کی گئی ہیں۔ لہٰذا اُن سے مستفیض ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ہاں اُن کے حصول میں جائز اور حلال ذرائع استعمال کرنے چاہئیں تب ہی وہ پاکیزہ بنیں گی کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینا (جیسے بتوں کے نام پر وقف کردہ جانور) یا حرام چیز کو حلال کر لینا (جیسے شراب یا حرام ذرائع سے حاصل کردہ دولت اور اشیا) شیطانی راستہ ہے۔

ایک چیز ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ عبادت اور دعا کے قبول ہونے میں رزقِ

Marfat.com

حلال کا بڑا دخل ہے۔ جب رزق حلال نہ ہو تو عبادت اور دعا کی قبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔

اسلام میں رزق حلال کو بنیادی اہمیت اس لیے حاصل ہے کہ رزقِ حرام ہمیشہ دوسرے لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر حاصل کیا جاتا ہے یا اس میں جھوٹ، فراڈ، ظلم اور زیادتی سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ ایسے کام ہیں جن سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم مسلمان رزقِ حلال کے معاملے میں غیر مسلموں سے بھی بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ایک محدود تعداد کو چھوڑ کر کوئی بھی رزقِ حلال پر قناعت کرنے کو تیار نہیں۔ پھر لطیفہ یہ کہ حرام کی کمائی کو بُرا بھی نہیں سمجھتے۔ بلکہ مختلف تاویلیں کر کے اُسے حلال بنا لیتے ہیں۔

مجھے اپنی سروس کے ابتدائی ایام کا واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ہمارے دفتر میں ایک کلرک جو شرعی داڑھی کے ساتھ پابندِ صوم وصلوٰۃ تھا لوگوں سے نذرانے وصول کرتا تھا۔ وہ اس کا جواز یہ پیش کرتا تھا کہ میں لوگوں کے کام کروانے میں تگ ودو کرتا ہوں۔ متعلقہ اہلِ کاروں اور افسروں کی منت سماجت کر کے ایک ہفتے میں ہونے والا کام دو دن میں کروا دیتا ہوں۔ جس سے لوگ اپنی خوشی سے میری خدمت کر جاتے ہیں۔ اسی طرح کئی اہل کار یہ تاویلیں پیش کرتے کہ ہم نے کبھی کسی سے پیسے طے نہیں کیے۔ لوگ اپنا کام ہونے پر اپنی خوشی سے ہمیں دے جاتے ہیں۔ حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ خوشی سے نہ دے جائیں تو کیا اُن کے کام وقت پر ہوں گے۔ ایک اور صاحب جو اچھے خاصے عہدے پر فائز تھے رشوت لینے کی یہ تاویل پیش کرتے کہ وہ کثیر العیال ہے۔ اگر بچوں کو اچھے

Marfat.com

سکولوں میں تعلیم و تربیت نہیں دے گا تو وہ ڈاکو بن کر معاشرے میں فساد پیدا کریں گے۔

رزقِ حرام پر زندگی بسر کرنے والوں کا ایک وطیرہ یہ بھی رہا ہے کہ وہ اپنی حرام کی کمائی کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ دے کر اپنی بقیہ کمائی کو جائز اور حلال قرار دے لیتے ہیں۔ مثلاً ایک سمگلر بیس ٹرک سامان سمگل کر کے ایک ٹرک مسجد کی تعمیر میں دے دے گا۔ اور خوش ہو جائے گا کہ میرے لیے جنت میں ایک محل تیار ہو گیا۔ یا کوئی دوکاندار جھوٹ اور فراڈ سے حاصل کردہ منافع کا کچھ حصہ کسی دینی مدرسہ یا یتیم خانہ میں دے کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ میری آخرت سنور گئی اور میرا سارا مال پاک ہو گیا۔ یا کوئی راشی اہلکار اپنی حرام کی کمائی کا کچھ حصہ غریبوں میں تقسیم کر کے خوش ہو جاتا ہے کہ میں قیامت کے دن سخاوت کرنے والے لوگوں میں سے اٹھایا جاؤں گا۔ دراصل یہ سب باتیں اپنے آپ کو دھوکہ دینے اور اپنے ضمیر کو جھوٹی تسلیاں دینے کے مترادف ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیزوں کا پسند کرتا ہے۔ حرام کی کمائی میں سے جتنا بھی آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیں۔ دنیوی شہرت اور نام و نمود تو حاصل ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان رزقِ حلال میں سے حالتِ ایمان میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے خرچ کرے۔ جس میں کوئی احسان دکھاوا یا دنیوی مقصد پوشیدہ نہ ہو۔

حرام خوری کی ایک گھناؤنی شکل یہ بھی ہے کہ کوئی شخص مذہبی یا روحانی

Marfat.com

پیشوائی کا لبادہ اوڑھ کر سادہ لوح انسانوں سے مذہب کے نام پر نذرانے یا چڑھاوے وصول کرے۔ ایسے لوگوں کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ نذرانوں اور فیسوں کا یہ سلسلہ نسل درنسل چلتا رہے تاکہ ان کے بعد ان کی نسلیں بھی ان نذرانوں سے مستفیض ہوتی رہیں اور ان کا نام زندہ رہے۔ رسول اللہ کے زمانے میں ایسے لوگ زیادہ تر یہودیوں میں تھے۔ لیکن ہمارے زمانے میں بدقسمتی سے خود مسلمانوں میں ایسے پیشہ ور مولویوں، پیروں، فقیروں اور عاملوں کا ایک پورا طبقہ موجود ہے۔ جن کا یہی کردار اور کاروبار ہے۔ بہر حال ایسے لوگ خواہ یہودیوں، عیسائیوں میں ہوں یا مسلمانوں میں قرآنِ مجید میں ان کے کردار کو بیان کر کے سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (توبہ ۳۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے ''عالم مولوی'' اور ''پیر فقیر'' بندگانِ خدا کا مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں (اور بجائے اس کے کہ ان بیچاروں کو دین کا راستہ بتاتے جو ان کا فرض تھا) ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجیے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ

Marfat.com

الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (البقرہ ۱۷۴)

ترجمہ: بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں۔ اور اس حق پوشی کے ذریعے اسے تھوڑی سی قیمت (نذرانے چڑھاوے فیس) لے کر بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہیں کرے گا۔ نہ انہیں (بخش کر) پاک کرے گا۔ بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہاں شیطان تھپکی دے گا کہ یہ آیات تو اہلِ کتاب کے دنیا پرست علماء و مشائخ کے بارے میں ہیں۔ بھلا امتِ مسلمہ کے علماء و مشائخ کا اس سے کیا تعلق۔ دراصل یہ آیات ہمارے دنیا پرست علماء کے لیے ایک تنبیہ ہیں۔ اگر وہ بھی وہی کام کریں گے جو اہلِ کتاب کے دنیا پرست علماء نے کیا تو یقیناً وہ بھی اُسی سزا کے مستحق ہوں گے۔

قرآن میں رزق کی جن صورتوں کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

۱- رشوت اور غصب۔ (البقرہ ۱۸۸)

۲- خیانت خواہ افراد کے مال میں ہو یا حکومت کے مال میں۔

(انفال ۲۷، البقرہ ۲۸۳، الِ عمران ۱۶۱)

۳- چوری۔ (المائدہ ۳۸)

۴- مالِ یتیم میں بے جا تصرف۔ (النساء ۱۰)

۵- ناپ تول میں کمی۔ (التطفیف ۱-۳)

۶- فحاشی پھیلانے والے ذرائع کا کاروبار۔ (النور ۱۹)

Marfat.com

۷- قحبہ گری اور زنا کے کاروبار کی آمدنی۔ (النور۲،۳۳)

۸- شراب کی صنعت سے وابستہ آمدنی۔ (المائدہ۹۰)

۹- جوا، لاٹری اور وہ تمام ذرائع جن سے کچھ لوگوں کا مال دوسروں کی طرف محض اتفاق کی بنیاد پر منتقل ہو۔ (المائدہ۹۰)

۱۰- بت گری، بت فروشی، بت خانوں کی خدمات۔ (المائدہ۹۰)

۱۱- فال گیری اور قسمت بتانا یا قسمت سنوارنا۔ (المائدہ۹۰)

۱۲- سودی کاروبار اور اس کی آمدنی۔ (آل عمران۱۳۰، البقرہ۲۷۵،۲۷۸)

میرے بھائیو! اپنا رزق دھڑلے سے کمایئے کہ رزقِ حلال تلاش کرنا ایک عبادت ہے۔ لیکن اس ساری تگ ودو میں رزقِ حرام کی اوپر بیان کردہ صورتوں کو ذہن میں رکھیے کہ کہیں آپ اپنی عاقبت تو نہیں خراب کر رہے۔

آخرت کو چھوڑ کر صرف دنیا چاہنے والوں کا انجام

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دین انسانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ دنیا ترک کر کے یا بھوکا ننگا رہ کر اخروی کامیابی حاصل کی جائے۔ بلکہ دین کا تقاضا یہ ہے کہ ایک حد کے اندر رہ کر دنیا بھی کماؤ۔ اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی معاشی ضروریات بھی پوری کرو۔ انسانوں کے ساتھ رہ کر ان کے حقوق کا بھی خیال رکھو اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادات اور اخروی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ کے راستے میں سعی و جہد بھی جاری رکھو۔ اس طرح انسان کے سامنے دو راستے آجاتے ہیں۔ ایک دنیا کا ایک دین کا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان راستوں میں سے

Marfat.com

کس راستے کو ترجیح دی جائے۔ چلنا دونوں راستوں پر ہے۔ رزقِ حلال بھی کمانا ہے۔اور اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے حقوق بھی ادا کرنے ہیں۔ظاہر ہے ترجیح دین کے راستے کو ملے گی کیونکہ اس سے اخروی زندگی کی فلاح وابستہ ہے۔جو کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی ہے۔اور جس کی ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کے لیے کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔ جہاں تک دنیا کا تعلق ہے کہتے ہیں کہ دنیا بے وفا ہے۔ وہ اس لیے کہ یہ موت کے بعد ہر انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ بڑے بڑے بادشاہ اور دولت مند حکمران موت کے بعد سب کچھ دنیا میں چھوڑ کر خالی ہاتھ چلے جاتے ہیں۔شاید اسی لیے سکندر اعظم نے جو ایک بہت بڑا بادشاہ تھا مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اُس کے دونوں ہاتھ کفن سے باہر رکھے جائیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں کہ سکندر اعظم جیسا عظیم بادشاہ بھی ساری دنیا یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ گیا ہے۔لہٰذا عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ مقصدِ زندگی تو دین کا راستہ اور اخروی فلاح ہونا چاہیے۔لیکن اس کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جائز طریقوں کے راستے دنیا بھی عطا کر دے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔اور اس دنیا کو عارضی سمجھ کر دین کے تقاضوں کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔لیکن بڑے دکھ کی بات ہے کہ اکثر انسانوں نے ہمیشہ دنیا کو دین پر ترجیح دی۔اول تو اکثریت نے معاد اور قیامت کا ہی انکار کر دیا۔اگر کچھ نے مانا بھی تو یقین کے ساتھ نہیں صرف زبانی تصدیق کی اور اپنی ساری زندگی دنیا کے کمانے اُس کے اکٹھا کرنے اور اسے عیاشیوں میں لٹانے پر صرف کر دی۔

ایسے لوگ جنہوں نے اپنی پوری زندگی دنیا کمانے میں کھپا دی اور آخرت

Marfat.com

سے بالکل غافل ہو گئے اس چیز کے حقدار نہیں بنتے کہ آخرت کی نعمتوں سے بھی انہیں نوازا جائے۔ کیونکہ ان کی جدوجہد دنیا تک محدود تھی۔ جس کا حصہ وہ لے چکے۔ آیئے دیکھیں اللہ تعالیٰ کا قرآن ایسے لوگوں کے بارے میں کیا کہتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ (بنی اسرائیل ۱۸-۱۹)

ترجمہ: جو کوئی عاجلہ (دنیا) کا ارادہ کرتا ہے۔ اُسے ہم جلدی (اِسی دُنیا میں) جس قدر چاہیں اور جس کے لیے چاہیں دے دیتے ہیں۔ پھر اس کے مقسوم میں جہنم لکھ دیتے ہیں۔ جہاں وہ ملامت زدہ دھتکارا ہوا داخل ہوگا۔ اور جو کوئی آخرت کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے جیسی کوشش ہونی چاہیے۔ درآں حالیکہ وہ باایمان بھی ہو۔ یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی پوری قدر دانی کی جائے گی۔

یہاں دنیا کا ارادہ کرنے والے دو قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں ایک تو وہ جو آخرت کے سرے سے انکاری ہیں۔ اور ان کا جینا مرنا صرف دنیا کے لیے ہے دوسرے وہ لوگ جو موت کے بعد دوسری زندگی کو مانتے تو ہیں لیکن صرف زبانی کلامی۔ نہ اس کے ثمرات حاصل کرنے کا کبھی ارادہ کیا نہ جدوجہد۔ ساری توانائیاں دنیا کمانے پر کھپا دیں اور آخرت سے مکمل غفلت برتی۔ ایسے دنیا کے طالب جلد بازوں کو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں ان کی جدوجہد کے ثمرات دے دیتا ہے لیکن چند قیود کے ساتھ۔ ذرا ان قیود پر غور کیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم

Marfat.com

طالبانِ دنیا میں سے جس کو چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہر طالبِ دنیا کو دنیا مل جانا ضروری نہیں۔ بیشک وہ ارادہ اور جدوجہد کرتا رہے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ جتنا اُس نے چاہا اتنا ہی اُسے دے دیا جائے۔ بلکہ جو جتنا اور جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گے دے دیں گے۔ پھر صرف دنیا چاہنے والوں کی جدوجہد کا نتیجہ بھی بتا دیا کہ وہ اس دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ حصہ لے لیں گے۔ لیکن آخرت میں وہ تہی دامن ہوں گے اور جہنم میں دھتکار کر پھینکے جائیں گے۔

اسی طرح آخرت کے چاہنے والوں کی جدوجہد پر بھی چند قیود لگا دیں سب سے پہلی یہ کہ وہ آخرت کے ثمرات حاصل کرنے کے لیے ارادہ اور نیت کریں۔ نیت اور ارادہ صرف ثوابِ آخرت کے لیے ہو اس میں اغراضِ نفسانی شامل نہ ہوں۔ دوسرے اس ارادہ کو پورا کرنے کے لیے عمل اور جدوجہد کریں۔ صرف نیت اور ارادہ کرنے سے ثمرات آخرت نہیں مل سکتے۔ تیسرے اس جدوجہد کا شریعت اور سنت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اس میں خاص طور پر اہلِ بدعت کے لیے پیغام ہے کہ آخرت کے ثمرات حاصل کرنے کے لیے شریعت اور سنت سے ہٹ کر کوئی طریقہ اختیار کرنا مقصد حاصل کرنے کی بجائے مقصد سے دور لے جاتا ہے۔ یہاں اُن لوگوں کا بھی رد ہو گیا جو اپنے آپ کو طالبِ آخرت سمجھتے ہیں لیکن عمل صالح نہیں کرتے۔ چوتھی چیز جو طالبانِ آخرت کے لیے ضروری ہے وہ ایمان ہے۔ کیونکہ کافر نہ ارادۂ آخرت کرتا ہے۔ نہ اس کے دنیا میں کئے گئے اچھے کام آخرت میں کوئی وزن رکھیں گے۔

Marfat.com

اب طالبانِ دنیا اور طالبان آخرت کی جدوجہد۔ کے ثمرات کا موازنہ کیجیے۔ طالبانِ دنیا کی جدوجہد کا ثمرہ تو دنیوی زندگی میں چند ٹکے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے گا دے دے گا۔ لیکن آخرت میں دخولِ جہنم۔ طالبِ آخرت کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ جو چاہے گا ملے گا۔ بلکہ فرمایا کہ اُس کی جدوجہد اور کوشش کی قدردانی کی جائے گی۔ اس انعام میں کئی لطیف نکات پوشیدہ ہیں۔ پہلا یہ کہ دنیاوی بادشاہان بھی جب کسی کی قدردانی کرتے ہیں تو وہ اس کی خدمت کی حیثیت پر انعام واکرام نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق انعام واکرام دیتے ہیں۔ اور وہ اتنا دیتے ہیں کہ انعام لینے والے کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اب اللہ تعالیٰ جس کی قدردانی کا وعدہ کرے اُس کے انعامات انسانی سوچ سے بھی بڑھ کر ہوں گے۔

دوسرا یہ کہ پیغمبر نے فرمایا کہ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے قلب پر خیال گزرا ہوگا۔ اب اگر طالبانِ آخرت کو ان کی خواہش کے مطابق انعامات دیئے جاتے تو ان انعامات کا دائرہ محدود ہوتا کیونکہ انہوں نے وہی چیزیں مانگی تھیں جن کا انہیں علم ہے۔ یا انہوں نے دیکھی یا سنی ہیں۔ یہ حق تعالیٰ کا بڑا فضل اور کرم ہے کہ اس نے طالبانِ آخرت کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں جن کا انسان کی سوچ بھی احاطہ نہیں کرسکتی۔ تیسرا یہ کہ جو کچھ آخرت میں ملے گا وہ محض قدردانی ہے۔ ورنہ انسان عمل سے اس کا مستحق نہیں ہوسکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق غیر متناہی ہیں جن کا ادا کرنا عمل غیر متناہی پر موقوف ہے۔ لیکن انسان بوجہ حادث

Marfat.com

اور متناہی ہونے کے ئمل غیر متناہی سے عاجز ہے تو عقلاً وہ ادائے حقِ خداوندی سے عاجز ہے۔ اس لیے جو کچھ بھی اسے ملے گا محض قدردانی ہوگی۔

قرآن میں دوسرے مقامات پر طالبانِ دنیا کی جدوجہد اور اس کے انجام کو خسارے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (الکہف ۱۰۳،۱۰۴)

ترجمہ: (اے محمد ان سے کہو) کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیا کی زندگی میں ہی بھٹکتی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ ٹھیک کر رہے ہیں۔

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اعمال کے لحاظ سے وہ لوگ خسارے میں ہیں جن کی ساری توانائیاں دنیا کی خوشحالیوں اور کامیابیوں میں کھپ کر راہِ راست سے بھٹک گئیں۔ راہِ راست تو یہ تھا کہ اپنی جدوجہد اللہ تعالیٰ سے ڈر کر آخرت کے حصول میں لگاتے۔ لیکن انہوں نے دنیا ہی کو اصلی زندگی سمجھا۔ ساتھ شیطان نے تھپکی دی کہ تمہارے کارنامے بہت اعلیٰ ہیں۔ تم نے اتنے ہسپتال اور سڑکیں بنوائیں۔ تم نے آرٹ گیلریاں اور کلچر سنٹر قائم کیے، تم نے علوم وفنون میں نام پیدا کیا۔ تم نے تجارت وصنعت میں سب کو مات دی۔ انسان پھول گیا کہ میرے کارہائے نمایاں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ لیکن یہ بھول گیا کہ جتنے بھی کارنامے دنیا کمانے کی خاطر کیے جائیں اُن کا بدلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ آخرت میں اُن کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

Marfat.com

دنیا پرست انسانوں کے انجام کی ایک جھلک سورۂ اعراف میں ملاحظہ فرمایئے:

اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ○

(الاعراف ۵۱)

ترجمہ: جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور جنہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا (اللہ تعالیٰ فرمائے گا) آج ہم بھی انہیں اس طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کو بھولے رہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔

دین کو کھیل تماشا بنانے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دین کے احکامات کو سنجیدگی سے نہ لیا جائے۔ جی چاہا تو مان لیا جی نہ چاہا تو نہ مانا۔ جدھر آسانی نظر آئی اُدھر ہو لیے۔ نفس کو دین کے تابع کرنے کی بجائے دین کو نفس کے تابع کر دیا۔ نہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور نہ روزِ قیامت اور حساب و کتاب کی فکر۔ اور دین کو کھیل تماشہ بنانے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دین میں اپنی طرف سے بعض باتیں شامل کر لیں جن کا دین میں کوئی وجود نہیں۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کرتے ہیں۔ یا بعض مستحکم دینی احکامات کو کالعدم یا ناقابلِ عمل قرار دے دیں۔ جیسا کہ موجودہ زمانہ کے بعض مفکرین کا شیوہ ہے۔ دین کو کھیل تماشا بنانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا پرست انسانوں کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں مال و دولت طاقت اور شہرت ہی سب کچھ ہے۔ اس سے آگے کچھ نہیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال کی جواب دہی ہے۔ اس لیے وہ شتر

Marfat.com

بے مہار بن جاتے ہیں اور اپنی پوری توانائیاں مال و دولت کمانے آسائش و خوشحالی، شہرت اور طاقت حاصل کرنے میں لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی زمین کو ظلم و فساد اور فسق و فجور سے بھر دیتے ہیں۔ اپنے نفس کے غلام بن کر دنیا کے تماشوں میں کھو جاتے ہیں۔ قیامت اور حساب و کتاب کا تصور اُن کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں باری تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس طرح انہوں نے دنیوی مزوں اور عیاشیوں میں پڑ کر آخرت کے دن کو بھلا دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اُن کو بھلا دے گا۔ یعنی ان کو نظر انداز کر دے گا۔ ان کی کوئی چیخ و پکار اور فریاد نہیں سنی جائے گی۔ بلکہ جس طرح انہوں نے اس کی آیات کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کی کوئی التجا، کوئی خواہش، کوئی فریاد یا کوئی درخواست منظور کرنے سے انکار کر دے گا۔ یہ اس سوچ اور رویے کا ردعمل ہوگا جو انہوں نے دنیا میں اختیار کیا تھا۔

مسلم کی ایک حدیث ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس قسم کے بندے سے کہے گا کہ ''کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ تجھے عزت واکرام سے نہیں نوازا تھا؟ کیا اونٹ اور گھوڑے تیرے تابع نہیں کر دیئے تھے؟ اور کیا سرداری کرتے ہوئے تو لوگوں سے چنگی وصول نہیں کرتا تھا''۔ وہ کہے گا کیوں نہیں یا اللہ تعالیٰ یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا ''کیا تو میری ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟'' وہ کہے گا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''جس طرح تو مجھے بھولا رہا۔ آج میں بھی تجھے بھول جاتا ہوں''۔

مسلم کی ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

Marfat.com

تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ مطلب یہ کہ اس دنیا میں مومن اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پابند ہے۔ اور کافر کے لیے یہ جنت ہے کہ جنتیوں کی طرح وہ اس دنیا میں اپنی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے آزاد ہے۔ اسے کسی قسم کے حساب کا ڈر نہیں۔

یہی چیز ایک دوسرے مقام پر بیان کی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَۙ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۝

(یونس ۷-۸)

ترجمہ: بیشک جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ (اپنے غلط عقیدے اور غلط طرزِ عمل کی وجہ سے) کرتے ہیں۔

ان آیاتِ مبارکہ میں دنیا پرستوں کی چند علامات اور ان کا انجام بتایا گیا ہے۔ سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے اور اپنا حساب کتاب دینے کی امید نہیں رکھتے۔ انہیں ذرا بھی کھٹکا نہیں کہ روزِ حشر ہمارے ایک ایک عمل ایک ایک ارادے اور ایک ایک سانس کا اللہ تعالیٰ کے حضور حساب لیا جائے گا۔ دوسری علامت یہ ہے کہ وہ اخروی اور دائمی زندگی کی راحت اور تکلیف کو بھلا کر دنیوی زندگی کی چند روزہ عیاشیوں میں ایسے کھو گئے کہ اسی دنیا کی آسائشات اور لذائذ پر راضی ہو گئے۔ ان سے ہٹ کر اخروی زندگی کے انعامات و اکرام کی

Marfat.com

نہ ہی خواہش کی اور نہ ہی جدوجہد۔ انسان کسی چیز پر راضی تب ہی ہوتا ہے۔ جب اُسے اس سے بہتر چیز حاصل کرنے کی خواہش نہ ہو۔ جب آخرت کی نعمتوں کی خواہش نہ ہو تو ان کے حاصل کرنے کی جدوجہد اور عمل کیسا۔ تیسری علامت یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں ایسے مطمئن ہیں کہ گویا ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ ان کے دل میں قیامت کا تصور بھی نہیں آتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو اعمال وہ کر رہے ہیں بالکل ٹھیک ہیں۔ گھبرانے اور فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چوتھی علامت جو سب علامتوں کا سبب ہے یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں کیا ہیں۔ جن سے انسان معرفتِ الٰہی اور تصورِ معاد حاصل کر سکتا ہے۔ یہ وہ ہدایت کے سارے ذرائع ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جن میں مربوط کائناتی نظام اور اُس کا صدیوں سے قائم رہنا۔ نباتات، جمادات اور ہر ذی روح کی زندگی اور موت پیغمبروں کی بعثت اور آسمانی کتابوں کا نزول شامل ہے۔ کائناتِ عالم کی ایسی کھلی شہادتیں اور نشانیاں دیکھ کر تو غافل انسان کو سوچنا چاہیے کہ جب کائنات کی ساری مخلوقات کو میرے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تو میری زندگی کا بھی کوئی مقصد ہوگا۔ جو تب ہی پورا ہوگا جب اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہو جہاں ہر انسان اپنے اعمال کا حساب دے۔ دوسری آیت میں دنیا پرستوں کا انجام بتا دیا کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور یہ سزا اُن پر کوئی ظلم نہیں بلکہ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے جو وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل رہ کر کرتے تھے۔

Marfat.com

دنیوی نعمتیں اللہ تعالیٰ کے قرب کا ثبوت نہیں

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس دنیا میں تمہاری سب سے بڑی آزمائش ہیں۔ انسان جتنے بھی غلط کام کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے احکام کی نفی کرتا ہے س کے پیچھے مال ودولت حاصل کرنے یا اولاد کی محبت کا جذبہ پنہاں ہوتا ہے۔ کیونکہ مال ودولت اور اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی نظام زندگی قائم رکھنے کے علاوہ ایک آزمائش بھی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قانون نہیں کہ وہ اپنے نافرمانوں اور باغیوں کو اولاد یا مال ودولت سے محروم کردے۔ اولاد اور مال ودولت کی تقسیم کے لئے اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک قانون ہے جو حکمت پر مبنی ہے۔ اگر وہ مال ودولت صرف نیکوکار لوگوں کو دیتا تو برے کام کوئی بھی نہ کرتا۔ یا اگر گناہگاروں اور اللہ تعالیٰ کے باغیوں کو ہی مال و دولت سے نوازتا تو نیکی کی طرف انسانوں کا رجحان بہت کم ہوتا۔ اس طرح تو انسانی آزمائش کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ لہٰذا دنیوی نعمتوں (مال واولاد) کی تقسیم اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کے تحت کرتا ہے۔ وہ اچھے برے کافر مومن ہر ایک کو مال ودولت یا اولاد دے کر بھی آزماتا ہے اور ان سے محروم کر کے بھی آزماتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی آدمی کی غربت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب نہیں ہوتی اور نہ کسی انسان کی دولت اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا ثبوت ہوتی ہے۔

انسان چیزوں کو سطحی طور پر دیکھ کر نتائج اخذ کرتے ہیں۔ لوگ کسی کو خوشحال دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو گیا۔ کسی کو بدحال دیکھتے ہیں تو اس

Marfat.com

کی وجہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ (بنی اسرائیل ۲۰)

ترجمہ: ان کو بھی اور اُن کو بھی (دنیا اور آخرت چاہنے والے) دونوں فریقوں کو ہم (دنیا میں) تیرے پروردگار کے انعامات میں سے دیئے جا رہے ہیں۔ اور تیرے رب کی عطا کو روکنے والا کوئی نہیں۔

مطلب یہ کہ باری تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ دنیا کا رزق اور اس کی آسائشیں ہم بلا تفریق مومن اور کافر طالب دنیا اور طالب آخرت سب کو دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کسی سے بھی روکی نہیں جاتیں کیونکہ رزق کی تقسیم اعمال کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ قرآن میں ایک اور مقام پر یہی اصول بیان کیا گیا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ (البقرۃ ۱۲۶)

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے دعا کی ''اے میرے رب! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کا رزق دے'' جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں کافروں کو بھی دوں گا مگر پھر انہیں عذاب جہنم کی طرف

Marfat.com

گھسیٹوں گا اور وہ بدترین ٹھکانا ہے''۔

آیت مبارکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو بنی نوع انسان کا امام بنانے کی خوشخبری دی تھی۔ چونکہ ایک صالح امام نے انسانوں کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنی ہوتی ہے اس لئے وہاں بتا دیا کہ یہ منصب حضرت ابراہیم کے بعد ان کی اولاد میں سے صرف نیک لوگوں کو ملے گا۔ ظالم کافر اور مشرک اس کے اہل نہیں ہوں گے کیونکہ ایسے لوگ تو خود ہدایت کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیم نے اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جب رزق کے لئے دعا کی تو کہا کہ ''اے میرے رب تو اس شہر (مکہ) کو امن کا گہوارہ بنا دے اور اس کے مومن باشندوں کو رزق جس میں ہر قسم کے پھل اناج اور غذائی مصنوعات شامل ہیں کی فراوانی عطا کر'' جواب میں باری تعالیٰ نے امامت صالحہ اور رزق دنیا کا فرق واضح کر دیا۔ کہ امامت صالحہ تو صرف نیک لوگوں کو ہی ملے گی لیکن رزق دنیا کافر اور مومن سب کو ملے گا۔ البتہ مومنین کو یہ خوشحالی جس طرح دنیا میں دی جائے گی اسی طرح آخرت میں بھی عطا ہو گی۔ لیکن کافروں کو آخرت میں عذاب کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

قارون کا قصہ قرآن میں لوگوں کی عبرت کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ قارون حضرت موسیٰ کا چچازاد بھائی تھا لیکن بنی اسرائیل میں سے ہونے کے باوجود اپنی قوم کو چھوڑ کر فرعون سے جا ملا اور اس قومی غداری کی بنا پر اتنی دولت حاصل کی کہ اس کے خزانوں کی چابیاں مردوں کی ایک طاقتور جماعت بھی بمشکل اٹھا سکتی تھی۔ ایک دن لباس فاخرہ پہن کر اپنے خدام کے ساتھ بڑی شان

Marfat.com

وشوکت سے نکلا تو دنیا دار بھولے انسانوں کی آنکھیں چندھیا گئیں کہنے لگے اِنَّہٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۔ یعنی یہ بڑی قسمت اور نصیبے والا ہے کہ اتنے خزانوں سے نوازا گیا ہے۔ کاش کہ ہمیں بھی ایسے خزانے مل جاتے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پکڑا اور قارون اپنے خزانوں اور محلوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا تو وہی لوگ قارون جیسے خزانوں کی محرومی کو اللہ تعالیٰ کا احسان ماننے لگے کہ اگر ہم ایسے خزانوں سے نوازے جاتے تو ہمارا بھی یہی انجام ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں اور باغیوں کو مال و دولت اور دنیوی خوشحالی مل جانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی بھی ہے۔ یہ تو ان کی آزمائش ہے۔ اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو یہی مال و دولت ان کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ اول تو اسی دنیا میں جیسے قارون اور دوسری کافر قوموں کے سرداروں اور چودھریوں کا انجام ہوا۔ یا پھر آخرت میں تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب یقینی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ (التوبہ-۵۵)

ترجمہ: اوران کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ ان (مال و اولاد) کی وجہ سے ان کو دنیا میں بھی گرفتار عذاب رکھے اور کفر کی حالت میں ہی ان کی جانیں نکل جائیں۔

یہاں پیغمبرؐ اور ان کے ذریعے مومنین کو بتایا جا رہا ہے کہ کفار اور منافقین کے مال و دولت اور اولاد کی کثرت پر تعجب نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کے مبغوض ہوتے

Marfat.com

ہوئے بھی ان کو ان چیزوں کی کثرت سے نوازا جا رہا ہے۔ یہ چیزیں (کثرت مال و اولاد) تو دنیا میں ان کے عذاب کا باعث بنیں گی۔ اور یہ ان کی محبت میں اتنے کھو جائیں گے کہ مرتے دم تک توبہ نصیب نہیں ہو گی۔ کفر کی حالت میں جان دیں گے۔ اور آخرت میں اپنے کفر کا عذاب چکھیں گے۔

کفار اور منافقین کے دنیاوی عذاب کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کا کفر اور نفاق ان کے مال اور اولاد کی وجہ سے اس حد تک بڑھ جائے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اپنا عذاب بھیج کر انکو تباہ کر دے۔ جیسے فرعون قارون یا پچھلی کافر قوموں کے سردار جن پر مختلف شکلوں میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا۔ دوسرا یہ کہ اولاد نافرمان ہو جائے جس سے ذہنی سکون جاتا رہے۔ یا پھر مال کی محبت اس کی حفاظت اور اس کو بڑھانے کی فکر ایسی لگی رہے کہ کسی وقت بھی چین نہ آئے۔ یا مال و متاع اور اولاد کی محبت آخرت سے غافل کر کے کفر و معاصی میں انہماک کا سبب بن جائے۔ اس طرح انہیں آخرت کے عذاب کا سبب بن جانے کی وجہ سے بھی دنیوی عذاب کہا جا سکتا ہے۔ دنیوی عذاب کی شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ منافقین سے وہ کام لئے جائیں جنہیں بظاہر وہ کرنے پر مجبور ہیں لیکن اندر سے انہیں سخت تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے۔ مثلاً صدقہ، زکوٰۃ کا ادا کرنا یا ان کی مومن اولاد کا جہاد میں شامل ہونا۔ ایسی اولاد اور مال ان کے لئے گویا عذاب ہے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے اور لوگوں کو دعوت توحید دی تو سب سے پہلے اس معاشرہ کے امراء، رؤسا اور چودھریوں نے ان کی مخالفت کی۔ کیونکہ ان ہی کے مفادات پر زد پڑتی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ہم سے راضی نہ ہوتا تو مال و دولت اور اہل وعیال سے کیوں نوازے جاتے۔سورہ سبا میں ان کے اس رویے کی نشاہدی کی گئی ہے۔

وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَo قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَo

(سبا:۳۵-۳۶)

ترجمہ: اور (بستی کے خوشحال) لوگوں نے (ہمیشہ یہی) کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں لہٰذا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم عذاب دیئے جائیں۔ کہہ دیجئے کہ میرا رب جس کیلئے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے۔ اور (جس کے لئے چاہے) تنگ بھی کر دیتا ہے۔لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

یہاں امراء اور باغی خودسر انسانوں کی خوش فہمی کو بیان کیا جارہا ہے جو کہتے ہیں کہ ہماری دولت اور اولاد کی فراوانی کا سبب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کا ہمسے راضی ہونا ہے۔تو اس وجہ سے اگر قیامت آ بھی گئی تو ہمیں کبھی سزا نہیں ملے گی۔ بلکہ جس طرح یہاں عیاشی کر رہے ہیں وہاں بھی کریں گے۔ باری تعالیٰ پیغمبر کے ذریعے اعلان فرما رہے ہیں کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا کا مظہر نہیں بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے ہے۔لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو جانتے نہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے بارے میں غلط تخمینے لگاتے ہیں۔

اسی چیز کو سورہ المومنون میں بیان کیا گیا ہے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَo نُسَارِعُ لَهُمْ فِي

Marfat.com

الْخَيْرَاتِ ط بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ O (المؤمنون-۵۵-۵۶)

ترجمہ: کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال واولاد بڑھا رہے ہیں تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں۔ نہیں اصل معاملے کا انہیں شعور ہی نہیں۔

یعنی جو دنیا پرست انسان مال واولاد کی کثرت سے نوازے گئے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ اسی لئے ان کو بھلائیاں اکٹھی کر کے دے رہا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو کر بھی ان کو نعمتوں سے نوازتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس باطل خیال کی تردید کر رہے ہیں کہ بھولے انسانو تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ تمہارے مال واولاد کی کثرت تمہاری کسی فضیلت یا کرامت کا نتیجہ نہیں۔ یہ تو تمہاری آزمائش ہے کہ اس زندگی کی محدود مدت میں تم ان کا حق کیسے ادا کرتے ہو۔ یہ کفار اور مومنین دونوں کو دیا جاتا ہے۔ مومن تو اس کو حاصل کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ لیکن ایک کافر اور اللہ تعالیٰ کا باغی اسی بات پر اکڑ جاتا ہے کہ آخر میری کوئی ادا تو پسند کی گئی ہے کہ مجھے اتنے مال ودولت عزت ورتبہ اور اہل وعیال سے نوازا گیا ہے کہ دنیا والے رشک کرتے ہیں۔

اچھے بُرے اعمال کا بدلہ اِس دنیا میں بھی ملتا ہے:

یہ دنیا دار العمل ہے۔ دار الجزا نہیں۔ یہاں انسانوں کو آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے نیک اور برے اعمال کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ ان اعمال کی جانچ پڑتال اور انکا پورا بدلہ تو آخرت میں ہی ملے گا۔ لیکن بدکار باغی اور ظالم انسانوں کو جھنجھوڑنے اور نیک اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے

Marfat.com

والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی اچھے برے اعمال پر جزا اور سزا کی ایک جھلک دکھاتا ہے۔ دراصل اس میں بھی انسانوں کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح انسان شیطانی راستہ ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے پر آ جائے اسی لئے وہ گمراہ انسانوں کو تنبیہ کے طور پر مختلف تکلیفات میں مبتلا کر کے جھنجھوڑتا ہے تاکہ انہیں خالق کائنات کی ہستی اور قدرت کا ادراک ہو جائے اور وہ سیدھے راستے پر آ جائیں۔ ان تکلیفات کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ جن میں جسمانی بیماریاں رزق میں کمی کاروبار میں نقصان عزت وجاہ کا زوال اولاد کا نہ ہونا یا مر جانا۔ دشمن سے مغلوب ہو جانا اور نفسیاتی اور ذہنی بیماریاں غم اور خوف شامل ہیں۔ بعض دفعہ جب ظالم اور باغی انسان اپنے تکبر میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مکمل ملیامیٹ کر دیتا ہے تاکہ انسانی معاشرہ ان کے شر سے محفوظ ہو جائے۔ اگر ظالم اور بدکار انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں لگام نہ دی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ شریف النفس انسانوں کا جینا دوبھر کر دیں گے۔ اسی طرح نیک انسانوں کو بھی اپنے نیک اعمال کا کچھ نہ کچھ بدلہ کسی نہ کسی رنگ یں اسی دنیا میں مل جاتا ہے اگرچہ پورا بدلہ تو آخرت میں ہی ملے گا یہ اس لئے ہے کہ نیک اعمال کی قدر کا احساس انسانوں کے دلوں میں اجاگر ہو جائے تو وہ نیک اعمال کی طرف مائل ہو کر اپنی آخرت سنوار سکیں۔ نیک اعمال کی برکت سے انسانوں کو جسمانی صحت رزق میں فراوانی مال واولاد میں ترقی ذہنی سکون اور عزت وجاہ میں سے کچھ نہ کچھ ضرور عطا کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک چیز ذہن نشین کر لینی چاہیئے

Marfat.com

کہ اس دنیا کے غم اور تکلیفات بھی عارضی اور خوشیاں اور عنایات بھی عارضی جن کا بنیادی مقصد انسانوں کی آزمائش یا انہیں راہ راست پر لانے کی ترغیب دلانا ہے۔ جہاں تک مال واولاد رزق کی فراوانی یا غلبہ وسلطانی کی تقسیم کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور علم کی بنیاد پر ہر نیک اور بدکار انسان کو دیتا ہے۔ جس کا بنیادی مقصد انسانوں کا امتحان اور انکی زندگی کے گزران کو آسان بنانا ہے۔

قرآن میں نیک وبد اعمال کی دنیاوی جزاوسزا کا ذکر مختلف انداز میں کیا گیا ہے۔ نکوکار مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ O (آلِ عمران-۱۴۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے پیغمبروں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور تکلیفوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہے۔ انہیں آخرت کا ثواب تو ملے گا ہی۔ دنیا میں بھی انہیں غلبہ اور سکون میسر ہوگا۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ (النحل-۳۰)

ترجمہ: جنہوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے انکے لئے بھلائی ہے۔ اور بے شک آخرت کا گھر بہتر ہے۔

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اس دنیا میں نیک کام والوں کو اس دنیا میں بھی کسی نہ کسی شکل میں بھلائی ملے گی۔ اگرچہ آخرت کے انعامات دنیوی بھلائی کے

Marfat.com

مقابلے میں بہت بڑے ہیں جو پائیدار بھی ہیں اور عمدہ اور اعلےٰ بھی۔

اہل کتاب کے بارے میں فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ط (المائدہ-٦٦)

ترجمہ: اگر یہ لوگ توراۃ وانجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (اَب) نازل کیا گیا ہے کو قائم رکھتے تو یہ لوگ اپنے اوپر (برکات آسمانی) اور نیچے (برکات زمینی) سے روزیاں کھاتے۔

مطلب یہ کہ اگر اہل کتاب توراۃ وانجیل کے احکامات کی پیروی کرتے جن میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کریم اور آخری پیغمبر پر ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمان سے بارش برسا کر زمین کی پیداوار سے مالا مال کر دیتے۔

اسی طرح عام انسانوں کے بارے میں فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○ (الاعراف-٩٦)

ترجمہ: اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے تکذیب کی اور ہم نے ان کے اعمال کے بدلے ان کو پکڑ لیا۔

یہاں بستیوں سے مراد کوئی مخصوص بستیاں نہیں۔ بلکہ یہ اصول ہر انسانی بستی پر لاگو ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جس انسانی بستی کے لوگ بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور تقوی اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر زمین و آسمان کی

Marfat.com

برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ یعنی آسمان سے بارش برسا کر زمین کو زرخیز اور سرسبز وشاداب بنا دیتا ہے۔ جس سے وہ خوب پیداوار دیتی ہے اور اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی خوشحالی کا سبب بنتی ہے۔ لیکن اگر انہوں نے تکذیب کی تو اسی دنیا میں بھی دھرے جاسکتے ہیں۔

یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ آسمانی بارش زمین کی وافر پیداوار اور دنیوی خوشحالی سے تو کفار اور اللہ تعالیٰ کے باغی بھی اسی طرح مستفیض ہو رہے ہیں جس طرح اہل ایمان اور اہل تقویٰ تو پھر ان انعامات کی ایمان اور تقویٰ کے ساتھ تخصیص کیسی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو عطا کردہ دنیوی خوشحالی اور اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی دنیوی خوشحالی اور عطا کردہ برکات میں بڑا فرق ہے۔ اس سلسلے میں چند اہم نکات یہ ہیں۔

۱- اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی آسمانی اور زمینی نعمتیں دائمی اور غیر منقطع ہوتی ہیں جن کے آثار فاضلہ بکثرت ہوتے ہیں۔ جب کہ کفار اور مکذبین کی خوشحالی عارضی اور محدود ہوتی ہے۔ کئی تو اِسی دنیا میں ہی اس کے وبال میں پھنس جاتے ہیں جیسے قارون ورنہ آخرت میں تو ضرور ان کے لئے وبال جان بنتی ہے۔

۲- اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی خوشحالی انہیں صابر اور شاکر بناتی ہے۔ اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ بنتی ہے۔ جب کہ کفار کی خوشحالی ان کیلئے مزید تکبر اور غرور کا سبب بنتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتی ہے۔

۳- اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی خوشحالی سے دکھی انسانیت کو بھی حصہ ملتا ہے اور

Marfat.com

وہ سکھ کا سانس لیتی ہے۔ جب کہ کفار اور مکذبین کی خوشحالی سے ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں جن کے نیچے انسانیت سسکیاں لینے لگتی ہے۔

۴- اہل تقویٰ اور اہل ایمان کی خوشحالی جائز ذرائع اور اعلےٰ اخلاقی قدروں کی بنیاد پر آتی ہے۔ جس سے انہیں ہمیشہ دلی سکون اور قلبی راحت ملتی ہے جب کہ کفار کی خوشحالی کی بنیاد جھوٹ ظلم دھوکہ فراڈ اور منافقت پر ہے جس سے وہ ہمیشہ خوف ڈر اور بے سکونی کی زندگی گزارتے ہیں۔

۵- اہل ایمان کی خوشحالی آخرت کی بہت بڑی خوشحالی کا ایک پیغام ہے۔ جب کہ کفار آخرت سے مایوس ہیں۔ ان کی خوشحالی اسی دنیا تک محدود ہے۔

یہاں ایک اور چیز ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اوپر بیان کردہ دائمی خوشحالی کے حامل وہ مسلمان ہوں گے جو متقی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرنے والے ہوں۔ رہے وہ مسلمان جو صرف کلمہ پڑھ کر مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے ہوں اور ان کے اعمال کفار جیسے ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کی خوشحالی بھی کفار جیسی خوشحالی ہو گی۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل اکثر مسلمان دنیوی خوشحالی کے باوجود ڈر خوف بے یقینی اور ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

جس طرح نکوکار انسانوں کو اپنے اچھے اعمال کا کچھ بدلہ اسی دنیا میں مل جاتا ہے اسی طرح بدکار انسانوں کو اپنے برے اعمال کی پوری سزا تو آخرت میں ہی ملے گی لیکن اس کا کچھ حصہ اسی دنیا میں بھی دکھایا جاتا ہے تاکہ انسان چونک کر راہ راست پر آجائیں۔ قرآن میں مختلف مقامات پر اس کا ذکر ہے۔

کفار کے بارے میں فرمایا:

Marfat.com

فَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ○ (آل عمران ۵۶)

ترجمہ: پھر جنہوں نے کفر کیا ان کو دنیا میں اور آخرت میں سخت ترین عذاب دوں گا۔ اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

اس دنیا میں عذاب کی مختلف شکلیں اوپر بیان ہو چکی ہیں۔

عام انسانوں کے بارے میں فرمایا:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی○ (طٰہٰ-۱۲۴)

ترجمہ: اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا اس کے لئے (اس دنیا میں) تنگ گزران ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

تنگ گزران سے مراد رزق میں کمی یا وافر رزق ہونے کے باوجود وہ قلق و اضطراب اور بے چینی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل بڑے بڑے دولت مند لوگ مبتلا رہتے ہیں۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ صحت کی نعمت چھین کر بڑے بڑے دولت مندوں کو صرف سوکھی روٹی یا دہی کھانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

یہود کے کرتوتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْا۔ (آل عمران ۱۱۲)

ترجمہ: ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی۔

یہ ذلت اور رسوائی جو یہود پر اس دنیا میں مسلط کی گئی ہے ان کے برے اعمال کا نتیجہ ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار اور انبیاء کا قتل شامل ہے۔

Marfat.com

اس سلسلے میں ایک عام اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ O

(الشوریٰ-۳۰)

ترجمہ: تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے۔ اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔

یہاں خطاب اہل ایمان سے بھی ہو سکتا ہے اور عام انسانوں سے بھی۔ اگر خطاب اہل ایمان سے لیا جائے تو مطلب ہو گا کہ تمہارے بعض گناہوں کا کفارہ وہ مصائب بن جاتے ہیں جو تمہیں گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں اور کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرما دیتا ہے۔ ایک حدیث ہے کہ مومن کو جو بھی تکلیف اور غم پہنچتا ہے حتیٰ کہ اگر اس کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

اگر خطاب عام انسانوں سے لیا جائے تو مطلب ہو گا کہ تمہیں جو تکالیف اور مصائب اس دنیا میں پہنچتے ہیں یہ تمہارے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہیں۔ حالانکہ بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی کر دیتا ہے۔ یعنی یا تو بالکل معاف کر دیتا ہے۔ جیسے سورہ فاطر آیت ۴۵ میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کرتوتوں پر فوری مواخذہ شروع کر دے تو زمین پر کوئی چلنے والا باقی نہ رہے۔ لہٰذا وہ ان کو ایک مقرر میعاد اور حد معین تک ڈھیل دیتا ہے۔ یہ میعاد اسی دنیا میں بھی آ سکتی ہے۔ ورنہ آخرت میں تو ضرور آئے گی۔

Marfat.com

پچھلی قوموں کی تکذیبِ انبیاء پر دنیوی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ○ (الزمر-۲۶)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بھاری ہے۔ کاش یہ لوگ (موجودہ مکذبین) سمجھ لیں۔

یہاں قرآن کے مکذبین کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ پچھلی قوموں کے واقعات سے سبق سیکھو۔ انہوں نے انبیاء کو جھٹلایا تو دنیا میں ہی پکڑ لئے گئے۔ کئی تو بالکل نیست و نابود ہو گئے اور کئی رسوائی اور ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔ اور ابھی آخرت کا عذاب تو آنا ہے۔ جو دنیوی عذاب کے مقابلے میں بہت بھاری ہے۔ لیکن انسانوں (مکذبین) کی عقل ماری گئی ہے۔ وہ یہ بات سمجھتے ہی نہیں۔

اہل کتاب میں سے بعض کو ان کے برے اعمال کے بدلے اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس حد تک سزا دی کہ ان کی شکلیں تک بگاڑ دیں۔ اور ان کو بندر اور سور بنا دیا گیا۔ کئی باغی اور فاسق قومیں اسی دنیا میں عذاب سے دوچار ہوئیں۔ اگرچہ آخرت کا عذاب علیحدہ ہوگا۔

-----☆☆☆-----

Marfat.com

باب ششم:

ایمان اور عملِ صالح

اسلامی تعلیمات انسانی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ انسان کا ایک تعلق تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور دوسرا تعلق اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ۔ یا یوں کہیے کہ اس کو ایک لگاؤ تو عالم غائب سے ہے اور دوسرا عالم شہود سے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانی تعلق کی نوعیت اگر ذہنی اور قلبی ہے تو اس کا نام عقیدہ ہے۔ اور اگر قلبی تعلق کے ساتھ ساتھ جسمانی اور مالی تعلق بھی ہے تو اس کا نام عبادت ہے۔ اسی طرح انسانوں کے آپس میں تعلقات یا انسانوں کے دوسری مخلوقات کے ساتھ تعلقات بھی دو قسم کے ہیں۔ اگر ان تعلقات کی بنیاد پر عائد شدہ احکام کی حیثیت ایک قانون کی ہے تو ان کو معاملات کہتے ہیں۔ اور اگر ان کی حیثیت محض روحانی نصیحتوں اور بردرانہ ہدایتوں کی ہے تو ان کو اخلاق کہتے ہیں۔ تو اس طرح انسانی زندگی کے چار حصے عقائد، عبادات، معاملات، اور اخلاقیات پر مشتمل ہیں۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے حصے یعنی عقائد کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے۔ اور باقی تینوں حصوں یعنی عبادات معاملات اور اخلاقیات کی بجا آوری کا نام عمل صالح ہے۔ انسانی نجات کا انحصار ایمان اور عمل

Marfat.com

صالح دونوں پر ہے۔ بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ جتنا ایمان مضبوط اور پختہ ہوگا اتنا ہی عمل صالح کی بجا آوری بہتر ہوگی۔ اور عمل صالح کی پیروی ایمان کو مزید پختہ بناتی ہے۔ ایمان اسلام کے درخت کی جڑ ہے اور عمل صالح شاخیں اور پھل پھول۔ شاخوں اور پھل پھول کے بغیر صرف جڑ اگرچہ بے معنی ہے لیکن پھر بھی اس کی تھوڑی بہت افادیت تو ہوتی ہے۔ لیکن جڑ کے بغیر شاخیں اور پھل پھول کا تصور ہی ناممکن ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمل صالح کے بغیر صرف ایمان کا کچھ نہ کچھ وزن تو ہوگا۔ لیکن ایمان کے بغیر عمل صالح بے نور بے وقعت اور بے وزن ہوں گے۔ اسی لئے قرآن کریم میں انسانوں کی نجات کے لئے جہاں جہاں ایمان کی شرط رکھی گئی وہاں عمل صالح کو بھی لازم وملزوم قرار دیا گیا۔ ایمان اور عمل صالح کے حامل انسانوں کے لئے قرآن میں سینکڑوں مقامات پر بخشش اور جنت کی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔

حقیقی اور ظاہری ایمان:

قرآن کریم میں جہاں بھی ایمان کو اخروی کامیابی اور انسانی فلاح کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔ وہاں ایمان سے مراد حقیقی ایمان ہے۔ حقیقی ایمان سے مراد ہے دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو تسلیم کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں فرشتوں آسمانی کتابوں اور یوم آخرت اور حساب وکتاب کو نہ صرف صدق دل سے ماننا بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے احکامات پر پورے یقین کے ساتھ عمل بھی کرنا۔ ظاہری ایمان میں انسان اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

پیغمبروں فرشتوں آسمانی کتابوں اور یوم آخرت کو مانتا تو ہے لیکن یقین کے ساتھ نہیں بلکہ تذبذب اور شک کے ساتھ۔ چونکہ آخرت کا یقین ہی نہیں لہٰذا ایسے انسان سے عمل صالح کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ وہ تو صرف مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ اس کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوگا۔ ووٹر لسٹ اور پاسپورٹ میں اس کا اندارج بطور مسلمان کیا جائے گا۔ مردم شماری میں اس کا مذہب اسلام تصور ہوگا۔ اور جہاں بھی مسلم اور غیر مسلم کی حد بندی ہوگی وہ مسلمانوں میں گنا جائے گا۔ لیکن جہاں تک آخرت کے حساب کتاب کا تعلق ہے وہاں تو حقیقی ایمان ہی کام آئے گا۔

حقیقی ایمان:

قرآن نے انسانوں کو حقیقی ایمان ہی کی دعوت دی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ (النساء-۱۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور اُس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں۔

یہاں ایمان لانے والوں کو کہا جا رہا ہے کہ ایمان لاؤ۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب لوگ پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں تو پھر انہیں ایمان لانے کے لئے

Marfat.com

کیوں کہا جا رہا ہے۔ دراصل یہ خطاب ظاہری ایمان والوں کو ہے کہ بدبختو اگر ایمان لانا ہی ہے تو حقیقی ایمان لاؤ۔ صرف زبانی اقرار سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ تمہیں اپنی فکر اپنی پسند اپنے رویے اور اپنی سعی و جدوجہد کو اس عقیدے کے مطابق بدلنا ہوگا جس پر تم ایمان لائے ہو۔ اور شک اور تذبذب کو مکمل طور پر خیر باد کہنا ہوگا۔

سچے مومنوں اور ایمان حقیقی کے حامل لوگوں کی ایک نشانی یہ بتائی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط (الاحزاب ۳۶)

ترجمہ: کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔

مطلب یہ کہ کسی مومن مرد عورت یا ان کے مجموعے مثلاً عدالت پارلیمنٹ یا ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم دیا جا چکا ہو اس میں وہ اپنی رائے کو استعمال کریں بلکہ حقیقی ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ مسلمان اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ اور اسے دل کی گہرائیوں سے بخوشی قبول کر لیں۔

Marfat.com

قرآن کا یہ پیغام قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ایک انسان کلمہ تو زبان سے پڑھ لیتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکامات اور فیصلوں کے بارے میں متذبذب ہے۔سوال اٹھاتا ہے کہ ایسا کیوں ہے اور ایسا کیوں نہیں یا تجویزیں دیتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ صرف ظاہری مسلمان ہے۔حقیقی ایمان کا حامل نہیں۔کیونکہ حقیقی ایمان کا درجہ پانے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلوں میں ''کیوں'' اور ''کیسے'' کی گنجائش نہیں۔اور نہ اس چیز کی گنجائش ہے کہ انسان صرف زبان سے اقرار کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے۔یا حجت بازیاں پیش کر کے عمل کا رخ غلط سمت کی طرف موڑ دے۔

سورہ الحجرات میں سچے مومن کے لئے شک اور تذبذب کی نفی کی گئی ہے۔ جہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحجرات ۱۵)

ترجمہ: حقیقی مومن تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں۔پھر شک میں نہ پڑیں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں۔(اپنے دعوائے ایمان میں) یہی لوگ سچے ہیں۔

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ حقیقی ایمان کے حامل لوگوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایمان لا کر شک میں نہیں پڑتے۔شک اور تذبذب حقیقی

Marfat.com

ایمان کے لئے زہر قاتل ہے۔ اور یہ عموماً منافقین کی نشانی ہے۔ ایک آدمی کو یقین ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل جائے گا۔ یا زہر کھانے سے موت واقع ہو جائے گی تو وہ کبھی اپنا ہاتھ آگ میں نہیں ڈالے گا اور نہ زہر کھائے گا۔ سوائے اس کے کہ وہ خودکشی کرنا چاہتا ہو۔ اسی طرح حقیقی ایمان کے حامل لوگ دل میں پختہ یقین کر لیتے ہیں کہ قیامت کا وقوع ہو گا اور ایک ایک عمل کا حساب ہو گا۔ لہٰذا وہ اپنے اعمال کو حتی الامکان درست سمت میں لے جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانوں اور مال سے جہاد کرتے ہیں۔ جہاد سے مراد کلمہ حق کے لئے سعی و جہد کرنا ہے۔ جس کی آخری شکل قتال ہے جس میں حقیقی ایمان کے حامل لوگ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

سورہ انفال میں حقیقی ایمان کے حامل لوگوں کی صفات کا ایک جامع نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا
ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى
رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ○ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ○
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ
كَرِیْمٌ○ (الانفال:۱-۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم (حقیقی) ایمان والے ہو۔ مومن تو حقیقت میں وہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے

Marfat.com

دل لرز جاتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ حقیقی ایمان کے حامل ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

یہاں حقیقی ایمان کے حامل انسانوں کی درج ذیل صفات بیان کی گئی ہیں۔

۱- وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس میں سارے شرعی احکامات کی پابندی عقائد عبادات اور معاملات شامل ہیں۔

۲- جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں۔ ظاہر ہے جس انسان کے دل میں خوف خدا نہیں وہ کیونکر کسی عقیدے یا ضابطے کا پابند ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر ہی ہے جو انسان کے دل کو حقیقی ایمان کی کرنوں سے منور کرتا ہے۔

۳- جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ یعنی انکے ایمان کی قوت و کیفیت اور نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے اور اعمال صالحہ کی طرف رغبت بڑھتی ہے۔

۴- وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ یعنی اپنی ضروریات کے لئے مادی وسائل وتدابیر استعمال تو کرتے ہیں (کیونکہ ان کے استعمال کے بغیر توکل بے معنی ہے) لیکن ان کے ثمرات اور نتائج کے لیے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ

Marfat.com

رکھتے ہیں۔

۵- وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی نماز کے پورے آداب وشرائط اس طرح بجا لاتے ہیں جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے بتلائے ہیں۔

۶- وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں زکوٰۃ صدقات صدقہ الفطر شرعی واجبات اور نفلی صدقات شامل ہیں۔

حقیقی مومنوں کی مندرجہ بالا صفات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جن کا تعلق قلب اور باطن سے ہے جیسے ایمان خوف خدا اور توکل علی اللہ۔ دوسرے وہ جن کا تعلق جسمانی اعمال سے ہے جیسے نماز وغیرہ۔ تیسرے وہ جن کا تعلق انسان کے مال سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں رزق حلال سے مال خرچ کرنا۔ گویا صحیح عقیدہ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری ہی حقیقی ایمان کی بنیادیں ہیں۔

آیت کے آخر میں سچے مومنین کے لئے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا۔ ایک جنت میں اعلیٰ درجے دوسرے مغفرت تیسرے عمدہ رزق۔ دراصل یہ تین انعامات ہیں جو اوپر بیان کردہ مومنین کی تین صفات کا بدلہ ہیں۔ باطنی صفات (ایمان خوف خدا توکل علی اللہ) کا بدلہ اعلیٰ درجات، جسمانی عبادات (جیسے نماز) کا بدلہ مغفرت، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نماز گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا انعام عمدہ رزق کیونکہ جو کچھ بھی

Marfat.com

انسان اپنے رزق حلال میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو اس سے بہت بہتر اور بہت زیادہ دے گا۔

ظاہری ایمان:

ظاہری ایمان میں انسان زبان سے اللہ تعالیٰ کی توحید اس کے پیغمبروں فرشتوں اور روز حشر کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اس کا دل اس کی تصدیق نہیں کرتا وہ شک اور تذبذب میں مبتلا رہتا ہے۔ لہٰذا اعمال کی دنیا میں شیطانی وسوسوں اور نفس پرستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ میرے لئے زبانی اقرار ہی کافی ہے۔ ظاہری ایمان کے حاملین کو دو گرہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ گنہگار مسلمان جو حق کو سنتے سمجھتے اور اعتقاد رکھتے ہیں زبانی اقرار بھی کرتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔ عمل نہ کرنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ جن میں کاہلی سستی دل میں یقین کا فقدان، زر پرستی، نفس پرستی، دنیوی لالچ اور شیطانی چالوں کے سامنے سرنگوں ہو جانا بہت اہم ہیں۔ ظاہری ایمان کے حامل انسانوں میں دوسرا گروہ منافقین کا ہے جو حق کو سنتے بھی ہیں سمجھتے بھی ہیں زبانی اقرار بھی کرتے ہیں لوگوں کے دکھاوے کے لئے کچھ عمل بھی کرتے ہیں لیکن اعتقاد نہیں رکھتے۔ بلکہ دل میں اسلام اور سچے مسلمانوں کے خلاف بغض اور کینہ رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح اسلام کو نقصان پہنچے۔ کلمہ حق ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔ ان کا ایمان صرف نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات کے تحت ہوتا ہے۔ یہ ظاہراً مسلمانوں کے ساتھ اور باطناً کفار کے ساتھ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

منافق:

اللہ تعالیٰ نے اعمال کا دار مدار نیتوں پر رکھا ہے۔ منافق اگرچہ مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے کے لئے زبانی اقرار کے علاوہ دکھاوے کے اعمال بھی کرتا ہے۔ لیکن چونکہ دل میں اعتقاد نہیں۔ اس کی نیت اور ارادہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہے۔ لہٰذا اس کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اسے جہنم کے نچلے گڑھے میں پھینکا جائے گا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منافق کا درجہ کافر سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ ایک کافر کھلم کھلا انکار کرتا ہے لیکن منافق چھپ کر وار کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کی آستین کا سانپ ہے۔ گھات میں رہتا ہے کہ جونہی موقع ملے وار کروں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی چار نشانیاں بتائیں جو یہ ہیں۔

۱- جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۲- جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

۳- جب امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے۔

۴- جب غصہ آئے تو آپے سے باہر ہو جائے۔

ان نشانیوں کو بنیاد بنا کر ہر انسان کو اپنے اندر جھانکنا چاہیے کہ کہیں وہ منافقوں کے ٹولے میں تو شامل نہیں۔ اور اگر کہیں ان علامات کے قریب بھی ہے تو فوراً اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

Marfat.com

منافق کی خصوصیات:

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر منافقین کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں جن میں سے چند بڑی بڑی یہ ہیں۔

نماز سے غفلت:

نماز اسلام کا بنیادی رکن ہے۔اور رات دن پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔ ایک منافق کو مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے کے لئے مجبوراً نماز پڑھنی پڑتی ہے اگر باقاعدگی سے نہ بھی پڑھے پھر بھی مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنی حاضری تو ضرور لگواتا ہے۔لیکن اس کی نماز میں نہ خلوص ہے نہ اللہ تعالیٰ کا ڈر۔ زیادہ تر لوگوں کو دکھانے کے لئے تا کہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر اپنے مقاصد پورے کرے۔اس سلسلے میں درج ذیل قرآنی آیات ملاخطہ ہوں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ (الماعون-۴-۶)

ترجمہ: پھر تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں جو ریا کاری کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نماز کا اہتمام باقاعدگی سے نہیں کرتے۔کبھی پڑھ لی کبھی نہ پڑھی۔ پڑھی بھی تو نہ وقت کا خیال نہ دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا خوف۔نہ قیام درست اور نہ رکوع اور سجدہ میں روحانی سکون۔بس ایک رسم پوری کرتے ہیں تا کہ لوگوں کی نظروں میں وہ نمازی کہلائیں اور مسلمانوں کی صف میں شامل

Marfat.com

رہیں۔ منافقین کی یہی کیفیت ایک اور مقام پر بیان کی گئی ہے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا۝ (النساء-۱۴۲)

ترجمہ: اور جب وہ (منافق) نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو نہایت کاہلی کے ساتھ محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔

چونکہ منافق کا قلب ایمان خشیت الٰہی اور خلوص سے خالی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نماز ادا کرنے میں کاہلی اور سستی دکھاتا ہے۔ مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور مسلمانوں کی صف میں شامل رہنے کے لئے چاروناچار نماز کے لئے حاضر تو ہوتا ہے۔ لیکن اس کی طبیعت بوجھل اور دل خوف خدا سے خالی ہوتا ہے۔ پھر اگر لوگ دیکھ رہے ہوں تو نماز پڑھتا ہے۔ لیکن اگر کبھی اکیلا ہو تو نہیں پڑھتا۔ کیونکہ بنیادی مقصد لوگوں کو دکھانا ہے کہ وہ نمازی ہے۔ منافق کا دل مسجد میں نہیں لگتا۔ نماز کے لئے آنے میں تو کاہلی اور سستی لیکن نماز سے فارغ ہو کر جانے میں سب سے پہلے جیسے کسی قیدی کو رہائی ملی ہو۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے آپ نے فرمایا "یہ منافق کی نماز ہے یہ منافق کی نماز ہے۔ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان (یعنی غروب کے قریب) ہو جاتا ہے تو اٹھتا ہے اور چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ کو کم ہی یاد کرتا ہے" کیونکہ منافق دل میں نہ تو نماز پڑھنے پر کسی جزا کا قائل ہے اور نہ نماز ترک کرنے پر کسی سزا کا۔ اسے تو صرف مسلمانوں کو

Marfat.com

دھوکے میں ڈال کر دنیوی فوائد حاصل کرنا ہوتے ہیں۔

حرص مال اور وعدہ خلافی:

اوپر والی سطور میں منافق کی نماز یعنی بدنی عبادت کا ذکر ہوا۔ مالی عبادت یعنی مال کے حصول اور خرچ میں بھی ایک منافق بہت حریص اور خود غرض ہوتا ہے۔ دراصل منافق اسلام اور مسلمانوں کا سہارا لیتا ہی اس لئے ہے کہ وہ دنیوی فوائد حاصل کرے۔ ورنہ اس کی دلی ہمدردیاں تو کفار کے ساتھ ہوتی ہے۔ پیغمبر ﷺ کی مدنی زندگی میں منافقین کھل کر سامنے آئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مال غنیمت اور صدقات کی تقسیم کے موقع پر پیغمبر ﷺ پر بھی اعتراض کیا اور اپنا بغض نہ چھپا سکے قرآن نے اسی رویہ کو بیان کیا ہے۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَ اِنۡ لَّمۡ یُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ یَسۡخَطُوۡنَ ۝ (التوبہ۔۵۸)

ترجمہ: اور ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں آپ پر عیب رکھتے ہیں۔ اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً بگڑ جاتے ہیں۔

یہاں منافقین کی دنیوی حرص اور خود غرضی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ وہ صدقات اور غنائم کے بارے میں اتنے لالچی تھے کہ نعوذ باللہ پیغمبر کی ذات ستودہ صفات کو بھی غیر منصف قرار دے دیا۔ صرف اس لئے کہ ان کی اہلیت کی بنیاد پر ان کا حصہ نہیں بنتا تھا۔ ہاں اگر انہیں کچھ مل جائے تو پھر خوش ہیں۔

Marfat.com

ایک دوسری جگہ قرآن نے ان منافقین کا ذکر کیا ہے جو لمبی چوڑی دعائیں مانگ کر اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے تھے کہ اگر ہمیں مال و دولت عطا کیا گیا تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں مال و دولت سے نوازا تو فوراً وعدہ سے پھر گئے اور بخل کرنے لگے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ٥ فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ٥

(التوبہ ۷۵-۷۶)

ترجمہ: اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ وخیرات کریں گے اور پوری طرح نیکوکاروں میں ہو جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب اپنے فضل سے انہیں مال دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا۔

وعدہ خلافی اور جھوٹ تو منافق کی بنیادی نشانیاں ہیں۔ لوگوں سے تو منافقین وعدہ خلافی کرتے ہی ہیں۔ ظالموں نے اللہ تعالیٰ سے بھی وعدہ خلافی کر ڈالی۔ کہ اس ذات سے عہد کیا کہ اگر ہمیں مال و دولت دیا گیا تو ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ضرور خرچ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نفاق ظاہر کرنے کے لئے انہیں مال و دولت سے نوازا تو فوراً اپنے عہد سے مکر گئے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے بخل سے کام لیا اور دولت پر سانپ بن کر بیٹھ گئے۔

قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی ان کا بخل ظاہر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ط (التوبہ-٦٧)

ترجمہ: تمام منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں۔ یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں۔ اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں۔

مطلب یہ کہ منافق مرد اور عورتوں کی ایک ہی چال ہے وہ یہ کہ در پردہ نیکی سے روکنا اور برائی کو پھیلانا ان کا مشن ہے۔ وہ اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں یعنی بخل سے کام لیتے ہیں۔ جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع ہو کترا جاتے ہیں۔ کبھی کہیں لوگوں پر اپنی سخاوت کا رعب ڈالنے کے لئے خرچ کرنا بھی پڑے تو بڑی مجبوری اور بددلی سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ O (التوبہ-٥٤)

ترجمہ: وہ (منافق) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے مگر بادل ناخواستہ۔

چونکہ ایک منافق اپنا کفر چھپانا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ تو کرے گا۔ لیکن بڑے جبر و کراہت کے ساتھ اور وہ بھی اس جگہ جہاں اپنا کفر اور بغض چھپانے کا اور کوئی راستہ نہ ہو۔

جہاد سے جی چرانا:

منافق کا ہر نیک عمل دکھاوے کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن جہاد اور روزہ ایسے دو عمل ہیں جن کی بجا آوری میں منافق پھنس جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں لوگوں پر جعلی عکس ڈالنا مشکل ہوتا ہے۔ منافق جب جہاد کے لئے نکلے گا تو اسے اپنی جان کا

Marfat.com

نذرانہ پیش کرنا ہے۔اور جان پیش کرنے میں وہ کوئی جعلسازی نہیں کرسکتا لہٰذا وہ اپنی خیر اسی میں دیکھتا ہے کہ کوئی حیلہ بہانہ بنا کر جہاد میں شرکت سے معذوری ظاہر کی جائے۔ جب اسے آخرت کی جزا وسزا کا یقین ہی نہیں تو وہ اپنی جان مفت میں کیوں گنوائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ تعالیٰ بن اُبی جنگ احد میں عین وقت پر اپنے تین سو ساتھیوں سمیت مسلمانوں کو بے یارو مددگار چھوڑ کر میدان جنگ سے واپس لوٹ آیا۔ بہانہ یہ بنایا کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔قرآن کریم نے منافقین کے اس کردار کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔

وَاِنَّ مِنكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيدًا ۝ (النساء-۷۲)

ترجمہ: اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو لڑائی سے جی چراتا ہے۔اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہ گیا۔

مطلب یہ کہ منافق خود بھی جہاد میں جانے سے جی چراتا ہے اور دوسروں کی ہمتیں بھی پست کرتا ہے۔اور اگر خدانخواستہ مسلمانوں کو کوئی صدمہ یا عارضی شکست پیش آگئی تو عقل کل بن کر بڑے فخر سے کہتا ہے کہ اچھا ہوا میں نے جہاد سے اپنا دامن بچالیا ورنہ میری بھی خیر نہیں تھی۔ دوسرا ظلم یہ کرتا ہے کہ جہاد میں اپنی عدم شرکت کو اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیتا ہے۔انسانوں کو تو دھوکہ دیتا ہی ہے۔ بد بخت اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دینا چاہتا ہے۔اسی لئے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ منافقین اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن ان کو اس کا شعور نہیں ہے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر نفیر عام کا حکم تھا۔ یعنی جہاد ہر کلمہ گو کے لئے فرض عین قرار دیا گیا۔ اب منافقین کے لئے جان بچانا مشکل ہو گیا تو طرح طرح کے عذر پیش کر کے جہاد سے عدم شرکت کی اجازت حاصل کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی منافقت کا پردہ چاک کر دیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ط اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ط وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ (التوبہ۔۴۹)

ترجمہ: اور ان میں سے کوئی وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ "مجھے رخصت دیجئے اور مجھ کو فتنہ میں نہ ڈالئے" آگاہ رہو فتنے میں تو یہ لوگ پڑ چکے ہیں۔ اور یقیناً کافروں کو جہنم گھیرے ہوئے ہے۔

یہاں لفظ فتنہ کے دو معنے لئے جا سکتے ہیں۔ ایک گناہ کے معنی میں یعنی منافقین اپنی پارسائی ظاہر کرنے کے لئے کہتے تھے کہ اگر ہم بغیر اجازت کے جہاد سے منہ موڑ کر اپنے گھروں میں بیٹھے رہے تو ہمارے لئے گناہ کا کام ہو گا۔ لہٰذا ہمیں اجازت دیجئے۔ دوسرے معنی ہلاکت اور گمراہی کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک خاص منافق جد بن قیس نے نہایت ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیغمبر ﷺ کے سامنے جہاد سے رخصت لینے کا یہ بہانا تراشا کہ میں حسن پرست آدمی ہوں۔ رومی عورتوں کو دیکھ کر میں صبر نہیں کر سکوں گا۔ اور ان کے فتنہ میں مبتلا ہو

Marfat.com

جاؤں گا۔ آپ نے چہرہ پھیر کیا اور اجازت دے دی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں باری تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہاد سے گریز کر کے فتنے میں تو پڑ چکے ہیں اور مرنے کے بعد جہنم ان کو گھیر لینے والی ہے۔

لَوْ كَانَ عَرَضاً قَرِيباً وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ط (التوبۃ-۴۲)

ترجمہ: اگر فائدہ سہل الحصول ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے۔ لیکن ان پر تو یہ راستہ بہت کٹھن ہو گیا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین دیکھ رہے تھے کہ سخت گرمی کا موسم ہے۔ نئے سال کی فصلیں کٹنے کے قریب ہیں۔ ملک قحط کی زد میں ہے اور پھر مقابلہ روم جیسی طاقت سے ہے۔ لہٰذا یہ سفر بہت کٹھن لگا۔ اگر کہیں لڑائی کسی کمزور دشمن سے ہوتی جس میں کوئی جانی یا مالی نقصان کا اندیشہ نہ ہوتا تو یہ ضرور مال غنیمت کے لالچ میں پیغمبر کے ساتھ ہو لیتے اور کبھی رخصت نہ مانگتے۔

پھر فرمایا کہ ان منافقین کا جہاد کرنے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ O (التوبۃ-۴۶)

ترجمہ: اگر ان کا ارادہ جہاد کے لئے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لئے تیاری کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا اٹھنا ہی پسند نہ تھا۔ اس لئے انہیں سست کر دیا اور

Marfat.com

کہہ دیا گیا کہ بیٹھ رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ۔

یہاں باری تعالیٰ نے منافقین کے عذر کو جانچنے کی ایک کسوٹی بتا دی۔ عذر ان ہی لوگوں کا قابل قبول ہو سکتا ہے جو تعمیل حکم لئے تیار ہوں پھر کسی اتفاقی حادثے کے سبب معذور ہو گئے ہوں منافقین نے غزوہ تبوک میں حصہ لینے کے لئے نہ کوئی تیاری کی اور نہ کوئی ارادہ کیا عین وقت پر مختلف حیلے بہانے کر کے کھسکنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا جہاد میں حصہ نہ لینے میں ہی مسلمانوں کی مصلحت تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل کر دیا۔ اگر یہ جہاد میں شامل ہو جاتے تو جھوٹی خبروں اور سازشوں سے مسلمانوں کے حوصلے پست کرتے۔

شک اور تذبذب:

دنیا میں بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جو قطعیت کے ساتھ خدا کی ہستی اس کے رسولوں فرشتوں قیامت اور جزا و سزا کا انکار کرتے ہوں کیونکہ اس انکار کے لئے ان کے پاس کوئی ٹھوس بنیاد نہیں جس پر وہ بھروسہ کر سکیں۔ ہر زمانے میں انسانوں کی اکثریت نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کے پیغمبروں اور جزا و سزا کا انکار صرف شک کی بنیاد پر کیا یعنی شیطان نے ان کے دلوں میں ایک وسوسہ اور شک ڈال دیا کہ پتہ نہیں یہ دنیا خود بخود چل رہی ہے یا اس کو بنانے اور چلانے والی کوئی ہستی موجود ہے۔ جس کو "اللہ" تعالیٰ کہتے ہیں۔ پتہ نہیں پیغمبروں کی باتیں سچی ہیں یا یہ اپنی طرف سے گھڑ رہے ہیں پتہ نہیں قیامت آئے گی یا نہیں آئے گی۔ یہی

Marfat.com

شک اکثر لوگوں کو کفر کے مقام پر لے گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور روز جزا وسزا کا صاف انکار کر دیا۔ انہی لوگوں کو کفار کہا جاتا ہے۔

انسانوں میں کفار کے ساتھ ساتھ ایک اور گروہ بھی رہا ہے۔ جنہوں نے اسی شک کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور قیامت کے برپا ہونے کا دل سے تو انکار کیا لیکن چند مصلحتوں کی خاطر زبان سے اقرار کر لیا۔ انہیں منافقین کہا جاتا ہے دراصل انسانوں کا یہ ٹولہ بہت شاطر اور چالاک ہے دلی ہمدردیاں تو کفار کے ساتھ رکھتا ہے تاکہ آڑے وقت میں ان سے مدد لی جائی۔ لیکن زبانی اقرار کی حد تک مسلمانوں میں شامل رہتا ہے۔ تاکہ ایک تو آستین کا سانپ بن کر مسلمانوں کو ڈستے رہیں دوسرا جو فوائد حقیقی اور سچے مسلمانوں کو حاصل ہوں ان سے استفادہ کیا جا سکے۔

دوسرے لفظوں میں وہ انتظار کی کیفیت میں رہتے ہیں۔ جدھر پلڑا بھاری نظر آیا ادھر اپنا وزن ڈال دیا۔

قرآن کریم نے اسی شک اور تذبذب کو منافقین کی دل کی بیماری قرار دیا ہے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ (البقرہ ۱۰)

ترجمہ: ان (منافقین) کے دلوں میں بیماری ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیماری مزید بڑھا دی۔

دراصل شک اور یقین قانونی اور حقیقی ایمان کی بنیادیں ہے۔ منافق اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی ہستی اور قیامت کے حساب و کتاب کے بارے میں ہمیشہ شک میں مبتلا رہتا ہے جب کہ مومن کا عقیدہ اِن چیزوں کے بارے میں پختہ یقین پر استوار ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا وہ (سچے مومن) آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں منافقین کے شک اور تذبذب کو مختلف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ O (التوبۃ ۱۱۰)

ترجمہ: ان کی یہ عمارت جو انہوں (منافقین) نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کی بنا پر (کانٹا بن کر) کھٹکتی رہے گی۔ بجز اس کے کہ ان کے دل ہی پارہ پارہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔

اس سے پہلے والی آیت کو ملا کر پڑھنے سے مطلب یہ سمجھ آتا ہے کہ مومن کا عمل تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے ہوتا ہے۔ گویا س نے اپنے کارنامہ زندگی کی عمارت ٹھوس بنیادوں پر استوار کی جسے گرنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ جب کہ ایک منافق کا عمل فساد اور شکوک وشبہات پر مبنی ہوتا ہے۔ گویا وہ ایک ایسی عمارت تعمیر کر رہا ہے۔ جو کھوکھلی زمین پر کھڑی ہے۔ جو کسی وقت بھی گر سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے موت آجائے۔

سورہ الحدید میں قیامت کے دن مومنین اور منافقین کی گفتگو کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ O (الحدید-۱۴)

ترجمہ: یہ (منافقین) چلا چلا کر ان (مومنین) سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ وہ (مومنین) کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈال رکھا تھا اور انتظار کرتے رہے اور شک وشبہ میں پڑے رہے۔ اور تمہاری فضول تمناؤں نے تمہیں دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ گیا۔ اور آخر وقت تک وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ دیتا رہا۔

یہ قیامت کا منظر ہے مومنین جنت میں داخل ہوں گے اور منافقین کو جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ تو وہ مومنین کو پکار کر کہیں گے کہ کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے روزے نہیں رکھتے تھے جہاد نہیں کرتے تھے۔ پھر ہمارے لئے جہنم کیوں۔ مؤمنین ان کو آئینہ دکھائیں گے کہ ہاں تم نے زبانی ایمان کا اقرار تو کیا تھا۔ لیکن تمہارے دل میں بغض اور نفاق تھا۔ لذات اور شہوات میں پڑ کر اپنے نفس کو دھوکہ دے کر ہلاکت میں ڈالا۔ شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ پھر توبہ بھی نہ کی بلکہ انتظار کرتے رہے کہ کب مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے۔ جھوٹی تمنائیں لے کر جیتے رہے کہ آخرت میں زبانی اقرار پر ہی ہمارا چھٹکارا ہو جائے گا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ پہنچا اور موت نے آ

Marfat.com

دبوچا۔ اس پورے عرصہ میں اس بڑے دھوکے باز یعنی شیطان نے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ تم حقیقی ایمان کی فکر کرتے۔

منافقین کی تذبذب اور شک وشبہات کی کیفیت کو سورہ نساء میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ○ (النساء۱۴۳)

ترجمہ: وہ (منافق) درمیان میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں نہ پورے اِن کی طرف اور نہ پورے اُن کی طرف۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

مطلب یہ کہ منافقین نہ پورے مسلمانوں کے ساتھ اور نہ پورے کفار کے ساتھ۔ بلکہ درمیان میں معلق ہیں۔ ظاہراً مسلمانوں کے ساتھ تو باطناً کافروں کے ساتھ۔ جدھر فائدہ نظر آیا وہیں جھک گیا۔ اور بعض منافق تو ایمان اور کفر کے درمیان متذبذب ہی رہتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے۔ منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو جفتی کے لئے دو ریوڑوں کے درمیان متردد رہتی ہے (بکرے کی تلاش میں) کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی دوسرے کی طرف۔

دوغلہ پن:

دوغلہ پن منافق کی بنیادی خصوصیت ہے۔ وہ در پردہ کفار اور شیطانی

Marfat.com

طاقتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتا ہے۔ اگرچہ ظاہراً مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر وہ مسلمانوں میں ہو تو ان کا اگر کافروں میں ہو تو ان کا اور حقیقت میں کسی کا بھی نہیں۔ دونوں فریقوں سے مفادات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ قرآن میں منافق کی یہ کیفیت مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہے۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ O (البقرہ ۱۴)

ترجمہ: اور جب وہ (منافق) مسلمانوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان (مسلمانوں) سے مذاق کر رہے تھے۔

یہاں شیطانوں سے مراد سردارانِ کفار و یہود ہیں جن کی ایما پر منافقین مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے یا پھر منافقین کے اپنے سردار جنہیں خوش کرنے کے لئے وہ اسلام اور مسلمانوں کیخلاف زہر اگلتے تھے۔ منافقین کا یہ وطیرہ تھا کہ مسلمانوں میں آ کر اپنے ایمان کی گواہی دیتے تھے۔ جس کے ثبوت کے لئے وہ نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن کفار کے سرداروں اور اپنے رئیسوں اور بڑے لوگوں میں جا کر اپنے ایمان کی نفی کرتے تھے اور انہیں یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ ظاہری ایمان اور زبانی اقرار تو صرف اس لئے ہے کہ ہم مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں۔ انہیں بے وقوف بناتے ہیں۔ تاکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے جتنے فوائد اور جتنی مراعات حاصل ہوں ان پر ہاتھ مار

Marfat.com

سکیں۔اور مسلمانوں کے ہاتھوں امن و آشتی میں رہیں۔

منافقین کے دوغلے پن کی ایک خوب صورت تصویر سورہ المائدہ میں کھنچی گئی ہے۔

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى اَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ط (المائدہ-۵۲)

ترجمہ: آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے۔وہ دوڑ دوڑ کر ان (یہود نصاریٰ) میں گھس رہے ہیں۔اور کہتے ہیں "ہمیں ڈر لگتا ہے کہ ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں"۔

منافقین یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی رکھتے تھے۔اسلام نے ابھی تک ایک فیصلہ کن طاقت اختیار نہیں کی تھی۔وہ اہل کتاب سے اپنے روابط کا جواز یہ بتاتے تھے کہ اگر (خدانخواستہ) اسلام مغلوب ہو جائے تو ان کے لئے کوئی نہ کوئی جائے پناہ محفوظ رہے۔اور ایسی صورت میں وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ خواہ مخواہ نہ رگڑے جائیں دوسری طرف پیغمبر علیہ السلام اور مخلص مسلمانوں کے سامنے آتے تو یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کا یہ جواز پیش کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے آڑے وقت میں قرض لیتے ہیں۔اگر کوئی تنگی یا قحط رونما ہو گیا تو ایسے وقت میں یہی ہمارے کام آئیں گے۔

جھوٹ اور جھوٹی قسمیں:

منافق کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔اور اپنے

Marfat.com

جھوٹ کو سچ ظاہر کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے۔ قسم ایک ایسی چیز ہے جس میں انسان اپنی بات کی سچائی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے۔ تاکہ اس کی بات کی صداقت کو تسلیم کر لیا جائے۔ ایک عام مسلمان کا عقیدہ ہے کہ جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا منافق آدمی اس عقیدہ سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ بار بار قسمیں کھائے گا تاکہ اس کی جھوٹی بات کو سچا مانا جائے۔ حالانکہ قابل غور بات یہ ہے کہ جو آدمی جھوٹ بولتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ جھوٹی قسم کھاتے ہوئے کیوں ڈرے گا۔ منافق کے جھوٹ کی گواہی تو خود اللہ تعالیٰ نے دے دی ہے۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقُوْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ (المنافقون-۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

قرآن حکیم میں منافقین کی جھوٹی قسموں کا بار بار ذکر آیا ہے۔ وہ ہر موقع پر اپنی قسموں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (المنافقون-۲)

ترجمہ: انہوں (منافقین) نے اپنی قسموں کا ڈھال بنا رکھا ہے۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے خود بھی رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ کیسا برا فعل ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

منافقین قسموں سے ڈھال کا کام لیتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی ناراضگی اور

Marfat.com

غصے سے بچے رہیں۔ یہ قسمیں وہ مختلف مواقع پر مختلف مقاصد کے لئے کھاتے تھے۔ مثلاً کبھی اپنے ایمان کا یقین دلانے کیلئے۔ کبھی اپنی منافقت پر پکڑے جانے پر کبھی اپنی جھوٹی بات کو سچا ثابت کرنے کیلئے۔ کبھی لوگوں کو صراط مستقیم سے روکنے کے لئے اور کبھی جھوٹی افواہوں کو سچا ظاہر کرنے کے لیے۔ ان کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے کہ کسی طرح اسلام اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر اپنے ذاتی مقاصد پورے کیے جائیں۔

سورہ توبہ میں منافقین کی قسموں کا ذکر مختلف انداز میں کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ منافقین قسمیں کیوں کھاتے ہیں۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ○

(التوبہ-۵۶)

ترجمہ: اور یہ (منافق) اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہاری جماعت کے لوگ ہیں۔ حالانکہ وہ تمہاری جماعت کے لوگ نہیں بات صرف اتنی ہے کہ وہ تم سے ڈرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ منافقین قسمیں کھا کر مسلمانوں میں شامل اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کفار جیسا معاملہ نہ ہو اور وہ اپنی جائدادیں اور مال محفوظ رکھ کر ہر قسم کے نقصانات سے بچ جائیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ○ (التوبہ-۶۲)

Marfat.com

ترجمہ: یہ (منافق) تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کریں۔ حالانکہ اگر وہ مومن ہیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ یہ ان کو راضی کریں۔

مطلب یہ کہ منافقین مسلمانوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی یا ہم فلاں غزوہ میں فلاں وجہ سے نہ جا سکے تا کہ ان کو راضی کر کے اپنی جان و مال محفوظ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تم دعویٰ ایمان میں سچے ہو تو جھوٹ اور منافقت چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کی فکر کرو۔

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِھِمْ وَ ھَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ۚ (التوبۃ-۷۴)

ترجمہ: یہ (منافق) اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا۔ حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے۔ اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کام کا قصد کیا جو وہ پورا نہ کر سکے۔

منافقین پیغمبر علیہ السلام اور دین اسلام کی اہانت کرتے۔ جب کوئی مسلمان ایسے کفریہ کلمات سن کر پیغمبر علیہ السلام تک پہنچاتا تو فوراً مکر جاتے اور قسمیں کھا کر یقین دلاتے کہ ہم نے ایسی بات نہیں کہی۔ باری تعالیٰ مسلمان راویوں کی تصدیق فرما رہے ہیں کہ بے شک انہوں نے کلمہ کفر منہ سے نکالا۔ اور ظاہراً اسلام قبول کرنے کے بعد وہ کافروں جیسی حرکتیں کر رہے ہیں۔ آیت کے آخری

Marfat.com

حصہ میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔غزوہ تبوک سے واپسی پر آپ ایک پہاڑی راستہ کو تشریف لے جا رہے تھے کہ رات کی تاریکی میں تقریباً بارہ منافقین نے چہرے چھپا کر آپ پر حملہ کرنا چاہا۔مگر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اطلاع دے دی۔ جس سے منافقین کا منصوبہ ناکام ہو گیا لٰہذا وہ اپنے منصوبے کو عملی جامعہ نہ پہنا سکے۔

منافق اور گناہگار مسلمان میں فرق:

ایک منافق اور گناہگار مسلمان میں فرق یہ ہے کہ منافق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور یوم آخرت پر دلی یقین نہیں رکھتا۔ یا اس کی اندرونی کیفیت شک وتذبذب کی آئینہ دار ہوتی ہے۔اس کی عبادت یا مسلمانوں کے ساتھ دوستی محض نمائشی ہوتی ہے ورنہ اس کی حقیقی ہمدردیاں کفار کے ساتھ ہوتی ہیں۔ جب کسی منافق کا نفاق ثابت ہو جائے تو نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے گا۔ جب تک کہ وہ سچی توبہ کر کے حقیقی ایمان کی طرف لوٹ نہ آئے۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ کفار کے برابر تصور کیا جائے گا۔ایک گناہگار مسلمان اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان تو رکھتا ہے لیکن اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں۔ان پر پوری طرح عمل نہیں کرتا۔ گناہ سے بچنے کے لئے جو حدود اور پابندیاں عائد کی ہیں ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ بے چارہ سمجھتا ہے کہ محض اس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کو مان لینا ہی نجات کے لئے کافی ہے۔ جیسے اکثر بے عمل مسلمان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے ہر کلمہ گو کو بخش دے گا۔

Marfat.com

ایسے گناہگار مسلمانوں کا جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔ اور ان کا صدقہ بھی قبول کیا جائے گا۔ ہاں یوم آخرت میں ان کو اپنے گناہ کے مطابق سزا دے کر پاک کیا جائے گا تا کہ وہ بھی آخر کار جنت کے مستحق ہوسکیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ منافق ایک نمائشی مسلمان ہے کیونکہ اس کا عقیدہ اور عبادات محض نمائش اور دکھاوا ہے۔ اور گناہگار مسلمان ایک پیدائشی مسلمان ہے کیونکہ اس کا مسلمان ہونا محض اس وجہ سے ہے کہ وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوا۔ اور کلمہ پڑھ کر مسلمانوں کی صف میں شامل ہوگیا۔

گناہگار مسلمانوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یوم آخرت پر ایمان لا کر نماز اور روزہ کے علاوہ دوسری واجب عبادات بھی کسی حد تک ادا کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں بھی مبتلا رہتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کا اللہ تعالیٰ کی ذات اور قیامت پر عقیدہ تو ہے لیکن اعمال کی دنیا میں بالکل کورے ہیں۔ نہ نماز روزہ اور نہ دوسری عبادات کا اہتمام۔ صرف کبھی جمعہ یا عیدین کی نماز اس لئے پڑھ لی کہ مسلمانوں میں شمار ہوتا رہے۔ ورنہ بعض تو اس کو بھی دقیانوسی اور منافقت سمجھتے ہیں میرے جاننے والوں میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدیدار ایک دن بڑے فخر سے کہہ رہے تھے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی عید کی نماز بھی پڑھی ہو۔ اسی طرح ایک دوسرے صاحب کو جب میں نے ماہ رمضان میں اپنے دفتر میں کھلم کھلا کھانے سے ٹوکا (کہ کچھ تو رمضان کا احترام کرو) تو فرمانے لگے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تو بندوں سے

Marfat.com

کیوں ڈریں۔ دراصل مسلمانوں کا یہی طبقہ ظاہری ایمان کا حامل ہے جسے منافقین کے ساتھ نتھی کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر غور سے دیکھیں تو منافقین اور ان نام نہاد مسلمانوں کی حد بندی کی لکیر بہت باریک ہے۔ کیونکہ اگر یہ (گناہگار مسلمان) سچے دل سے اللہ تعالیٰ اور جزا سزا کے قائل ہوتے تو اعمال کی دنیا میں کچھ نہ کچھ تو ظہور ہوتا۔

-----☆☆☆-----

Marfat.com

بابِ ہفتم

توبہ اور رجوع الی اللہ

توبہ کے لفظی معنی ہیں کسی غلط کام کے کرنے پر ندامت اور پشیمانی ظاہر کر کے اسے ترک کر دینا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر اسے دوبارہ نہ کرنے کا عہد کرنا۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی کے اختیارات دیئے ہیں تا کہ اُس کا امتحان لیا جائے لہٰذا انسان نیکیاں بھی کرے گا اور برائیاں بھی کرے گا۔ توبہ اس دنیا میں انسانوں کے گناہ دھونے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کیلئے ایک ایسی نعمت ہے۔ جو ان کے گناہوں کی کدروتوں حتیٰ کہ شرک اور کفر کی گندگیوں کو اس طرح صاف کر دیتی ہے جیسے بارش گرد و غبار سے بھرے صاف و شفاف پتھر کو۔ بشرطیکہ وہ سچے دل سے کسی گناہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ دوسرے لفظوں میں توبہ ایک گناہگار انسان کا آخری سہارا اور امید کی ایک ایسی کرن ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے کبھی مایوس نہیں ہونے دیتی۔

رحمت الٰہی سے مایوسی گناہ ہے:

قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے جہاں انسانوں کو اپنے غیض و غضب عتاب

Marfat.com

اورعذاب سے ڈرایا ہے۔ وہیں سینکڑوں جگہ مختلف عنوانوں اور مختلف پیراؤں میں اپنی شان رحمت ورافت بخشش وغفاریت اور مخلوق کے ساتھ اپنی عنایت ومحبت کو بھی بیان فرمایا ہے۔ تاکہ ایک طرف انسان گناہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ تو دوسری طرف جب بشری کمزوری کی وجہ سے اگر گناہ کر بیٹھے یا لگاتار کرتا چلا جائے تو اس کے لئے واپسی کا راستہ کھلا رکھا جائے۔ یہی توبہ کا فلسفہ ہے۔

توبہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی شان رحمت وغفاریت ہے۔ اور یہ اسی رحمت وبخشش اور انس ومحبت کا صدقہ ہے کہ باغی وسرکش انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑتے ہیں۔ ظلم وجبر کا بازار گرم کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دندناتے پھرتے ہیں۔ نہ ان پر آسمان سے بجلی گرتی ہے اور نہ زمین انہیں نگلتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت ہے کہ وہ ایسے انسانوں کو فوراً نہیں پکڑتا۔ انہیں مہلت دیتا ہے ان کے کرتوتوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ تاکہ ان میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی کا راستہ اختیار کرنا چاہیں۔ اپنی خطاؤں کی معافی مانگ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیں۔ اور آئندہ کے لئے اپنا رویہ درست کر کے اپنی عاقبت سنوار لیں۔ یقین جانیئے یہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے جس کا شکر بھی نہیں بجا یا لا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سی جاہل قومیں اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہیں کہ اس کی ذات قہر وغضب سے بھرپور ہے جس کو راضی کرنا مشکل کام ہے۔ اور

Marfat.com

اگر وہ رحیم اور مہربان ہے بھی تو اس کی رحمت اومہربانی چند اشخاص یا چند قوموں تک مخصوص ہے۔ ورنہ باقی دنیا کے لئے وہ بڑا اجبار وقہار ہے۔ یہی غلط فہمی اور گمراہی ان قوموں کے شرک کا باعث بنی۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے مایوس ہو گئے۔ اور سمجھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایسا سخت گیر اور جلالی ہے کہ عام انسان اس تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ اپنی فریاد براہ راست اس تک پہنچا سکتا ہے۔ شیطان نے انہیں پٹی پڑھائی کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کچھ ایسی بزرگ ہستیاں ہیں۔ جو اپنی نیکی اور پاکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مقرب ہیں۔ اور اپنی ہر بات اللہ تعالیٰ سے منوا سکتی ہیں۔ لہٰذا ان کے دامن میں پناہ لے لو تو تمہارا بیڑا پار ہے۔ گمراہ انسانوں نے اسے ایک آسان نسخہ سمجھا اور ان ہستیوں کی نذر و نیاز تعظیم حتےٰ کہ پوجا تک کرنے لگے۔

اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت و رافت کو بہت اجاگر کیا گیا ہے۔ تاکہ گناہ گار اور خطا کار انسان کے لئے ایک امید کا سہارا قائم رہے۔ اور وہ موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے کسی وقت بھی اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر باری تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس کی رحمت سے ہمکنار ہو جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ غفور الرحیم رؤف الرحیم تواب الرحیم ارحم الرحمین کو اپنی صفات قرار دیا ہے یہاں تک کہ قرآن کی ابتدائی آیت، بسم اللہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت ہی کا تذکرہ ہے۔ اور پھر قرآن کی پہلی سورہ فاتحہ کی ابتداء ہی اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور رحمت سے ہوتی ہے۔ جس سے

Marfat.com

انسانیت کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے مایوس نہ ہو جانا۔ گناہ کرنے کے بعد بھی تمہارے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے اگر سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو گے تو تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

انسانوں کے گمراہ کن نظریات میں سے ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ایک گناہگار انسان کو اپنی گناہ کی سزا بہر حال بھگتنا ہو گی۔ فرقہ معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ صغیرہ گناہ توبہ سے معاف ہو سکتے ہیں لیکن کبیرہ گناہوں کی معافی ممکن نہیں۔ لہٰذا صغیرہ کے ساتھ کبیرہ گناہ بھی مل جائیں تو سب کی سزا بھگتنی ہو گی۔ یہ اور ایسے نظریات انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب سزا ہی ملنی ہے تو اَب توبہ تائب ہونے کا کیا فائدہ۔ قرآن اس نظریئے کی تردید کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ بھلائی کی جزا اور برائی کی سزا دینا بالکل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کریم و رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ علیم اور حکیم بھی ہے۔ وہ سینوں کے بھید اور دلوں کے ارادے اور نیت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اگر انسان سچے دل اور خالص نیت سے توبہ کرے گا اور پچھلے گناہوں پر شرمسار ہو کر آئندہ کے لئے نہ کرنے کا عہد کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمت و بخشش کے سامنے یہ سوچنا بھی ایک غیر فطری سی بات لگتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ تو قبول کرے لیکن پچھلے گناہ معاف نہ کرے اور سزا کی تلوار ساری زندگی تائب انسانوں پر لٹکتی رہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اتنا رحیم اور شفیق ہے کہ اس نے توبہ

Marfat.com

کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ آخری وقت تک مہلت دیتا ہے کہ کسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر واپس آ کر سزا سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشی بخشش اور معافی دینے میں ہے نا کہ سزا دینے میں۔ ہاں اگر انسان خود باغی ہو کر اپنے کرتوتوں پر ڈٹ جائے تو پھر اس پر سزا اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ کیونکہ ایک باغی اور ایک مطیع انسان کے درمیان مساوی سلوک اللہ تعالیٰ کے عدل اور حکمت کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ط وَ کَانَ اللّٰہُ شَاکِراً عَلِیْماً O (النساء-۱۴۷)

ترجمہ: آخر اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان اور جاننے والا ہے۔

مطلب یہ کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کا احسان مند بن کر اُس کی نعمتوں کا شکر زبان دل اور عمل سے بجا لائے اور حقیقی ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس کو خواہ مخواہ سزا دے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشی تو اسی میں ہے کہ اس کا بندہ اس کے دیئے ہوئے امتحان میں کامیاب ہو کر سزا سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کا قدردان ہے۔ وہ ان کے ہر اچھے کام کی قدر کرتا ہے۔ اور ان کی خدمت اور نیک عمل سے زیادہ ان کو صلہ دیتا ہے۔ خاص کر بندہ جب گناہوں کو ترک کر کے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا

Marfat.com

ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اپنا پورا طرز زندگی بدل لیتا ہے۔

رحمتِ الٰہی عدلِ الٰہی کے ساتھ منسلک ہے:

قرآن مجید جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور عفو و بخشش کی وسعت بیان کرتا ہے وہاں اس کی صفت عدالت اور سرکش مجرموں اور باغی انسانوں کے لئے اس کے غیض و غضب اور مثالی سزاؤں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک انسان رات دن اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پاسداری کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کر رہا ہے۔ عسرت اور تنگی کے باوجود رزق حلال پر گزارہ کر رہا ہے۔ کسی بھی لالچ یا دباؤ میں آ کر جھوٹ نہیں بولتا اور اس کے برعکس دوسرا انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کے دھجیاں بکھیر رہا ہے۔ حلال حرام سے بے نیاز ہے۔ رات دن جھوٹ بولتا اور جھوٹ بلواتا ہے۔ زندگی میں عیاشی ہی عیاشی ہے۔ تو کیا رحمت الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ اس کے سارے کرتوت نظر انداز کر دیئے جائیں۔ اور دونوں انسانوں کے ساتھ برابری کا سلوک ہو۔ ہرگز نہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفت عدالت یہ تقاضا کرتی ہے کہ دونوں کے ساتھ مختلف سلوک ہو۔ اسی لئے نسل انسانی کی ہدایت کیلئے آنے والا ہر پیغمبر جہاں ''بشیر'' تھا وہاں ''نذیر'' بھی تھا۔ یعنی جہاں وہ نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی خوشخبری دیتا تھا۔ وہاں باغی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب اور عذاب سے ڈراتا بھی تھا۔ مقصد یہ ہے کہ گناہگار انسان صرف رحمت

Marfat.com

الٰہی پر بھروسہ کر کے مطمئن نہ ہو جائیں۔ توبہ تائب ہو کر اپنے اعمال درست کریں۔ رحمت الٰہی صرف ان کے لئے ہے جو اپنے گناہوں (بشمول غلط عقائد) کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں پچھلے گناہوں پر پچھتائیں اور آئندہ نہ کرنے کا پکا عہد کریں۔ یا ان انسانوں کے لئے ہے جو روزمرہ زندگی میں غفلت میں چھوٹا موٹا گناہ کر کے فوراً احساس کر لیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔ رحمت الٰہی ان کے لئے نہیں جو اللہ تعالیٰ کے باغی ہوں اور اپنی بغاوت اور شرارت پر ڈٹے رہیں۔ ایسے انسانوں کا انجام قرآن مجید بار بار بڑے شد و مد کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ تاکہ قیامت کے دن یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہمیں سزا کا پتہ نہیں تھا۔ اور ہم رحمت الٰہی پر ہی بھروسہ کرتے رہے۔

آج کل اکثر بے عمل اور قانونی ایمان کے حامل مسلمان اسی دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ وہ ہر گناہ بڑے دھڑلے سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ ہمیں بخش دے گا۔ دراصل یہ پٹی بھی ان کو شیطان پڑھاتا ہے کہ تم نے کلمہ توحید پڑھ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور قیامت کو مان چکے ہو۔ یہی تمہاری نجات کے لئے کافی ہے۔ کلمہ پڑھنے کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ نہ بخشے تو وہ غفور الرحیم کیسا۔ بھولا انسان سمجھتا ہے کہ کلمہ پڑھ کر میں نے بڑا تیر مار لیا ہے۔ اور یہ نہیں سوچتا کہ ایک صالح مسلمان اور ایک بدکار مسلمان ایک ہی لاٹھی سے کیسے ہانکے جائیں گے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

اس کی عدالت اور مجرموں کی سزا کا بھی ذکر ہے تا کہ بھولے انسان یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اب ہمیں گناہوں کی کھلی چھٹی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش ہمیں ہر عذاب اور سزا سے بچالیگی۔ مثلاً درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○
(الفاتحہ ۲-۴)

ترجمہ: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اور جزا کا مالک ہے۔

قرآن مجید کی ابتدائی سورہ کی ابتداہی جہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی رحمت و مغفرت کی وسعت کے ساتھ ہوئی وہاں ساتھ یہ بھی بتادیا کہ لوگو تمہارے لیے ایک جزا اور سزا کا دن بھی آنے والا ہے۔ جہاں انسانوں کو ان کے اچھے اور برے اعمال کی بنیاد پر جزا و سزا دی جائے گی۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ (الانعام-۱۴۸)

ترجمہ: اے پیغمبر اگر یہ لوگ (واضح بیان کے بعد بھی) تمہاری تکذیب کریں۔ تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا پرودگار بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ (اسی لئے تم کو مہلت دے رکھی ہے۔ لیکن یاد رکھیئے مجرموں کو سزا دینا بھی اس کا قانون ہے۔ لہٰذا) مجرموں پر سے اس کا عذاب نہیں ہٹایا جاتا۔

یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کے سبب مجرموں کو مہلت

Marfat.com

تو دی جاتی ہے تاکہ وہ ہوش کے ناخن لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عادی مجرم عذاب الٰہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جب بھی اپنی حکمت اور عدالت کے تحت مجرموں کی سزا کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر اس عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے ورنہ آخرت میں تو ضرور آئے گا۔

نَبِّیءْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُo وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُo (الحجر ۴۹-۵۰)

ترجمہ: (اے نبی) میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں۔ اور ساتھ ہی میرا عذاب بھی بہت دردناک ہے۔

یعنی اے پیغمبر آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ بخشش کے بارے میں بتا دیں کہ وہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ لہٰذا گناہ گار جب اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے اپنے گناہ کی معافی مانگتا ہے۔ تو اس کے سارے گناہ معاف کر کے ان پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔ لیکن جو شخص اپنی شرارت اور بدکاری پر ڈٹ جائے۔ تکبر اور غرور سے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑتا رہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے۔ کیونکہ ایک صالح اور ایک باغی انسان کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں کیا جا سکتا اسی طرح سورہ مومن کے شروع میں جہاں توبہ کرنے والوں کو بخشش اور معافی کی خوشخبری دی وہاں عادی مجرموں کی سزا کا بھی ذکر کیا۔

Marfat.com

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ O (المؤمن-۳)

ترجمہ: وہ گناہ بخشنے والا اور توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے (لیکن سرکش مجرموں کے لئے وہ) بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔ وہ سب قدرت رکھتا ہے۔ اس کے سوا کوئی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔ سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قرآن میں مختلف مقامات پر واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ضرور ہے۔ لیکن صرف انکے لئے جو توبہ کے ذریعے معافی مانگ کر اِس کے در پر لوٹ آئیں۔ جہاں تک عادی مجرموں کا تعلق ہے۔ وہ سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور صفت عدالت کا یہ تقاضا ہے۔ کہ نیک اور بدکار انسانوں کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکا جائے۔ اگر نیک اور بدکار انسان سب ہی جنت کے مستحق ٹھہریں تو پھر انسانی مقصد بعثت (آزمائش اور امتحان) کی بھی نفی ہو جائے گی جیسے فرمایا:

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ O مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ O

(قلم ۳۵-۳۶)

ترجمہ: کیا ہم اپنے فرمانبردار بندوں کو نافرمان مجرموں کے برابر کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے حکم لگاتے ہو۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ط

Marfat.com

اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِO (ص ۲۸)

ترجمہ: کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں کے برابر کرسکتے ہیں۔ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کرسکتے ہیں۔

توبہ کے بنیادی اصول:

اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید دلوں کے ارادے اور دماغ کی سوچ سے ہر طرح باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کسی انسان نے کس ارادے سے توبہ کی ہے۔ کیا اس نے دنیوی فوائد اور شہرت حاصل کرنے کے لئے کسی گناہ کو ترک کیا ہے۔ یا محض اللہ تعالیٰ کے خوف اور قیامت کے دن اور حساب و کتاب کے ڈر سے۔ کیا سچے دل سے توبہ کی ہے یا محض وقت گزاری یا کسی خاص موقع و محل کی نسبت سے۔ کیا پچھلے گناہوں پر پشیمان ہے اور حتیٰ الامکان ان کی تلافی کرتا ہے۔ یا موقع ملتے ہی دوبارہ شیطانی راستوں پر لوٹ آتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے توبہ اور توبہ کرنے والے انسانوں کے لئے چند اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں تا کہ وہ توبہ کو ایک غیر سنجیدہ فعل اور کھیل تماشہ نہ بنالیں۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے خوف اور ڈر سے سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ توبہ کے چند بنیادی تقاضے درج ذیل ہیں۔

۱۔ توبہ ایمان کے ساتھ نافع ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْآ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ O (الاعراف ۱۵۳)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کر دینے والا رحمت کرنے والا ہے۔

یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب تک انسان کفر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پیغمبروں کی حقانیت اور آخرت کی صداقت پر ایمان نہ لے آئے توبہ نافع نہیں ہوسکتی ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی صفات اور روز جزا اور سزا کا قائل ہی نہیں تو اس کی توبہ یقیناً بے معنی ہے۔ کیونکہ توبہ نام ہے اللہ تعالیٰ کے خوف سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ جب اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہیں تو توبہ کس بات کی۔

اس آیت مبارکہ میں ان مشرکین اور کفار کے لئے خوشخبری ہے۔ جو کفر و شرک کو ترک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے وہ گناہ جو تم حالت کفر میں کرتے رہے ہو معاف کر دیئے جائیں گے۔ بشرطیکہ تم توبہ کر کے حقیقی ایمان کے حامل بن جاؤ۔

توبہ کی بنیاد خلوص نیت اور خوف خدا ہے:

دین میں انسان کی نیت کو ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ صحیح بخاری کی ایک ابتدائی حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

Marfat.com

''تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو وہ نیت کرے۔ پھر جس نے دنیا کمانے یا کوئی عورت بیاہنے کیلئے ہجرت کی (دیس چھوڑا) اس کی ہجرت اسی کام کے لئے ہوگی''۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنا وطن چھوڑنا بہت بڑا ثواب ہے۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ میں دوسرے وطن میں جا کر دولت اکٹھی کروں گا۔ یا کسی عورت سے شادی کروں گا۔ تو یہ ہجرت انہیں مقاصد کے لئے شمار ہوگی خواہ اس میں وہ کئی دینی امور بھی سرانجام دیتا رہے۔ لیکن اگر ایک انسان صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر وطن چھوڑتا ہے۔ تو وہ ہجرت کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ خواہ اس کے نتیجے میں اسے مال و دولت کمانے یا کسی خوبصورت عورت سے شادی رچانے کا موقع بھی میسر آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسانی عمل کو انسان کی نیت کی بنیاد پر پرکھتا ہے۔ کیونکہ وہ نہ صرف نیتوں بلکہ انسانی سوچوں اور ارادوں سے بھی باخبر ہے۔ اس کی ایک اور مثال ذہن میں رکھئے۔ ایک آدمی جنگل میں کنواں اس نیت سے کھدواتا ہے کہ لوگ یہاں گزرتے ہوئے اس میں گریں گے اور میں ان کی دولت لوٹوں گا۔ تو اس کو لیٹرا تصور کیا جائے گا خواہ لوگ اس کنویں سے پانی پی کر اپنی پیاس بجھاتے رہیں۔ لیکن اگر اس آدمی کی نیت یہ تھی کہ یہاں سے مسافر گزریں گے اور کنویں کے پانی سے اپنی پیاس بجھائیں گے تو وہ ثواب کا مستحق ہوگا خواہ کوئی آدمی کنویں میں گر ہی کیوں نہ جائے۔

توبہ کے لئے ضروری ہے کہ انسان خلوص نیت سے توبہ کرے۔ اس میں ریا

Marfat.com

اور نفاق کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے۔ اگر دل کے اندر نفاق ہے یا توبہ کے مقاصد بدنیتی پر مشتمل ہیں۔ تو یہ توبہ نہیں ہوگی۔ اسی لئے منافقین کی توبہ قبول نہیں کیونکہ ان کے دل کے اندر منافقت اور دوغلہ پن ہوتا ہے۔ اور وہ لوگوں کو دھوکے دینے کے لئے ڈرامہ بازی کرتے ہیں۔ سچی توبہ تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمان باری تعالیٰ ہے۔

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (التحریم-۸)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو خالص توبہ۔

یہاں خالص توبہ سے مراد یہ ہے کہ جب انسان سے کوئی قصور ہو جائے تو وہ اپنے گناہ پر نادم ہو۔ پھر سچے دل سے شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے اور آئندہ یہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے مخاطب ہیں کہ اے ایمان والو! تم سے گناہ تو سرزد ہوتے ہیں کلمہ پڑھ کر بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی دھجیاں اڑاتے رہتے ہو۔ تمہیں ایک آسان نسخہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف فوراً رجوع کرلو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو لیکن اپنی توبہ کو غیر سنجیدہ مت بناؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کا خوف سامنے رکھ کر سچے دل اور خلوص نیت سے توبہ کرو کہ شیطان کو دوبارہ حملہ کرنے کی جرات نہ ہو۔ اور تمہارا دل شک و نفاق کی بیماری سے ہمیشہ کے لئے پاک ہو جائے۔

حضرت علی کے مطابق خالص توبہ کے لئے چھ چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔ جو کچھ ہو چکا انسان اس پر نادم ہو۔

Marfat.com

۲- اپنے جن فرائض سے غفلت برتی ہو ان کو ادا کرے۔

۳- جس کا حق مارا ہو اس کو ادا کرے ورنہ معاف کرائے۔

۴- جس کو تکلیف پہنچائی ہو اس سے معافی مانگے۔

۵- آئندہ کے لئے ایسا گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے۔

۶- اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گھلا دے کہ وہ اطاعت کی تلخی کا مزہ چکھے۔

خالص توبہ کے لئے درج ذیل امور بھی ذہن میں رہنے چاہیں۔

۱- کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سمجھ کر محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے چھوڑ دینا توبہ ہے۔ ورنہ کسی گناہ کو اس لئے چھوڑنا کہ وہ صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔ یا اس کے چھوڑنے سے مالی فائدہ یا دنیوی شہرت حاصل ہونے کا امکان ہے تو یہ توبہ میں شامل نہیں ہوگا۔ خواہ زبان سے انسان سو مرتبہ توبہ کہہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فیصلہ نیتوں کی بنیاد پر کرنا ہے۔

۲- جس وقت انسان کو احساس ہو جائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے۔ اسی وقت توبہ کر لینی چاہیے اسے ٹالنا نہیں چاہیے۔ یا کوئی گناہ اِس بھروسہ سے پر نہیں کرنا چاہیے کہ بعد میں توبہ کر لیں گے۔ جیسے قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر ہے جنہوں نے حضرت یوسف کو قتل کرنے کی سازش اِس بنا پر کی کہ بعد میں توبہ تائب ہو جائیں

Marfat.com

گے۔

اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ○ (یوسف ۹)

ترجمہ: چلو یوسف کو قتل کر دو یا اسے کہیں پھینک دو تا کہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے۔ یہ کام کرنے کے بعد پھر (توبہ کر کے) نیک بن جانا۔

یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کی ذھنیت کی ترجمانی کرتی ہے۔ جو نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر گناہ تو کرتے ہیں لیکن نیکی کے ساتھ بھی کچھ رشتہ جوڑے رکھنا چاہتے ہیں۔ شیطان انہیں تھپکی دیتا ہے کہ کوئی بات نہیں۔ یہ گناہ کر لو بعد میں توبہ تائب ہو جانا۔ ایسے لوگ گناہ کرتے وقت اپنے ضمیر کو تسلی دیتے ہیں کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آخر ہم نے توبہ کے ذریعے اپنا گناہ معاف کرا ہی لینا ہے۔

میرے بھائیو ذرا سوچو! ہم توبہ کا کتنا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ توبہ تو اس لئے ہے کہ ہم پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنے گناہ بخشوائیں اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کریں۔ نہ اس لئے کہ اس کے بھروسے پر الٹا گناہ کرنے پر دلیر ہو جائیں اور توبہ کرنے کی خواہش دل ہی میں رہے کہ موت آ جائے۔۔ اگر ایک شخص توبہ کو ٹال رہا ہے کیا اسے یقین ہے کہ اس کی زندگی میں توبہ کا موقع اسے مل جائے گا۔ زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور توبہ بھی اسی کے فضل سے

Marfat.com

عطا کی جاتی ہے۔ انسان کو تو احساس ہوتے ہی پہلے موقع پر توبہ کر لینی چاہیے۔ کیا پتہ بعد میں توبہ کا موقع ہی نہ آئے اور انسان اس دنیا سے کوچ کر جائے۔

۳- توبہ کرنے کے بعد اس پر قائم رہنا چاہیے۔ اسے بار بار توڑ کر یا اسی گناہ کا اعادہ کر کے توبہ کو مذاق اور کھیل تماشا نہیں بنانا چاہیے۔ ایسی توبہ خالص نہیں بلکہ جھوٹی توبہ ہوگی۔ کیونکہ توبہ کی اصل روح گناہ پر شرمساری ہے نا کہ گناہ کا اعادہ۔ ہاں اگر بشری کمزوری کی بنا پر آدمی سچی توبہ کا ارادہ رکھتے ہوئے پھر کہیں پھسل جائے تو فوراً دوبارہ توبہ کر لینی چاہیے۔ اس ارادہ کے ساتھ کہ آئندہ توبہ کو نہیں توڑے گا۔

۴- توبہ کرنے کے بعد اگر نفس گزشتہ گناہوں کے لذائذ کی یاد سے لطف اندوز ہو رہا ہے تو سمجھ لیجئے کہ ابھی شیطان حملے کر رہا ہے۔ وہ بار بار دل میں وسوسے ڈال رہا ہے کہ "بھولے انسان! اپنی دو دن کی زندگی کیوں خراب کرتے ہو۔ اس سے خوب لطف اٹھاؤ پیشتر اس کے کہ تمہارے قویٰ ختم ہو جائیں اور تم بستر پر جا پڑو۔ یا موت تمہیں اچانک اُچک لے" بہر حال انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ توبہ کرنے کے بعد وہ شیطان کے حملوں سے محفوظ نہیں ہو جاتا بلکہ شیطان کو دکھ ہوتا ہے کہ اس کی جماعت کا ایک آدمی جماعت سے نکل گیا لہٰذا وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اسے واپس لایا جائے۔ اس موقع پر انسان کو چاہیے کہ بار بار توبہ کرتا رہے ساتھ ساتھ استغفار بھی پڑھتا رہے حتےٰ کہ گزشتہ گناہوں کے لذائذ کڑواہٹ میں

Marfat.com

بدل جائیں جس سے گذشتہ گناہوں پر شرمساری محسوس ہونے لگے۔

توبہ موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے تک نافع ہے:

پیغمبر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اسی وقت تک قبول کرتا ہے۔ جب تک کہ موت کے آثار شروع نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے لمحات مقرر کر دیئے ہیں جن کے دوران وہ برائی یا نیکی کر سکتا ہے ظاہر ہے توبہ تو اس وقت نافع ہو گی جب ایک انسان ایک گناہ کرنے کی طاقت اور قدرت رکھتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے اسے ترک کر دے۔ موت کے وقت تو ایک انسان دیکھ رہا ہے کہ اب اس کے قویٰ ختم ہو گئے۔ اس کی نفسانی خواہشات مرجھا گئیں۔ وہ کسی گناہ کے کرنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ لہٰذا اگر اُسے اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر یقین ہے تو وہ ضرور چاہے گا کہ توبہ کا آسان نسخہ استعمال کر کے وہ پچھلے گناہ بخشوا لے۔ لیکن نہیں وہ اللہ تعالیٰ کو فریب نہیں دے سکتا۔ اس نے اپنا قیمتی وقت گناہوں اور عیاشیوں میں ضائع کر دیا پوری زندگی ایک دفعہ بھی توبہ کا خیال نہ آیا۔ اب موت کے فرشتے دیکھ کر توبہ یاد آ گئی ایسی توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے عدل کے بھی خلاف ہے۔ اور انسانی زندگی کے مقصد امتحان کے بھی۔

قرآن مجید میں اسی چیز کو سورہ نساء میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ

Marfat.com

تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ط اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًاO (النساء:۱۷-۱۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں اور پھر جلد ہی باز آجائیں اور توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔اور ایسے لوگوں کی کوئی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی۔ اور ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر پر ہی مرجائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

انسان ہر گناہ نادانی اور جہالت سے ہی کرتا ہے۔ ورنہ اگر وہ عقل اور علم سے کام لے تو گناہ کیوں کرے۔ یہاں دراصل نادانی سے مراد ایسا گناہ کرنا ہے۔جس کا فوراً احساس ہو جائے یا جب بھی احساس ہو جائے فوراً رجوع کرلیا جائے۔اس کے برعکس ان گناہوں پر توبہ نہیں جو کوئی آدمی تکبر اور غرور میں آکر خوف خدا سے بے نیاز ہو کر قصداً کرتا ہے اور پھر کرتا ہی چلا جاتا ہے یہاں تک موت کے آثار ظاہر ہو جائیں۔ انسان کا امتحانِ زندگی موت کے آثار ظاہر ہونے تک ہے جب امتحان کی مدت ہی ختم ہوگئی تو اب پچھتاوا یا توبہ کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا بلکہ اب تو امتحان کے نتیجے کا انتظار کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ابتداء ہی میں فرما دیا کہ متقی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو

Marfat.com

غائب پر ایمان لاتے ہیں۔موت کو دیکھ کر توبہ کرنا تو کوئی انسانی کمال نہیں آپ آگ کو دیکھ کر جانتے ہیں کہ یہ جلاتی ہے آپ کبھی اس میں ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ ایک خوفناک چیز کو دیکھ کر ڈر جانا اور اس سے بچنے کی جدوجہد کرنا تو ایک فطری چیز ہے مزہ تو تب ہے کہ آپ غائب پر ایمان لا کر اپنا تن من دھن قربان کر دیں موت کو دیکھ کر توبہ کرنے والے انسانوں کی عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرعون کا واقعہ بیان کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

حَتّٰی اِذَآ اَدْرَکَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ○ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ کُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ○ (یونس ۹۰-۹۱)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب فرعون (بنی اسرائیل کا پیچھا کرتے کرتے) دریا میں ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں اس ذات پر کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (باری تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا گیا) اب ایمان لاتا ہے؟ اور پہلے تو تو سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں رہا۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئی لاکھ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تا کہ اس قوم کو فرعون کی غلامی اور ظلم سے نجات دلائی جائے۔فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا۔تا کہ اس قوم کو دوبارہ غلامی میں لایا جائے۔بحر قلزم کے کنارے پہنچ کر بنی اسرائیل پریشان ہو گئے کہ

Marfat.com

آگے سمندر اور پیچھے فرعون اور اس کا لشکر۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر پر لاٹھی ماری تو سمندر کا پانی اِدھر اُدھر کھڑا ہو گیا۔ اور درمیان میں ایک خشک راستہ بن گیا جس سے بنی اسرائیل نے اطمینان سے سمندر پار کر لیا۔ فرعون نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنے آدمیوں سے بولا۔ بیوقوفو! دیکھتے کیا ہو۔ جب بنی اسرائیل سمندر پار کر گئے ہیں تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔ یہ کہہ کر اپنے لشکر سمیت سمندر کے وسط پہنچا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی نے اپنا راستہ پکڑا۔ خشک راستہ پانی کی نذر ہونے لگا۔ فرعون سمجھا کہ اب موت یقینی ہے۔ تو فوراً اپنے ایمان کی گواہی دی اور بڑا موحد بن کر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب ایمان لاتے ہو؟ اب تو امتحان کا وقت ختم ہو گیا۔ جس وقت ایمان لانے کا وقت تھا جس وقت اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال و دولت صحت اور اقتدار سے نوازا تھا۔ اس وقت تو تو زمین میں فساد کرتا تھا۔ بے گناہ لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتا تھا۔ اپنے سوا کسی کو رب نہیں مانتا تھا۔ اب موت کو سامنے دیکھ کر تیرا ایمان جھوٹا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ اور آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہو گی۔

اسی طرح جب کوئی شخص کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے ساری زندگی توبہ کا خیال ہی نہیں آیا۔ یہی سمجھتا رہا کہ مر کر مٹی ہو جانا ہے۔ ایسا شخص جب قیامت کے دن اُخروی زندگی کی سرحد میں قدم رکھے گا اور وہ چیز اپنی آنکھوں سے دیکھے گا جس کو دنیا میں جھٹلاتا تھا۔ تو فوراً رجوع کرنے کی کوشش

Marfat.com

کرے گا۔ اور حسرت سے کہے گا کہ کاش مجھے ایک دفعہ دنیا میں عمل کرنے کا موقع دوبارہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے" بھولے انسان عمل کی دنیا تو ختم ہوگئی اب تو حساب و کتاب اور جزاوسزا کی دنیا ہے۔ کیا تمہارے پاس پیغمبروں یا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ذریعے ہدایت کا سامان نہیں کیا گیا تھا"۔ وہ اقرار کرے گا کہ ہاں سب کچھ بتایا گیا تھا لیکن میں اندھا ہوگیا تھا۔ میں بہرہ ہوگیا تھا نہ حق دیکھ سکا نہ حق سن سکا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم جھوٹ بولتے ہو اگر تمہیں دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو یہی حرکتیں کرو گے۔ لیکن دوبارہ بھیجنا اللہ تعالیٰ کا دستور نہیں۔ کیونکہ اب تو سب کچھ تم آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں پھینک دو۔

آیات بالا انسانوں کو یہ پیغام بھی دیتی ہیں کہ دنیا کی زندگی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ عمل کی زندگی ہے۔ اسی میں انسان اپنی عاقبت سنوارتا یا بگاڑتا ہے۔ اس زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ جو واپس مڑ کر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں جنت حاصل کرنا صرف دنیوی زندگی کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔ نہ عالم ارواح میں اس کا حصول ممکن ہے۔ نہ عالم آخرت میں۔ اس لئے اس زندگی کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت جان کر آخرت کے حصول میں کھپا دینا چاہیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی انسانی زندگی بہت محترم اور مقدس ہے۔ قتلِ انسان گناہ کبیرہ ہے۔ اسلام میں خودکشی حرام اور موت کی تمنا یا دعا کرنا ممنوع ہے۔ بعض قرآنی آیات یا احادیث میں دنیا کی مذمت یا حیات دنیا کو جو لہو ولعب قرار دیا گیا ہے وہ

Marfat.com

دنیا کے وہ لمحات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت میں گزارے جائیں۔

توبہ سے دنیوی سزا اور بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے:

انسان پر اس دنیا میں عموماً دو قسم کے حقوق ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں جیسے کلمہ توحید قیامت کا یقین اور مختلف عبادات جیسے نماز حج روزہ زکوٰۃ۔ حقوق العباد سے مراد لوگوں کے حقوق ہیں جیسے ماں باپ، پڑوسی غربا مساکین اور عام انسانوں کے حقوق۔ سچی توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کی خلاف ورزی کی پاداش میں ہونے والے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ بڑا ہی غفور الرحیم اور ارحم الراحمین ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ عادل کل بھی ہے۔ توبہ سے انسانوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ مظلوم اور محروم انسانوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اسی طرح وہ دنیوی سزائیں جو معاشرے میں فساد کو روکنے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مقرر کی گئی ہیں توبہ سے معاف نہیں ہوتیں۔ تاکہ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کو روکا جا سکے۔ تمدن اور تہذیب کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے دائرہ میں رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کی حدود توڑنے والوں کو لگام دی جا سکے۔ اسی لئے سچی اور خالص توبہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ انسان اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے دوبارہ نہ کرنے کا عہد کرے اور اگر کسی کا حق دبایا ہوا ہے تو اس کا حق ادا کرے یا اس سے معاف کروائے اگر کسی پر ظلم کیا ہوا ہے تو اس سے معافی مانگ کر اسے راضی

Marfat.com

کرے۔اسی طرح اگر کسی انسان نے ایسا گناہ کیا ہے جس پر حد جاری ہوتی ہے تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ کر توبہ تائب ہو جائے گا آئندہ نہ کرنے کا عہد بھی کرے گا لیکن حد کی سزا اس سے ساقط نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایک تو اس سے معاشرے میں انصاف اور تمدن کا نظام بہتر ہوگا۔ دوسرے توبہ کا تعلق انسان کی نیت اور خلوص دل سے ہے۔ جس کی جانچ کرنا انسانوں کے بس میں نہیں۔ یہ صرف ذات باری تعالیٰ ہے جو انسانی توبہ کے خلوص اور حقیقت کو جان سکتی ہے۔ اگر توبہ کرنے سے دنیوی سزا بھی معاف ہوسکتی تو ہر شخص جھوٹی موٹی توبہ کر کے ایسی سزا سے بچ سکتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حدود کی سزا بے معنی ہو جاتی اور معاشرے میں فساد برپا ہو جاتا۔ لہٰذا توبہ سے معافی کا تعلق اخروی سزا سے ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (المائدہ ۳۸-۳۹)

ترجمہ: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا۔ اور اللہ تعالیٰ قوت اور حکمت والا ہے۔ پھر جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ

Marfat.com

معاف فرمانے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کے ساتھ چور مرد یا چور عورت کی طرف مائل ہونا جب کہ وہ چوری کے گناہ سے توبہ کر چکے ہوں یہ معنی نہیں رکھتا کہ ان کا ہاتھ بھی نہ کاٹا جائے۔ ہاتھ کاٹنا تو ایک دنیوی سزا ہے جو معاشرے میں امن و عدل اور برائیوں کی حوصلہ شکنی کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ دنیوی سزا سے نفس پاک نہیں ہوتا اور نہ ہی آخرت کی سزا معاف ہوتی ہے جب تک کہ انسان سچی توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرے۔ لہٰذا کسی بھی شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ اگر وہ کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے جس پر دنیوی سزا لاگو ہوتی ہے تو دنیوی سزا بھگتنے کے ساتھ وہ سچی توبہ بھی کرے تاکہ ایک تو وہ ایسا گناہ کرنے کی طرف دوبارہ مائل نہ ہو دوسرا اس گناہ کی اُخروی سزا سے بچ سکے۔ یہی اصول سورہ نور میں سزائے قذف کے بارے میں لاگو ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص یا عورت کسی پاکدامن عورت یا مرد پر زنا کی تہمت لگائے اور وہ بطور ثبوت چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کے لئے تین احکامات بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں۔

۲۔ ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے۔

۳۔ انہیں فاسق تصور کیا جائے۔

اب اگر تہمت لگانے والا توبہ کرتا ہے تو تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ توبہ سے اسی کوڑوں کی سزا معاف نہیں ہوگی۔ اگر اختلاف ہوا ہے تو اس بات پر کہ کیا

Marfat.com

توبہ کرنے والے کی شہادت آئندہ قبول کی جائے یا نہ کی جائے یا اسے فاسق تصور کیا جائے یا نہ کیا جائے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ توبہ کا تعلق دل کی ندامت اور عزم اصلاح سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔آخر وہ کونسا مجرم ہے جو سزا سے بچنے کے لئے توبہ نہیں کرے گا۔اسی طرح قتل زنا یا شراب کے بارے میں جو دنیوی سزائیں مقرر کی گئی ہیں وہ توبہ سے معاف نہیں ہوں گی۔البتہ سچی توبہ سے آخرت کی سزائیں معاف ہو سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو گناہ گار بندے کی توبہ بہت محبوب ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وشفقت سے انسان کو پیدا کیا۔اس فانی دنیا کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی کے لوازمات بھی بتا دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ آخرت کی کامیابی دنیوی زندگی کے عمل کی قیمت سے خرید سکتے ہو۔پھر چونکہ انسان طبعاً کمزور اور زود فراموش ہے اس دنیا کی رنگینیوں میں گم ہو کر راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی اسی مستعار زندگی میں بار بار سنبھلنے سدھرنے اور کامیاب بننے کے مواقع فراہم کیے۔رسولوں کی بعثت آسمانی کتابوں کا نزول معلموں کی آمد شریعت کی تعلیم گناہوں پر جسمانی سزا و تعزیر عمل خیر پر روحانی لذت اور عمل شر پر روحانی غبار و کدورت کے لوازم اسی لئے مقرر کئے گئے تاکہ انسان گناہوں سے بچا رہے اور اگر غلطی سے گناہ کر بیٹھے تو توبہ کا سہارا لے کر صراط مستقیم پر واپس لوٹ آئے۔جو بدنصیب گناہوں پر گناہ کئے جاتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ ذرائع ہدایت سے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیل دیتا ہے وہ گمراہیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں حتیٰ کہ موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

انسانوں کا ایک دوسرا گروہ ہے جو کفر و شرک اور گناہ تو کرتا ہے۔ لیکن جلد یا بدیر ان کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے۔ ان کی فطرت سلیمہ بیدار ہو جاتی ہے۔ انہیں اپنے رب اور قیامت کے دن سے خوف آنے لگتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اپنی پچھلی زندگی سے بیزار ہو کر اللہ تعالیٰ سے آئندہ کے لئے نیکوکاری کا مستحکم وعدہ کرتے ہیں۔ اپنی تقصیروں اور فروگزاشتوں پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں۔ اسی کا نام توبہ ہے۔ یہ توبہ گناہگار سے گناہگار انسان کو بھی خدا کی آغوش محبت میں لا کر ڈال دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے کہ میرا بھٹکا ہوا انسان میرے غضب سے ڈر کر میری رحمت کے سہارے میرے در پر لوٹ آیا ہے۔ اس نے میری ربوبیت اور حاکمیت کو مان لیا ہے اسے قیامت کا یقین ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی انا اور ضد کو ختم کر دیا ہے۔ ایسے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی درگاہِ میں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ ان کی پچھلی خطائیں معاف کر کے ان کی عزت افزائی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دربار دنیوی بادشاہوں کے دربار کی طرح نہیں۔ جہاں معافی مانگنے والوں کو پہلے جھاڑیں پڑتی ہیں۔ پھر ناک سے لکیریں نکلوائی جاتی ہیں پوری طرح عزت نفس مجروح کی جاتی ہے۔ پھر جا کر کہیں معافی کی صورت نکلتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں۔ جب کوئی انسان اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف

Marfat.com

پلٹتا ہے اس کی رحمت کا دامن اپنے لئے وسیع پاتا ہے۔

قرآن میں حضرت شعیب کی قوم کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے۔ جہاں حضرت شعیب اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کے لئے توبہ اور استغفار کا نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے ان کے پہاڑ جیسے گناہ معاف ہو سکتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ○ (ہود ۹۰)

ترجمہ: (حضرت شعیب نے کہا اے میری قوم کے لوگو) اپنے رب سے معافی مانگو۔ اور اسی کی طرف پلٹ آؤ۔ بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ سنگدل اور بے رحم نہیں ہے۔ اگر انسان گناہ کرنے کے بعد بھی سچی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت اسے ڈھانپ لے گی۔ اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور وہ دین اور دنیا میں کامیاب ہوگا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ○ (ہود ۵۲)

ترجمہ: اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو۔ تاکہ وہ برسنے والے بادل تم پر

Marfat.com

بھیج دے اور تمہاری طاقت پر اور طاقت بڑھا دے اور تم جرم کرتے ہوئے رو گردانی نہ کرو۔

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح کو بھیجا گیا جنہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلائے اور کہا۔

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ (ہود ۶۱)

ترجمہ: اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہیں زمین میں بسایا ہے۔ پس تم اسی سے معافی طلب کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب قریب ہے اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

حضرت نوح نے قوم کی بے رخی کا شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ (نوح ۱۰)

ترجمہ: اور میں (حضرت نوح) نے کہا اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ۔ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔

آخری پیغمبر محمد ﷺ نے بھی اپنی قوم کو دعوت توحید کے ساتھ توبہ اور استغفار کی رغبت دلائی۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ (ہود ۲-۳)

Marfat.com

ترجمہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔ اور یہ کہ تم لوگ اپنے رب سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ وہ تم کو وقت مقررہ تک اچھا سامان (زندگی) دے گا۔ اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ اور اگر تم لوگ اعراض کرتے ہو تو مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

اس سے یہ واضح ہوگیا کہ تمام پیغمبروں نے اپنی گمراہ قوموں کو سب سے پہلے عقیدہ توحید اور عقیدہ قیامت کی دعوت دی۔ ان کو عقلی اور نقلی دلائل سے سمجھایا۔ ساتھ ہی توبہ اور رجوع الی اللہ کا آسان عمل تجویز کیا۔ تاکہ گمراہ انسان ایک تو عقیدہ توحید پر ڈٹ جائیں دوسرا ان کے پچھلے گناہ (حتیٰ کہ کفر اور شرک تک) معاف ہو جائیں اور وہ دلجمعی کے ساتھ اپنے اپنے دین کی پیروی کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں (دنیا سے) لے جاتا اور ایسی قوم لے آتا جو گناہ کرتے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادیتا"۔ (صحیح مسلم)

اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کرنے والے پر خوش ہوتا

Marfat.com

ہے علماء کے مطابق گناہ سے بچنے والا بہر حال گناہ کرنے والے سے افضل ہے۔ لیکن اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آنا اور ہمیشہ کے لئے اس گناہ کو چھوڑ کر سچی توبہ کر لینا بھی بہت بڑی سعادت ہے۔

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے سے کتنی محبت کرتا ہے پیغمبر علیہ السلام نے دو مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ ایک مثال اس شخص کی جس کا اونٹ کسی صحرا میں کھو گیا ہو۔ اور اس کا کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر ہو۔ وہ شخص اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ناامیدی کی حالت میں ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو۔ عین اس حالت میں اونٹ اس کے سامنے کھڑا ہو جائے تو اس وقت جتنی خوشی اونٹ کے مالک کو ہو گی اس سے زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو گناہگار انسانوں کے توبہ کر کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔ دوسری مثال میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس کچھ قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ چھوٹ گیا تھا۔ وہ بچے کی جدائی میں اتنی بے چین تھی کہ جو بچہ بھی سامنے آتا وہ چھاتی سے چمٹا لیتی اور دودھ پلانا شروع کر دیتی۔ پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا تم یہ گمان کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنا بچہ خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی۔ ہم نے عرض کیا کبھی نہیں بلکہ اگر بچہ گر جائے تو اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لئے رکھتی ہے۔

Marfat.com

انسانوں کودی گئی دنیوی مصیبتوں اور سزاؤں کا مقصد توبہ کی رغبت دلانا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لئے اتارا تو اس کے لئے ہدایت کے اسباب بھی مہیا کر دیئے جن کا تفصیلی ذکر پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے۔ بعض دفعہ انسان دولت نعمت کامیابی اقتدار سرداری چودھراہٹ اور جاہ ورتبہ کے نشہ میں اتنا مست ہو جاتا ہے کہ اس پر ہدایت کے سارے ذرائع بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔تب اللہ تعالیٰ انسان کو ایک ہلکی سی ٹھوکر لگاتا ہے۔اسے کسی مصیبت یا تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔خوشحالی کو بدحالی میں بدل دیتا ہے۔دوسرے انسانوں کو اس پر مسلط کر کے اس کا اقتدار اور جاہ وجلال خاک میں ملا دیتا ہے۔ اس کی آرزوؤں کی ناکامی اس کا مقدر بنا دیتا ہے تا کہ بدمست اور سرمست انسان چونک جائے اور سوچے کہ کوئی اعلیٰ ہستی ضرور ہے جو میری خوشیوں اور غموں پر قدرت رکھتی ہے۔جو مجھے بادشاہ سے فقیر اور ظالم سے مظلوم بنا سکتی ہے۔اور پھر توبہ کا سہارا لے کر پیغمبروں کی صداقت کو تسلیم کر کے باری تعالیٰ کے سامنے جھک جائے۔

قرآن پاک میں اس نکتہ کو جابجا بیان کیا گیا ہے مثلاً درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ○ (الاعراف-۱۳۰)

Marfat.com

ترجمہ: اور بیشک ہم نے فرعون والوں کو قحطوں اور پھلوں کی کمی کی مصیبت میں گرفتار کیا تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

یہاں آل فرعون کی سرکشی کا ذکر کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ فرعونیوں کو ابتدائی تنبیہ کے طور پر قحط اور خشک سالی کی سختیوں میں مبتلا کیا گیا تا کہ وہ خواب غفلت سے چونکیں اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول کر لیں۔

بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا:

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ○ (الاعراف-۱۶۸)

ترجمہ: اور ہم نے ان کو نعمتوں اور مصیبتوں کے ساتھ آزمایا تا کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) پھر آئیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمتوں سے مالا مال کیا۔ لیکن جب سرکشی سے باز نہ آئے تو مختلف مصیبتوں میں گرفتار کر دیا تا کہ توبہ اور رجوع اِلی اللہ تعالیٰ کے ذریعے صراط مستقیم پر آ جائیں۔

اسی سورہ میں ایک اور جگہ اس اصول کو بطور کلیہ بیان کیا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ○ (الاعراف-۹۴)

ترجمہ: اور ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار کیا کہ شاید وہ گڑگڑائیں۔

یہی اصول سورۃ السجدہ میں بیان کیا گیا ہے:

Marfat.com

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ (السجدہ-۲۱)

ترجمہ: اور ہم ان کو بڑے عذاب سے پہلے ادنٰے عذاب کا کچھ مزا چکھائیں گے تا کہ وہ اب بھی باز آجائیں۔ (اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں)۔

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو آخرت کے بڑے عذاب سے قبل اس دنیا میں ہلکا سا عذاب دیا جائے گا تا کہ وہ بدکاریوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ یہ ہلکا عذاب مختلف شکلوں میں ہو سکتا ہے مثلاً قحط بیماری، قتل و غارت، چوری ڈاکے، قید، غیر کی محکومی اور ذہنی بے سکونی وغیرہ۔ ہمارے ملک میں آج کل مسلمانوں پر ایک اور ہلکا سا عذاب مذہبی منافرت کی شکل میں آیا ہوا ہے۔ وہ فرقہ در فرقہ اور مسلک در مسلک میں بٹ کر اپنی ساری تو انائیاں ایک دوسرے کو کافر اور مشرک ثابت کرنے پر لگا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رکھی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔ اسی طرح پوری مسلم دنیا میں مسلمانوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں سے روگردانی کر کے اپنے آپ کو اس ہلکے عذاب کا مستحق بنایا ہوا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہر جگہ کفار کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اور اپنی زیست اسی میں سمجھتے ہیں کہ کفار کو ہر قیمت پر راضی اور خوش رکھا جائے۔ خواہ اس کے لئے اپنے بھائیوں کی خون

Marfat.com

ریزی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ مسلمانوں پر نااہل ظالم خودغرض اور ڈرپوک حکمرانوں کا مسلط کیا جانا بھی ان پر ایک ہلکا سا عذاب ہے تا کہ وہ چونکیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنے اعمال درست کریں۔

آیات بالا سے معلوم ہوا کہ دنیوی مصائب اور ہلکے عذاب کا مقصد شریر نفس کو راہ راست پر لانا ہے۔ ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ کتنے افراد بلکہ جماعتیں اور قومیں بھی مصائب ہی کی سرزنش سے متنبہ اور ہوشیار ہو کر امادہ اصلاح ہوتی ہیں۔ کتنے قاتل ڈاکو اور چور جیل میں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بن جاتے ہیں۔ مغرور سے مغرور انسان بھی ٹھوکر کھا کر سنبھل جاتا ہے۔ اس لئے کہ غافل انسانوں اور خود فراموش سرمستوں کو ہوش میں لانے کے لئے کبھی مصیبتوں اور دکھوں کی ایک خوراک ہی کافی ہوتی ہے۔ اور اگر شریر اور ضدی انسان اللہ تعالیٰ کی ان تنبیہات سے بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا بلکہ برابر اپنی ضد اور انا پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے زبردستی ہدایت نہیں دیتا بلکہ اسے پھر خوشحالی اور نعمتوں سے نوازتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بڑا دنیوی عذاب یا موت آ کر اسے دبوچ لیتی ہے۔ اور پھر آخرت کا عذاب تو یقینی ہے۔

سورہ انعام میں ایسے ہٹ دھرموں کی سزا کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوا بِمَاۤ اُوْتُوۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ O (الانعام-۴۴)

ترجمہ: پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی جاتی تھی۔ تو ہم نے ان پر

Marfat.com

ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ وہ ان چیزوں پر جو انہیں ملی تھیں خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔

مطلب یہ کہ گناہگار انسان کو اللہ تعالیٰ پہلے تھوڑا سا پکڑتا ہے اگر وہ گڑگڑایا اور توبہ کی تو بچ گیا۔ لیکن اگر ضد کی اور گناہ پر ڈٹ گیا تو پہلے تو اسے نعمتوں سے نوازا جاتا ہے کہ ممکن ہے نعمتوں پر شکر گزاری کرے۔ لیکن جب وہ شکر کی بجائے گناہوں میں مزید غرق ہو جاتا ہے۔ اور اپنی دولت اور امارت پر اتراتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اچانک پکڑ لیتا ہے۔ جس کے بعد خلاصی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

یہاں سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس دنیا میں مصیبتیں اور تکلیفیں صرف گناہ گار اور باغی انسانوں پر ہی نہیں آتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بھی ان کی لپیٹ میں آتے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ تو پہلے ہی توبہ کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کر چکے ہوتے ہیں۔ اس کا جواب کئی جہتوں سے دیا جا سکتا ہے۔ پہلی تو بات یہ ہے کہ نیکی اور بدی کی اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ کیونکہ وہی دلوں کا راز دان اور انسانی سوچوں اور ارادوں کا علیم کل ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک انسان ظاہراً نیک دکھائی دیتا ہو لیکن باطناً وہ کسی ایسے گناہ میں مبتلا ہو۔ جس کے لئے کسی مصیبت کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہو۔ دوسری بات یہ کہ دنیوی مصیبتیں نیک انسانوں کو بطور آزمائش دی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ مصیبت کے وقت میرا بندہ صبر وشکر سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے۔ یا بے صبر ہو کر شکوہ شکایت کرنے لگتا ہے۔ یا مصیبت سے

Marfat.com

چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی کو پکارتا ہے۔ جو صریحاً شرک ہے۔ تیسری بات یہ کہ دنیوی تکلیفوں اور مصیبتوں کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ یہ باری تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے کہ وہ مسلمانوں کو اسی دنیا میں معمولی تکالیف اور مصائب دے کر ان کو گناہوں سے پاک کرتا رہتا ہے۔ مختلف احادیث کی رو سے کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی مگر یہ کہ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو کوئی کانٹا چبھ جائے تو وہ بھی اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

-----☆☆☆-----

Marfat.com

باب ہشتم:

اُخروی زندگی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو زندگیاں عطا کی ہیں۔ ایک دنیوی زندگی جس کی تفصیلات پچھلے ابواب میں بیان کی جا چکی ہیں۔ دوسری اُخروی زندگی جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ دنیوی زندگی عارضی اور امتحان کی دنیا ہے جب کہ اُخروی زندگی مستقل اور حساب و کتاب کی دنیا ہے۔ دونوں زندگیوں کے درمیان ایک وقفہ ہے۔ جسے عالم برزخ کہتے ہیں۔ یہ وقفہ بھی دراصل اخروی زندگی میں شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی انسانوں کو کوئی عمل کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ بلکہ ان کے اعمال کی بنیاد پر جزا و سزا کی ایک جھلک دکھائی جاتی ہے جو کہ اُخروی زندگی کا خاصہ ہے۔

عالم برزخ:

دنیوی زندگی اور اُخروی زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اسے عالم برزخ کہتے ہیں۔ برزخ کا لفظ قرآن میں تین بار استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان پردہ مراد ہے۔ انسان پر جب موت واقع ہوتی ہے تو اس کی روح اس کے جسم سے الگ ہو جاتی ہے۔ اور یہ روح قیامت

Marfat.com

تک کسی خاص مقام کی انتظار گاہ میں رکھی جاتی ہے تاکہ قیامت کے دن اس روح کو اپنے اصلی جسم میں لوٹا کر حساب کتاب کے لئے پیش کیا جا سکے۔ انسانی روحوں کو قیامت تک کیوں انتظار کرایا جاتا ہے۔ اور ان سے فوری حساب کتاب لے کر جنت یا جہنم میں کیوں داخل نہیں کیا جاتا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان کے کچھ دنیوی اعمال کا گناہ وثواب اس کے مرنے کے بعد بھی قیامت تک اسے ملتا رہتا ہے۔ مثلاً صدقہ جاریہ، رفاہِ عامہ کے کام یا کسی بدعت کو رواج دینا۔ لہٰذا نیکیوں اور برائیوں کا صحیح وزن قیامت کے دن تب ہی ہوگا جب انسان کے دنیوی اعمال کے ساتھ ساتھ اس کی وفات کے بعد چھوڑے ہوئے برے یا اچھے اعمال کے اثرات کا وزن بھی کیا جائے۔ اور ایسے اثرات پر گناہ وثواب قیامت تک ملتا رہتا ہے۔ دوسرا کئی پیغمبر اپنی امتوں پر اور کئی امتیں دوسری امتوں پر گواہ کے طور پر پیش کی جائیں گی۔ تاکہ گمراہ انسانوں پر حجت پوری ہو۔ لہٰذا پوری نسل انسانی کو بیک وقت اپنی اپنی قبروں سے اٹھا کر میدان حشر میں حساب کے لئے پیش کیا جائے گا۔

قبر کی اصطلاح:

لفظ قبر سے مراد درحقیقت وہ خاک کا ڈھیر نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں بلکہ ارواح ونفوس کا وہ مقام ہے۔ جہاں یوم حشر تک ان انسانی ارواح کو دنیوی اعمال کی بنیاد پر راحت وتکالیف سے گزارا جاتا ہے۔ رہے مادی اجسام تو وہ تو موت کے بعد مٹی میں گل سڑ کر فنا ہو جاتے ہیں۔ یا آگ

Marfat.com

میں جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کا جزو بدن بن جاتے ہیں البتہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان بکھرے ہوئے اجزا کو اکٹھا کر کے ان میں روحوں کا لوٹا کر کھڑا کر دے گا تا کہ انسانوں سے دنیوی زندگی کے اعمال کا حساب وکتاب لیا جا سکے۔ البتہ پیغمبروں کے اجسام مبارک۔ قبروں میں صحیح سلامت رہتے ہیں۔

برزخ میں ارواح کا مسکن:

عالم برزخ میں نیک اور گناہگار انسانوں کی روحیں مختلف مقامات پر ہوں گی۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

کچھ روحیں عرش الٰہی کے قریب علیین کے مقام پر ہوں گی جیسے انبیاء کی روحیں۔ یہ سعید روحیں اپنی اپنی رہائش کے لحاظ سے بھی مختلف مقامات پر ہوں گی۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات مشاہدہ فرمایا۔

کچھ روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہوں گی۔ جنت میں جہاں چاہیں گی گھومیں گی جیسے شہدا کی روحیں۔ بعض نیک روحوں کی رہائش گاہ جنت کا دروازہ ہوگا۔ جہاں انہیں جنت کا رزق صبح شام دستیاب ہوگا۔

کفار اور فاسق لوگوں کی روحیں زمین پر ہی قید رہیں گی۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں ہوں گی کہ آسمانی بادشاہی کی حدود میں قدم رکھ سکیں یا نیک روحوں کے ساتھ رہ سکیں۔

نیک لوگوں کی روحیں آسمانوں پر اپنے اپنے درجے اور مقام کے لحاظ سے

Marfat.com

مختلف ٹھکانوں پر رہیں گی جہاں انہیں قربِ الٰہی نصیب ہوگا۔

کچھ بدکار لوگوں کی روحیں تنور میں جمع ہوں گی۔ کچھ خون کے دریا میں تیر رہی ہوں گی۔

کچھ گناہگار لوگوں کی روحیں فضائے زمین میں آوارہ پھریں گی یا اپنے خاکی جسموں کے اردگرد جہاں وہ دفن ہوئے ہوں منڈلاتی رہیں گی وہیں سے دوزخ کا منظر دیکھ کر تکلیف اٹھائیں گی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نیک لوگوں کی روحیں آسمانوں پر مختلف مقامات پر لذت وراحت کے عالم میں رہیں گی۔ جب کی کفار اور فاسق لوگوں کی روحیں زمین پر مختلف مقامات پر الم وتکالیف کا نظارہ کرتے ہوئے یوم حشر تک تڑپتی رہیں گی۔ بعض محققین کے مطابق انسانی روحیں جسم سے مفارقت کے بعد دوبارہ جسموں میں لوٹائی جاتی ہیں یا جسموں کے اردگرد منڈلاتی رہتی ہیں۔ یا جسم اور روح کے درمیان کچھ نہ کچھ تعلق قائم رہتا ہے۔ جس سے عالمِ برزخ میں روح کے ساتھ جسم کو بھی نعمت یا عذاب کا کچھ حصہ ملتا رہتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اِن جسموں کو کیسے عذاب ہوگا جو جل کر خاک ہو گئے ہوں یا جسے جانوروں نے کھالیا ہو یا کسی اور وجہ سے ناپید ہو گئے ہوں تو اِس کا جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ جب وہ روزِ محشر انسانی جسم کے پراگندہ اجزاء کو اکٹھا کر کے اُن میں روح لوٹا سکتا ہے۔ تو یہی کام عالمِ برزخ میں بھی اُس کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

عذاب برزخ:

عالم برزخ میں روح اور جسم کی مفارقت کے بعد نیک روحوں کو قیامت تک

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتا ہے انہیں راحت واسائشتات پہنچا کر خوش وخرم رکھا جاتا ہے لیکن گناہگار اور بری روحوں کو تکالیف میں رکھ کر عذاب کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ جس سے گناہگار اور باغی انسانوں کو صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ان کے ساتھ قیامت کے دن کیا سلوک ہونے والا ہے۔ اسی طرح نیک انسان عالم برزخ میں پہنچتے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نوازشات دیکھ کر قیامت کے دن اپنے انجام کا اندازہ کر لیتے ہیں۔ عذاب برزخ کے بارے میں قرآن کی متعدد آیات ہیں مثلاً درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ (التوبۃ-۱۰۱)

ترجمہ: ہم ان کو دو دفعہ عذاب دیں گے۔ پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

یہاں عذاب عظیم سے مراد دوزخ کا عذاب ہے۔ اور اس سے پہلے دو عذابوں میں ایک عذاب دنیا ہے اور دوسرا عذاب برزخ جو موت کے فوراً بعد شروع ہو جاتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۝

(محمد-۲۷)

ترجمہ: پھر ان (کافروں) کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ماریں گے۔

یہ کافروں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی گی ہے جب فرشتے ان کی روحیں

Marfat.com

قبض کرتے ہیں۔ روحیں فرشتوں سے بچنے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگتی ہیں تو فرشتے انہیں ضربیں لگا کر نکالتے ہیں۔ یہ غیبی ضرب خواہ اسی مادی جسم پر پڑتی ہو یا اس کے مثالی جسم پر یا روح پر۔ اس سے یہ بہر حال ثابت ہو گیا کہ مردہ پر موت کے وقت ہی سے عذاب کا ایک رنگ شروع جاتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ ج اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ۔ (الانعام-۹۴)

ترجمہ: اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔ کہ ہاں اپنی جانیں اپنے جسم سے نکالو۔ آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔

یہاں آج سے مراد موت کے دن سے لے کر پورا برزخ کا زمانہ ہے۔ کیونکہ عذابِ برزخ صرف ایک دن کے لئے نہیں بلکہ زمانہ برزخ کی پوری مدت پر محیط ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ظالموں کو روح قبض کرتے وقت ہی فرشتے عذاب برزخ کی خبر دے دیں گے۔

قوم نوح کے غرق ہونے کے بعد ہی آگ میں جانے کا ذکر ہے۔

اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ (نوح-۲۵)

ترجمہ: وہ ڈبو دیئے گئے پھر آگ میں داخل کیے گئے۔

یہاں آگ سے مراد عالم برزخ کا عذاب ہے۔ کیونکہ دوزخ کی آگ سے واسطہ تو قیامت کے دن حساب وکتاب کے بعد ہی پڑے گا۔

Marfat.com

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی کافر بیویوں کی موت کے بعد ہی عذاب کا ذکر ہے۔

وَ قِیۡلَ ادۡخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیۡنَ○ (التحریم ۱۰)

ترجمہ: اور کہا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی آگ میں داخل ہو جاؤ۔

یہاں بھی آگ سے مراد برزخ کا عذاب ہے۔

آل فرعون کے بارے میں فرمایا:

وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ○ اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ○ (المؤمن ۴۵-۴۶)

ترجمہ: اور آلِ فرعون پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا۔ آگ کہ اس پر وہ صبح شام پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ (فرمان ہوگا) فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔

یہاں صبح شام آگ پر پیش کئے جانے کا معاملہ عالم برزخ کا ہے۔ گویا کہ آگ پر پیش کیا جانا بھی ایک قسم کا عذاب ہے۔ کیونکہ انسان کو یہ آگ ہر وقت جہنم کے عذاب کا تصور دلاتی رہتی ہے۔ اور پھر قیامت کا عذاب سخت ترین ہو گا۔ جسے یہاں عذاب برزخ سے الگ بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی آیات کے علاوہ مختلف احادیث میں بھی عذاب قبر کا ذکر ہے۔ یہاں ایک حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''معراج کی رات میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے میں نے جبریل امین سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے (غیبت اور چغلی کھاتے تھے) اور ان کی عزتوں پر حملہ آور ہوتے تھے''۔

تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ عذاب قبر برحق ہے۔ صرف بعض معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں عذاب قبر کا ذکر نہیں۔ یہ غلط فہمی انہیں اس لئے ہوئی کہ قرآن میں عذاب قبر کا ذکر نہیں۔ لیکن انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ قرآن میں بعد موت اور قبل قیامت ارواح انسانی کے عذاب وثواب اور رحمت ولعنت کا ذکر موجود ہے جس سے مراد عذاب برزخ یا عذاب قبر ہی ہے۔

ثواب برزخ:

جس طرح گناہگار اور باغی انسانوں کی روحوں کو موت کے بعد قیامت تک عذاب قبر کی مختلف شکلوں سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح نیک اور صالح انسانوں کی روحیں عالم برزخ میں انعامات اور آسائشات سے نوازی جاتی ہیں۔ قرآن میں اس کے واضح اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً درج ذیل آیات پر غور کریں۔

Marfat.com

اَلَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیۡنَ ۙ یَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝ (النحل۔۳۲)

ترجمہ: جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک وصاف حالت میں وفات دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔اپنے کاموں کے بدلہ جنت میں چلے جاؤ۔

ظاہر ہے یہاں جنت سے مراد یا تو نیک لوگوں کو جنت کی خوشخبری دینا ہے۔یا عالم برزخ کے خوشحال اور خوشنما ماحول کو جہاں نیک انسانوں کی روحیں ٹھکانا پکڑیں گی جنت سے تشبیہ دینا ہے۔اس میں دوسرا گمان زیادہ ہے کیونکہ حقیقی جنت تو قیامت کے دن حساب وکتاب کے بعد ہی ملے گی۔

یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ۝ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ۝

(الفجر۔۲۷-۲۸)

ترجمہ: اے مطمئن روح! اپنے پروردگار کے پاس واپس چلی جا۔تیرا پروردگار تجھ سے خوش اور تو اپنے پروردگار سے خوش۔

یہاں خطاب چونکہ روح کو ہے جو موت کے وقت مادی جسم سے الگ ہو جاتی ہے۔اور پھر نیک روحیں ہی ساتویں آسمان پر عرش رحمٰن کے نزدیک لوٹائی جاتی ہیں لہٰذا نیک روح کو یہ خوشخبری موت کے وقت ہی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہے تاکہ وہ عالم برزخ میں سکون اور اطمینان سے رہے۔بہت سی صحیح احادیث بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔مثلاً ایک طویل حدیث مسند احمد نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

Marfat.com

کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا سامنے کر کے اس کی روح کو خطاب کرتے ہیں کہ اس بدن سے نکلو اس حالت میں کہ تم اللہ تعالیٰ سے راضی ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی۔ اور یہ نکلنا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عالم برزخ کی دائمی راحتوں کی طرف ہوگا۔

اب سورہ ابراہیم کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ۔ (ابراہیم ۲۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات پر اس دنیا میں بھی مضبوط رکھے گا اور آخرت میں بھی۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو بچلاتا ہے۔

اس کی تفسیر صحیح احادیث میں یہ ہے کہ موت کے بعد عالم برزخ میں جب فرشتے انسانوں سے توحید و رسالت کے بارے میں سوال کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جس طرح دنیوی زندگی میں ایمان کی بات پر قائم رہے اسی طرح عالم برزخ میں بھی قائم رہیں گے۔ اور اپنے ایمان کی گواہی دے کر عالم برزخ کی راحتوں سے ہمکنار ہوں گے۔ جب کہ کافر و مشرک جس طرح دنیا میں بھکے ہوئے تھے وہاں بھی بہک جائیں گے۔ اور فرشتوں کے پوچھے گئے سوالوں کا تسلی بخش جواب نہ دے کر عالم برزخ کی سختیوں سے ہمکنار ہوں گے۔ یہاں آخرت سے مراد عالم برزخ ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن تو کافر بھی قول ثابت سے ہٹنے کی جرات نہیں کرسکیں گے۔ لہٰذا اہل ایمان کے لئے یہ

Marfat.com

کوئی بڑی بشارت نہیں ہوگی۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالم برزخ بھی آخرت کے وسعت مفہوم میں شامل ہے۔

روح کے چار مقامات

اگر ہم انسانی زندگیوں کے مختلف ادوار بشمول عالم برزخ اور یوم القیامہ پر نظر دوڑائیں تو روح کے چار مقامات بنتے ہیں اور ہر مقام کی کیفیت پہلے مقام کے مقابلے میں زیادہ بڑی اور زیادہ پھیلی ہوئی ہے۔

روح کا پہلا مقام ماں کا پیٹ ہے جہاں بندش تنگی اور پردے کی وجہ سے تین قسم کا اندھیرا ہوتا ہے۔

روح کا دوسرا مقام یہ دنیا ہے جہاں یہ پروان چڑھتی ہے۔اور اچھائی یا برائی کمانے اور خوش بختی یا بدبختی کے اسباب اکٹھے کرنے میں آزاد ہے۔ظاہر ہے کہ ماں کے پیٹ کی نسبت یہ مقام زیادہ وسیع وعریض ہے۔

روح کا تیسرا مقام عالم برزخ ہے جو دنیا کے مقابلے میں زیادہ بڑا ہے۔ جہاں روحیں یوم حشر تک انتظار میں رکھی جاتی ہیں۔

روح کا چوتھا مقام جنت یا جہنم ہے۔جہاں روحیں اپنے اجسام کے ساتھ انسانی اعمال کی بنیاد پر داخل ہوں گی یہ مستقل رہائش کا مقام ہے۔اور حقیقی اور آخری مقام یہی ہے جس کے لئے روحوں کو پیدا کیا گیا ہے۔

برزخ کے عذاب وثواب کی نوعیت:

انسانوں کی برزخی زندگی کے بارے میں محققین کے درمیان فروعی

Marfat.com

اختلافات ہیں۔ کسی نے کہا کہ عالم برزخ میں جزاوسزا صرف روح کو ملے گی کیونکہ مادی اجسام تو گل سڑ کر یا جل کر ختم ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ روح دوبارہ جسم میں لوٹائی جاتی ہے یا میت کے دفنانے یا جلانے کی جگہ کے اردگرد منڈلاتی رہتی ہے۔ اور اس طرح عذاب وثواب کا کچھ حصہ جسم بھی محسوس کرتا ہے۔ کسی نے کہا کہ روح اس مادی جسم سے نکل کر ایک مثالی جسم میں چلی جاتی ہے۔ اور روح اور مثالی جسم کو عذاب وثواب ملتا ہے۔ جیسے خواب میں ہمارا مادی جسم بستر پر بے سدھ پڑا ہوتا ہے۔ لیکن ہم کسی اور جسم کے ساتھ گھوم پھر رہے ہوتے ہیں۔ تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ عذاب قبر (برزخ) برحق ہے چاہے وہ کسی شکل میں ہو۔ اسی طرح نیک روحوں کو راحت وآسائشات کے ملنے میں بھی کوئی اختلاف نہیں لہٰذا ایک عامی مسلمان کی بہتری اسی میں ہے کہ عالم برزخ کے عذاب وثواب کا عقیدہ رکھے اور فروعی اختلافات سے اجتناب کرے۔ کیونکہ یہ اس کی سمجھ سے باہر ہیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان متشابہات پر کوئی پختہ عقیدہ قائم کرنے کے لئے کہا ہے۔

اس سلسلے میں سورہ آل عمران کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڡ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(آل عمران-۷)

Marfat.com

ترجمہ: وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں۔ جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں۔ پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ فتنہ پھیلانے اور ان کا مطلب (اپنی رائے کے مطابق) معلوم کرنے کی غرض سے۔ حالانکہ ان کا حقیقی مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور پختہ اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں۔

یہ آیت مسلمانوں کے ان گروہوں کو دعوت فکر دیتی ہے کہ جو مسلک در مسلک اور گروہ در گروہ مسلمانوں کو تقسیم کر رہے ہیں۔ فروعی اختلافات کو ہوا دے کر عقیدے کا مسئلہ بناتے ہیں۔ پھر اپنے مسلمان بھائیوں پر کفر کا فتوی لگاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں ان کے گروہ کے علاوہ کوئی مسلمان نہیں خواہ ان کا گروہ کتنا ہی چھوٹا ہو۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ تو فرما رہے ہیں کہ آیات محکمات کو پکڑو۔ جو اصل کتاب ہیں انہی پر اپنے عقیدے بناؤ۔ متشابہات کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ مانو لیکن اپنا سارا زور اور اپنی ساری توانائیاں ان کے مطالب اپنی رائے اور خواہش کے مطابق ڈھونڈنے میں نہ لگاؤ صرف اس لئے کہ دوسرے گروہ کو نیچا دکھا سکو۔ اور پھر اگر اپنی کوئی رائے قائم کر بھی لی ہے۔ تو دوسرے کی رائے کا بھی احترام کرو۔ کیونکہ دوسروں نے بھی پوری چھان بین کے بعد کوئی

Marfat.com

رائے قائم کی ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے پیارے اسلامی ملک میں اِسی برزخی زندگی کی حقیقت اور نوعیت پر مسلمان بھائیوں کے درمیان شدید اختلافات ہیں۔ جس سے مسلک در مسلک بنائے جا رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ہمارے گاؤں کی مسجد جو مسلک دیوبند کے زیر انتظام چل رہی تھی میں ایک فتنہ کھڑا ہو گیا۔ اور سماع موتے (مردوں کا قبر میں سننا) اور پیغمبر کی حیات و وفات پر ایک ہی مسلک کے لوگوں میں اتنا شدید اختلاف پیدا ہوا کہ ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے بھی انکار ہو گیا۔

میرے بھائیو ہم کیوں متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ برزخ کا عذاب و ثواب برحق ہے۔ تو ہمیں یہ جاننے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی کہ یہ کہاں کیسے اور کتنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں شہدا کے بارے میں کہا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اور جنت سے انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس زندگی اور رزق کی تفصیلات سے بھی آگاہ کر سکتے تھے۔ لیکن نہیں ساتھ ہی ارشاد فرما دیا تمہیں اس برزخی زندگی اور برزخی رزق کا شعور نہیں آ سکتا تم سمجھ نہیں سکتے۔ حیرانگی اس بات پر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم برزخی زندگی سمجھ نہیں سکتے لیکن ہم بضد ہیں کہ ہم نے سمجھ لیا ہے اور جو کچھ ہم نے سمجھا ہے وہی درست ہے۔ پیغمبروں کا رتبہ شہدا سے اونچا ہے۔ اگر ایک شہید کی برزخی زندگی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ تم سمجھ نہیں سکتے۔ تو ایک پیغمبر

Marfat.com

جو تمام پیغمبروں کے سردار ہیں کی برزخی زندگی کا صحیح تعین کیسے کیا جاسکتا ہے۔

میرے بھائیو! آپ عالم برزخ کے عذاب وثواب پر پختہ یقین رکھیں۔ اس میں بہتر سے بہتر مقام حاصل کرنے کے لئے اپنے اعمال درست کریں۔ اس کی تفصیلات کے جھگڑوں میں نہ پڑیں۔ کیونکہ تفصیلات کی حقیقی نوعیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

عذاب برزخ کفارہ بھی ہے:

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ دنیوی زندگی میں کسی مسلمان کو جتنی بھی تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچتی ہیں۔ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ بعض مسلمان جن کے گناہ معمولی نوعیت کے ہوں اسی دنیا میں توبہ اور مصیبتوں پر شکر ادا کر کے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ عالم برزخ اور قیامت کے دن وہ کامیاب وکامران ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں مزید کفارہ دینے کی ضرورت نہیں۔ بعض کلمہ گو جن کے گناہ زیادہ ہیں انہیں عالم برزخ میں عذاب دے کر پاک کیا جاتا ہے تاکہ وہ قیامت کے دن جنت کے مستحق ہو سکیں۔ اس طرح عذاب برزخ ایسے مسلمانوں کیلئے گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اور جو بدقسمت اتنے گناہ اُٹھائے ہوئے ہیں کہ برزخ کے عذاب سے بھی پاک صاف نہیں ہوتے۔ انہیں قیامت کے دن عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ تاکہ اس عذاب سے پاک وصاف ہو کر جنت کے مستحق ہو جائیں۔ اور عذاب جہنم انکے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ اِلا یہ کہ پروردگار عالم خود اپنی رحمت سے نوازے اور برزخ یا جہنم کے عذاب سے

Marfat.com

گزارے بغیر ہی معاف فرمادے احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر وہ مسلمان جس نے کبھی شرک نہ کیا ہو۔ یا شرک کر کے توبہ تائب ہو گیا ہو۔ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آخرکار جنت میں داخل ہوگا۔

آخرت کی دوسری منزل (یوم القیامہ)

انسانوں کیلئے آخروی زندگی کی پہلی منزل عالم برزخ ہے۔ جہاں موت کے بعد انسانی ارواح ایک عارضی انتظار گاہ میں قیامت تک رکھی جاتی ہیں۔ اس انتظار گاہ کی کیفیت اور ماحول انسانوں کے اعمال کی بنیاد پر اذیت ناک یا آرام دہ ہوگا۔ جسے ہم عذاب قبر یا ثواب قبر کے نام سے پکارتے ہیں۔ لیکن یہ عارضی قیام ہے۔ آخر ایک دن ایسا آئے گا جب اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق پوری کائنات کی بساط لپیٹ دے گا۔ اور انسانی روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹا کر حشر کے میدان میں لا کر کھڑا کر دے گا۔ یہ حساب و کتاب اور جزا و سزا کا دن ہو گا۔ اس دن دنیوی زندگی میں کیئے گئے اعمال کا نتیجہ سنایا جائے گا۔ نیک اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انسان جنت میں جائیں گے۔ اور کافر و مشرک اور اللہ تعالیٰ کے باغی انسان جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

قیامت کیوں ضروری ہے:

انسانوں میں سے چند گروہوں نے اگر اللہ تعالیٰ کی ہستی کو مانا بھی ہے تو قیامت اور اُخروی زندگی کا انکار کر دیا۔ ان کے خیال میں یہی دنیا سب کچھ ہے۔ اگر کسی انسان کو برے اعمال کی سزا ملتی بھی ہے تو اسی دنیا میں مل جاتی ہے۔

Marfat.com

کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ مرنے کے بعد ان بوسیدہ ہڈیوں میں جان کیسے آئے گی۔ سورہ انعام میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔

وَقَالُوْآ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ O (الانعام-۲۹)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ بس یہی ہماری موجودہ زندگی ہے۔ ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

قرآن مجید نے عقیدہ توحید کے بعد سب سے زیادہ زور عقیدہ قیامت پر دیا ہے کیونکہ اگر عقیدہ قیامت نہ ہو تو نہ صرف باقی عقائد (جیسے فرشتوں پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کا برحق ماننا) بے معنی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اعمال صالح کی تبلیغ اور گناہوں سے بچنے کی ترغیب کا مطالبہ بھی بے بنیاد ہو جاتا ہے۔

قرآن میں مختلف دلائل اور موثر طریقوں سے قیامت کے جواز اور اس کی ضرورت کو اجاگر کیا گیا ہے جن میں چند یہ ہیں۔

۱۔ انسان کو اس دنیا میں بے مقصد اور بے کار نہیں پیدا کیا گیا۔ بلکہ اسے ایک امتحانی پرچہ دے کر بھیجا گیا ہے۔ جس کا سلیبس بھی بتا دیا گیا اور جس کے مضامین کو پڑھنے سمجھنے اور یاد کرنے کیلئے راہنمائی بھی مہیا کر دی گئی۔ اب ضروری ہے کہ اس امتحان کا کوئی نتیجہ بھی ہو جس کی بنیاد پر جزا و سزا کا فیصلہ ہو۔ اگر انسان کے اعمال کا مواخذہ اور جزا و سزا کا تصور نہ ہو تو خیر و شر اور نیکی اور بدی کا فطری امتیاز لغو اور انسانی زندگی بے مقصد ہو جائے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ O

(المومنون-۱۱۵)

ترجمہ: (اے لوگو) کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا۔ اور تم ہماری طرف نہ لوٹائے جاؤ گے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی O (القیمۃ-۳۶)

ترجمہ: کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔

مطلب یہ کہ پوری کائنات کا پیدا کرنا اور اس میں انسان کو بطور خلیفہ بھیجنا بے مقصد نہیں اور یہ مقصد دوسری دنیا میں ہی پورا ہو سکتا ہے۔ جب انسان کے سپرد شدہ فرائض کو جانچا جائے گا۔ اور اس کے نتیجے میں اسے جزا و سزا دی جائے گی۔

۲- دوسری بات جو قرآن نے قیامت کی ضرورت کے ثبوت میں پیش کی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا عادل اور منصف ہونا ہے۔ اگر اچھے اور برے انسانوں کو جزا و سزا نہ ہو تو دونوں کا درجہ برابر ہو جائے۔ اور نیکی اور بدی اور گناہ و ثواب کا فرق مٹ جائے۔ ظالم و مظلوم ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جائیں۔ کتنے ہی ظالم اور گناہگار لوگ اس دنیا میں عیاشی کرتے ہیں۔ اور کتنے ہی نیکوکار اور اصول پسند اس دنیا میں تکلیفیں اور مصیبتیں جھیلتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے صفت عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ کوئی دوسری زندگی ہو جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ مل سکے۔ ظالم کو ظلم کا مزا چکھایا جائے۔ اور مظلوم کو اس کا حق دلایا جائے۔ گناہگار اور باغی انسانوں کو جنہوں نے اپنی نفسانی

Marfat.com

خواہشات کی پوجا کی تھی سزا دی جائے۔ اور نیک انسانوں کو جنہوں نے نفسانی خواہشات پر قابو پا کر مصیبتیں اٹھائی تھیں انعام دیا جائے۔ قرآن میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ○ (ص ۲۸)

ترجمہ: کیا ہم ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کی طرح کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عدل کے خلاف ہے کہ نیک اور ایماندار لوگوں کو مفسدوں اور شریروں کے برابر کر دیا جائے یا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے جو ڈھیٹ اور نفسانی خواہشات کے پجاریوں کے ساتھ کیا جائے۔ یہ دنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے یہاں تو اکثر ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا ہے کہ موت کے بعد کوئی دوسری زندگی ہو جہاں پر انسان اپنے اعمال کا صلہ پائے۔

۳- اس دنیا میں اگر کوئی انسان یا انسانوں کا گروہ کسی غلط عقیدہ یا گناہ کی بنا ڈالتا ہے۔ یا کسی نیکی کو رواج دیتا ہے تو اس کا گناہ یا ثواب تو اس کے کھاتے میں لکھا ہی جاتا ہے۔ لیکن اس کے نیک یا برے کاموں کا اثر دوسرے انسانوں پر بھی پڑتا ہے اور قیامت تک پڑتا رہے گا۔ لہٰذا ان انسانوں کے

Marfat.com

گناہ یا ثواب کا ایک حصہ اس انسان کے حساب میں لکھا جائے گا جس نے اس نیکی یا برائی کی بنیاد رکھی۔ پیغمبر کی ایک حدیث ہے۔

"جس نے کسی نئی گمراہی کا آغاز کیا جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے نزدیک ناپسندیدہ ہو تو اس پر ان سب لوگوں کے گناہ کی ذمہ داری عائد ہوگی جنہوں نے اس کے نکالے ہوئے طریقہ پر عمل کیا۔ بغیر اس کے کہ خود ان کے گناہ میں کوئی کمی ہو"۔

ایک دوسری حدیث ہے:

"دنیا میں جو انسان بھی ظلم کے ساتھ قتل کیا جاتا ہے۔ اس کے خون ناحق کا ایک حصہ آدم کے اس بیٹے کو پہنچتا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ کیونکہ قتل انسان کا راستہ سب سے پہلے اسی نے کھولا تھا"۔

یہی حال نیک کاموں کا بھی ہے۔ رفاہ عام کے کام صدقہ جاریہ ہوتے ہیں جن کا ثواب قیامت تک ملتا رہتا ہے۔ لہٰذا حساب کا ایک دن ضرور ہونا چاہیے جب انسان کے اگلے پچھلے سارے گناہ و ثواب کا وزن ہو اور اس کے نتیجہ پر اسے جزا و سزا دی جائے۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی انسان کو اس دنیا میں اس کے اعمال کا پورا بدلہ مل سکے جب کہ اس کے اعمال کے اثرات اس کی موت کے بعد بھی اس کے گناہ و ثواب کا سبب بنیں گے۔

۴- اس دنیا کی محدود زندگی اور اس کے محدود امکانات سرے سے یہ گنجائش ہی نہیں رکھتے کہ کسی انسان کو اس دنیا میں اس کے عمل کا پورا بدلہ مل سکے۔

Marfat.com

ایک انسان اپنی ضد اور انا کی خاطر یا کمزور ممالک پر اپنا تسلط جمانے کی خاطر ایک بڑی جنگ کی آگ بھڑکاتا ہے۔ یا یکطرفہ بمباری کر کے شہروں کے شہر تباہ کر دیتا ہے۔ لاکھوں خواتین بیوہ ہو جاتی ہیں کروڑوں بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ کیا کوئی بڑی سے بڑی جسمانی اخلاقی یا مادی سزا ہے جو اس دنیا میں اسے دی جانی ممکن ہو جسے منصفانہ سزا کہا جا سکے۔ زیادہ سے زیادہ آپ اسے پھانسی دے دیں گے جو پانچ دس منٹ کی سزا ہے۔ اور اگر گولی ماریں گے تو ایک سیکنڈ لگے گا۔ اسی طرح کوئی بڑے سے بڑا انعام اس شخص کے لئے ناکافی ہے جس نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے اور خلق خدا کی خدمت میں لگا دی ہو اور اس جدوجہد میں تکلیفیں اور مصیبتیں بھی جھیلتا رہا ہو۔ یقیناً ایسی سزا و جزا کے لئے ایک دوسرا عالم درکار ہے۔ جہاں تمام اگلی اور پچھلی نسلیں جمع ہوں تمام انسانوں کے کھاتے بند ہو چکے ہوں۔ انصاف کی کرسی پر ایک عظیم و خبیر ہستی متمکن ہو۔ اعمال کا پورا بدلہ پانے کے لئے انسانوں کے پاس غیر محدود زندگی ہو جس میں غیر محدود امکانات موجود ہوں۔

۵- اس دنیا کا پورا نظام کائنات یہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ نظام ایک اعلیٰ ہستی کی حکمرانی اور حکمت کے تحت کام کر رہا ہے۔ اور اس نظام کی ہر چیز فانی ہے اور ایک مدت مقرر تک کام کرے گی۔ جس کے بعد وہ ختم ہو جائے گی۔ جب اس نظام کائنات کی ہر چیز فانی ہے تو پورا نظام بھی ایک دن ختم

Marfat.com

ہو کر ایک دوسرے عالم کو جنم دے گا۔

اس دنیا کی بے ثباتی کا اصول سب سے پہلے انسانی زندگی پر لاگو ہوتا ہے۔ دنیا میں ہزاروں قومیں اور لاکھوں قبیلے پیدا ہو کر فنا ہو گئے۔ جن کے نام بھی آج تاریخ میں موجود نہیں۔ اسی اصول پر تمام اقوام عالم کا یہ مجموعہ جو پیدا ہوتا بڑھتا اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے ایک دن فنا ہو جائے گا۔ اور تمام انسانوں کو میدان حشر میں اکٹھا کیا جائے گا۔ تا کہ ان سے دنیوی زندگی کے اعمال کا حساب و کتاب لے کر انسانی مقصد بعثت انجام کو پہنچے۔

مندرجہ بالا حقائق کی نبیاد پر باری تعالیٰ نے قرآن میں بار بار اعلان کیا کہ لوگو! قیامت ضرور آئے گی اور تمہارا حساب کتاب ہوگا۔ جیسے فرمایا:

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ٥ (المؤمن ۵۹)

ترجمہ: بیشک قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں لیکن (یہ اور بات ہے کہ) بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى۔ (طٰہٰ-۱۵)

ترجمہ: یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔ تا کہ ہر شخص کو (اگلی دنیا میں) وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے (پچھلی دنیا میں) کوشش کی۔

قیامت کیا ہے:

کسی چیز کی حقیقت اس کے ناموں کی تشریح سے ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن

Marfat.com

پاک میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ان میں سے ہر نام قیامت کے مختلف پہلوؤں کو انسانی ذہن میں اجاگر کرتا ہے۔مقصد یہ ہے کہ بھولا اور ضدی انسان کسی ایک تصور ہی کو ذہن میں رکھ کر اس دن سے ڈرے اور راہ راست پر آجائے۔قرآن پاک میں جن بڑے بڑے ناموں سے قیامت کا تصور دلایا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

یوم الدین:

جزا و سزا کا دن۔اس دن اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے اچھے یا برے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔اور تمام اختیارات کا مالک صرف وہی ہوگا۔

الساعۃ:

وہ گھڑی (وہ مقررہ وقت جو آگے پیچھے نہیں ہوگا)۔

یوم القیٰمۃ:

کھڑے ہونے کا دن۔(اس دن مردے اپنی قبور سے نکل کر میدان حشر میں کھڑے ہو جائیں گے)۔

یومُ الحق:

سچا دن (نہ جس کے آنے میں کوئی شک اور نہ جس کے فیصلے میں کوئی غلطی ہوگی)۔

Marfat.com

یومٌ مّعلُومٌ:

جانا ہوا دن یا مقررہ دن (وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ وقت پر آئے گی)۔

الیومُ الموعود:

وہ دن جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

الیوم الاخر:

پچھلا دن (آخرت کا دن) جس روز انسانوں کا حساب کتاب ہوگا۔

یوم الازفة:

قریب آنے والی مصیبت کا دن (سب لوگ خوف اور گھبراہٹ کا شکار ہوں گے)۔

یومٌ عسیر:

ایک سخت دن (خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے)۔

یومٌ عظیم:

ایک بڑا دن (بڑے بڑے فیصلے ہوں گے)۔

یوم عصیب:

سخت دن (ہر نفس خوفزدہ ہوگا)۔

Marfat.com

یوم البعث:

جی اٹھنے کا دن (سب مردے زندہ کر دیئے جائیں گے)۔

یوم التغابن:

افسوس کا دن ہار جیت کا دن (اس دن دوزخی ہار جائیں گے اور افسوس کریں گے۔اور جنتی جیت کر خوشیاں منائیں گے)۔

یوم التلاق:

باہم ملنے کا دن۔

یوم التناد:

پکار کا دن (محشر میں جمع ہونے یا حساب دینے کے لئے سب کی پکار ہوگی۔ اہل جنت اہل نار اور اہل اعراف بھی ایک دوسرے کو پکاریں گے)۔

یوم الجمع:

اکٹھے ہونے کا دن (تمام انسان زندہ ہو کر میدان حشر میں اکٹھے ہوں گے)۔

یوم الحساب:

حساب کا دن (اس دن انسانوں کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا)۔

یوم الحسرۃ:

حسرت کا دن (کفار اور گناہگار اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھ کر افسوس کریں

Marfat.com

گے)۔

یوم الخروج:

قبروں سے نکلنے کا دن (اس دن مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے)۔

یوم الفصل:

فیصلہ کا دن (اس دن انسانوں کے اعمال کی بنیاد پر انہیں جنت یا جہنم میں بھیجنے کا فیصلہ ہوگا)۔

القارعۃ:

کھڑکھڑانے والی (جو دلوں کو سخت خوف اور گھبراہٹ سے اور کانوں کو شدید آواز سے کھڑاکھڑادے گی)۔

الغاشیہ:

چھاجانے والی (جو تمام مخلوق پر چھاجائے گی۔اور جس کا اثر سارے عالم پر محیط ہوگا)۔

الطامۃ الکبریٰ:

بڑی مصیبت بڑاہنگامہ (مراد قیامت کی ہولناکیاں)۔

النبا العظیم:

بڑی خبر (کیونکہ اس دن انسانوں کی ابدی زندگی کے فیصلے ہوں گے)۔

Marfat.com

الحاقة:

ضرور آنے والی گھڑی۔ ثابت ہو چکنے والی۔ (وہ ضرور آ کر رہے گی۔ اس میں امر الٰہی ثابت ہوگا۔ اور حق و باطل بالکل جدا جدا ہو جائیں گے)۔

الصاخة:

کان بہرے کر دینے والی (قیامت کی آمد ایسی سخت چیخ سے ہوگی جو کانوں کو بہرا کر دے گی)۔

الواقعة:

وقوع پذیر (جو آ کر رہے گی اور اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا)۔

مندرجہ بالا قیامت کے ناموں سے ایک عام آدمی کیلئے قیامت کا جو تصور اُبھرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا دن ہوگا جب انسانی روحوں کو عالم برزخ سے نکال کر مادی اجسام میں لوٹایا جائے گا۔ اور پھر سب انسانوں کو میدان حشر میں اکٹھا کیا جائے گا۔ جہاں انسانوں کے دنیوی زندگی میں کیے گئے اعمال کی بنیاد پر جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ اس فیصلے کی بنیاد پر نیک اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار لوگ خوشیاں منائیں گے اور ان کا ٹھکانا جنت ہوگا۔ لیکن کافر اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت کرنے والے لوگ اپنے انجام پر حسرت اور فسوس کریں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ یہ دن نہایت سخت ہوگا۔ اس کا آنا یقینی ہے۔ میدان حشر میں لوگ گھبراہٹ اور خوف سے سہمے ہوں گے۔ ہر ایک کو اپنے انجام کی فکر ہوگی۔

Marfat.com

فرشتے انسانوں کو حساب کتاب کے لئے اور انسان دوسرے انسانوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے یا نیکیوں کی بھیک مانگنے کے لئے ایک دوسرے کو پکاریں گے۔اس دن سب اختیارات اور ساری بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔اور وہ اپنے علم وحکمت اور عدل کے ساتھ لوگوں کی جزاوسزا کا فیصلہ کرے گا۔کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوگی۔

قیامت کب آئے گی

قیامت کے آنے کا وقت صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے:

قیامت کی سخت گھڑی کب آئے گی۔اس کی ٹھیک تاریخ تو ایک طرف رہی سال اور صدی تک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔یہ ایک ایسا راز ہے جو خالق کائنات نے کسی فرشتے یا پیغمبر کو بھی نہیں بتایا۔جبریل امین نے جب اس کے بارے میں رسول اللہ تعالیٰ ﷺ سے پوچھا تو ان کو بھی یہی جواب ملا کہ جس سے پوچھا جارہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر واضح کیا گیا ہے کہ قیامت کے مقررہ وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ج (لقمان ۳۴)

ترجمہ: بے شک قیامت کی خبر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

یَسۡئَلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرۡسٰھَا ط فِیۡمَ اَنۡتَ مِنۡ ذِکۡرٰھَا ○ اِلٰی

Marfat.com

رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿﴾ (النازعات۴۲-۴۴)

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ آپ کو اس کے (وقت) بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کے (وقت کے) علم کی انتہا تو صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔

اگر چہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً ہمارے پیغمبر نبی آخر الزمان ﷺ نے قیامت کے آنے سے پہلے کی علامات اور نشانیاں بتائی ہیں۔ لیکن اس کے آنے کی صحیح تاریخ یا وقت یا سال یا صدی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قیامت قریب ہے:

جاہل انسانوں نے ہمیشہ قیامت کے بارے میں تجسس کیا ہے کہ کب آئے گی۔ حالانکہ اگر انسان تھوڑا سا بھی غور کرلے تو یہ نکتہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ کسی انسان کی قیامت اس کی موت سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عالم برزخ قیامت کی پہلی منزل ہے جہاں موت کے بعد ہی انسانی ارواح کو ان کے اعمال کی بنیاد پر راحت و تکلیف سے گزارا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے فرماتی ہیں:

> ''اعرابی جب رسول اللہ تعالیٰ ﷺ کے پاس آتے تو آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے کہ قیامت کب آئے گی۔ پس آپ ان میں سب سے کم سن انسان پر نظر ڈالتے اور فرماتے اگر یہ زندہ رہا تو اس کے بڑھاپے سے پہلے تمہاری قیامت آجائے گی''۔

Marfat.com

ظاہر ہے یہاں تمہاری قیامت سے مراد مخاطبین کی موت ہے۔ عام قیامت نہیں۔ اس معنی کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ ﷺ نے فرمایا ''موت قیامت ہے'' پس جو مرا اس کی قیامت تو آ ہی گئی۔

باری تعالیٰ نے اسی لئے قرآن پاک میں انسانوں کو بار بار متنبہ کیا ہے کہ وہ قیامت کو قریب سمجھتے ہوئے خواب غفلت سے جاگیں اور اس کی تیاری کریں۔ مثلاً درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ○ (الانبیاء ۱)

ترجمہ: لوگوں کے حساب کا وقت (قیامت کا دن) قریب آ گیا۔ پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰهُمْ ○ (محمد-۱۸)

ترجمہ: تو کیا یہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے۔ یقیناً اس کی علامتیں تو آ چکی ہیں۔ پھر جب ان کے پاس قیامت آ جائے تو انہیں نصیحت پکڑنا کہاں نصیب ہو گا۔

یعنی اے غافل انسانو! تم قیامت کا انتظار کر رہے ہو کہ کب آئے گی۔ یہ بالکل قریب ہے اس کی بعض نشانیاں تو آ بھی چکی ہیں جیسے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ جو اہل مکہ کے مطالبے پر دکھایا گیا۔ پھر پیارے نبی حضرت محمد ﷺ

Marfat.com

کی بعثت بجائے خود قرب قیامت کی ایک علامت ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے آپ نے فرمایا:

''میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے''۔

یعنی جس طرح یہ دو انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں اسی طرح قیامت اور میرے درمیان فاصلہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ جس طرح ایک انگلی دوسری سے معمولی سی بڑی ہے اسی طرح قیامت اور میرے درمیان ذرا سا بعد ہے۔ ساتھ یہ بھی خبر دے دی کہ بھولے انسانو! قیامت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے قیامت کی تیاری کر لو۔ اسی دنیا میں توبہ اور اپنے گناہ سے رجوع کر لو۔ ورنہ موت کے بعد تو قیامت ہی قیامت ہے۔ وہاں نہ کوئی نصیحت کام آئے گی نہ رجوع اور توبہ کر سکو گے۔

قیامت کی نشانیاں:

اگرچہ قیامت کا صحیح وقت اور تاریخ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ لیکن آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں اپنی امت کو قیامت کی علامات بڑی تفصیل سے بتائیں۔ تاکہ قیامت تک آنے والے آپ کے اُمتی قیامت کو یاد رکھ کر اس کی تیاری کریں۔ اور نفسانی خواہشات اور لذات سے بے رغبت ہو کر اپنے اعمال کی اصلاح کریں۔ امت نے بھی آپ کی دیگر احادیث کی طرح علامات قیامت کی حدیثیں محفوظ رکھنے اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کا بڑا اہتمام کیا۔ کتب حدیث میں اس باب کی احادیث کا ایک عظیم ذخیرہ محفوظ ہے۔

Marfat.com

علامات قیامت کی تین قسمیں:

علامات قیامت کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

علامات بعیدہ:

علامات بعیدہ وہ نشانیاں ہیں جن کا ظہور کافی پہلے ہو چکا ہے۔ ان کو بعیدہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اور قیامت کے درمیان نسبتہً زیادہ فاصلہ ہے مثلاً رسول اللہ تعالیٰ ﷺ کی بعثت، شق القمر کا واقعہ، رسول اللہ تعالیٰ ﷺ کی وفات، جنگ صفین، فتنہ تاتار۔ نار الحجاز۔ یہ سب واقعات از روئے قرآن وحدیث علامات قیامت میں سے ہیں اور ظاہر ہو چکے ہیں۔

علامات متوسطہ:

یہ وہ نشانیاں ہیں جو ظاہر تو ہو گئی ہیں مگر ابھی اپنی انتہا کو نہیں پہنچیں۔ ان میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ یا ایسی علامات اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہیں۔ اور جب یہ اپنی انتہا کو پہنچیں گی۔ تو قیامت کی بڑی بڑی علامات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

قیامت کی بڑی بڑی علامات متوسطہ جو مختلف احادیث میں بیان ہوئی ہیں درج ذیل ہیں۔

قوموں اور قبیلوں کے لیڈر منافق رذیل ترین اور فاسق ہوں گے بازاروں

Marfat.com

کے رئیس فاجر ہوں گے۔ پولیس کی کثرت ہو گی۔ بڑے عہدے نا اہلوں کو ملیں گے۔ تجارت بہت پھیل جائے گی۔ یہاں تک کہ تجارت میں عورت اپنے شوہر کا ہاتھ بٹائے گی۔ ناپ تول میں کمی کی جائے گی۔ لکھنے کا رواج بہت بڑھ جائے گا۔ مگر تعلیم صرف دنیا کے لئے حاصل کی جائے گی۔ ریا شہرت اور مالی منفعت کے لئے گا گا کر قرآن پڑھنے والوں کی کثرت ہو گی۔ علماء کو قتل کیا جائے گا۔ اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے۔

امانت دار کو خائن اور خائن کو امانتدار سمجھا جائے گا۔ اجنبی لوگوں سے حسن سلوک کیا جائے گا اور رشتہ داروں کے حقوق پامال کئے جائیں گے۔ بیوی کی اطاعت اور ماں باپ کی نافرمانی ہو گی۔ مسجدوں میں شور وشغب اور دنیا کی باتیں ہوں گی۔ طلاقوں کی کثرت ہو گی۔ نیک لوگ چھپتے پھریں گے۔ اور کمینے لوگوں کا دور دورہ ہو گا۔ لوگ فخر وریا کے طور پر اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے۔ سود جوا گانے باجے کے آلات شراب خوری اور زنا کی کثرت ہو گی۔ دعوت میں کھانے پینے کے علاوہ عورتیں بھی پیش کی جائیں گی۔ ناگہانی اور اچانک اموات کی کثرت ہو گی۔ عورتیں باریک اور چست لباس پہنیں گی۔ اور لچک لچک کر چلیں گی اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی۔ مومن برائیوں کو دیکھے گا۔ مگر روک نہیں سکے گا۔

میرے بھائیو! اوپر بیان شدہ علامتوں کو دیکھ کر خود اندازہ لگایئے کہ قیامت کتنی قریب ہے۔

Marfat.com

علاماتِ قریبہ:

یہ علامات بالکل قیامت کے قریب ظاہر ہوں گی۔ ان کو علاماتِ کُبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بڑے بڑے عالمی واقعات ہوں گے۔ بڑی بڑی علامات قریبہ درج ذیل ہیں۔

۱- ظہور مہدی علیہ السلام۔

۲- خروجِ دجال۔

۳- نزول عیسیٰ علیہ السلام۔

۴- یاجوج ماجوج کا نکلنا۔

۵- آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔

۶- دابتہ الارض اور یمن سے نکلنے والی آگ۔

جب یہ علامات ظاہر ہو چکیں گی تو کسی وقت بھی قیامت آجائے گی۔

ظہورِ قیامت:

جونہی ظہور قیامت مطلوب ہوگا اللہ تعالیٰ اسرافیل فرشتے کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے۔ تو وہ ایک مرتبہ زوردار طریقے سے صور پھونکے گا۔ جیسے عام زندگی میں کوئی انسان زور سے بگل بجاتا ہے۔ اس سے پوری کائنات زلزلہ میں آجائے گی۔ ہمہ گیر زلزلہ کے ابتدائی جھٹکوں سے ہی انسانوں پر اتنی دہشت آجائے گی کہ دودھ پلانے والی مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی۔ حاملہ عورتوں کے حمل ضائع ہو جائیں گے۔ صور کی آواز اور زلزلے کی کیفیت مسلسل

Marfat.com

بڑھتی جائے گی۔حتیٰ کہ زمین وآسمان کو اٹھا کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔سیارے بکھر جائیں گے۔ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑتے پھریں گے۔سمندر گرم ہو کر اپنے کناروں سے باہر زمین پر پھیل جائیں گے۔سورج کی روشنی ختم اور پوری کائنات تاریک ہو جائے گی۔

اس کیفیت کے بعد ایک وقفہ ہوگا۔جس کی طوالت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا جس سے تمام انسانی روحیں اپنے جسموں کے ساتھ اپنی اپنی قبروں سے اُٹھ کر میدان حشر میں اکٹھی ہو جائیں گی۔ جہاں دنیوی زندگی میں کیے گئے اعمال کی بنیاد پر ہر انسان کا حساب کتاب ہوگا۔اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور باغی انسان جہنم کی آگ میں دھکیلے جائیں گے جب کہ مومنین اور اللہ تعالیٰ کے تابعدار انسان جنت کے مزے اڑائیں گے۔یہ ایک نہ ختم ہونے والی زندگی ہوگی۔ظہور قیامت کی اس کیفیت کو سورہ الزمر میں نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِآئَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الزمر:۶۸-۶۹)

ترجمہ: اور اس روز صور پھونک دیا جائے گا۔پس سب آسمانوں اور زمین والے بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے (یعنی مر جائیں گے) سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ زندہ رکھنا چاہے۔پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا۔تو یکا یک سب کے سب اٹھ کر

Marfat.com

دیکھنے لگیں گے۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ (اس وقت) نامہ اعمال حاضر کئے جائیں گے۔ نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا۔ اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

آیات بالا میں صرف دو مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے سورہ نمل کی آیت ۸۷ کی بنیاد پر نفخۃ الفزع (یعنی گھبراہٹ اور دہشت دینے والا صور) کو ایک علیحدہ صور تصور کیا ہے۔ اس طرح تین مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ پہلے صور سے زمین و آسمان کی ساری مخلوق گھبرا کر دہشت زدہ ہو جائے گی۔ دوسرے صور سے بے ہوش ہو کر مر جائے گی اور تیسرے صور سے قبروں میں سے اُٹھ کھڑی ہوگی۔ لیکن اکثر مفسرین نے مخلوق کی گھبراہٹ۔ بے ہوشی اور موت کو ایک ہی صور تصور کیا ہے۔ جس کی ابتدا فزع (گھبراہٹ) سے ہوگی اور انتہا صعق (مر کر گرنے) سے ہوگی۔ یعنی پہلے صور کی آواز مسلسل آتی رہے گی۔ جس سے پہلے تو تمام مخلوق خوفزدہ ہو کر سہم جائے گی۔ پھر بے ہوش ہو کر موت کے آغوش میں چلی جائے گی۔ پھر درمیان میں وقفہ ہوگا۔ جس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا تو بیک وقت ساری مخلوق اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑی ہوگی۔ اور حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے گی۔

آیات بالا میں ایک استثنا بیان کیا گیا ہے۔ یعنی پہلا صور پھونکنے سے ساری زمین اور آسمان کی مخلوق بے ہوش ہو کر مر جائے گی۔ سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ زندہ رکھنا چاہے۔ اس استثنا سے مراد مرفوع حدیث کے مطابق

Marfat.com

فرشتے جبریل، مکائیل، اسرافیل ملک الموت اور حملۃ العرش ہیں کہ یہ نفخہ صور سے نہ مریں گے۔ بعد میں حسب تصریح حدیث ان سب کو بھی موت آئے گی۔ اور سوائے باری تعالیٰ کی ذات کے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔

آیات کے آخری حصہ میں حساب کتاب کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو قبروں سے اُٹھانے کے بعد میدان حشر میں اکٹھا کریں گے۔ زمین اللہ تعالیٰ کے نور سے چمک اُٹھے گی۔ سب انسانوں کا اعمال نامہ ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ کچھ انسان اپنے گناہوں سے انکار کریں گے۔ حجتیں پیش کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کا جرم ثابت کرنے کے لئے پیغمبروں اور دوسرے گواہوں کو لائیں گے۔ دوسرے گواہوں میں فرشتے بھی شامل ہیں اور امت محمدیہ کے لوگ اور انسانوں کے اپنے اعضاو جوارح بھی۔ پیغمبر گواہی دیں گے کہ ہم نے تیرا پیغام انسانوں تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن ان بدبختوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ امت محمدیہ گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی امتوں تک پہنچایا تھا جس کا علم ہمیں قرآن مجید کے ذریعے ہوا تھا اسی طرح انسانوں کے اعضا و جوارح جن کے ذریعے وہ گناہ کرتے تھے مثلاً ہاتھ پاؤں سب انکے خلاف گواہی دیں گے۔ اور ہر انسان کو اپنا گناہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ پھر فیصلہ انصاف کی بنیاد پر ہوگا۔ یعنی نہ تو کسی انسان کے اجر وثواب میں کمی ہوگی۔ اور نہ کسی انسان کو اس کے جرم سے زیادہ سزا ملے گی۔

قیامت کا زلزلہ:

ظہور قیامت کی شدت کی ایک جھلک سورہ الحج میں ملاحظہ کیجئے۔

Marfat.com

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (الحج ۱-۲)

ترجمہ: لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے۔ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلاتے کو بھول جائے گی۔ اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے۔ اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی سخت چیز ہے۔

بعض مفسرین کے مطابق یہ زلزلہ قیامت کی ابتدائی علامات میں سے ہے۔ جب زمین الٹی پھرنی شروع ہو جائے گی۔ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ اس وقت زمین کی حالت اس کشتی کی سی ہو گی جو موجوں کے تھپیڑے کھا کر ڈگمگا رہی ہو۔ لوگوں پر سخت خوف دہشت اور گھبراہٹ طاری ہو گی۔ اور اس گھبراہٹ کے شدت اِس قدر ہو گی کہ تمام حمل والی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور دودھ پلانے والی عورتیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو دودھ پلانے کی حالت میں ہی چھوڑ کر بھاگ جائیں گی۔ لوگ خوف کے مارے ایسی حرکتیں کریں گے۔ کہ گویا وہ نشے میں ہیں۔ حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ قیامت کی ہولنا کیوں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر رہے ہوں گے۔ اس زلزلے کے بعد دنیا تباہ ہو جائے گی۔

Marfat.com

بعض دوسرے مفسرین کے مطابق یہ زلزلہ قیامت برپا ہونے کے بعد اس وقت آئے گا جب لوگ قبروں سے اُٹھ کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ اور اس کی تائید میں وہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس کے مطابق پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم سے خطاب کر کے فرمائیں گے کہ جہنم میں جانے والوں کو اٹھایئے آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ جہنم میں جانے والے لوگ کون ہیں۔ تو حکم ہوگا کہ اپنی ذریت میں سے ہر ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم کے لئے نکال لو یہی وہ وقت ہوگا کہ ہول اور خوف کے مارے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے۔ اور لوگ مدہوش نظر آئیں گے۔ یہ سن کر صحابہ کرام سہم گئے اور پوچھنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے وہ کون ہوگا جو نجات پائے گا۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں یہ نو سو ننانوے یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں سے صرف ایک ہوگا۔ یہ سن کر صحابہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

اگر یہ زلزلہ اسی دنیا میں قیامت سے پہلے مانا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ حاملہ کا حمل گرنا یا دودھ پلانے والی عورت کا دودھ پیتے بچے کو چھوڑ کر بھاگنا عموماً اسی دنیا کے معمول ہیں لیکن اگر یہ زلزلہ قیامت اور حشر نشر کے بعد کا ہے تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ جو عورت اس دنیا میں حالت حمل میں مری ہے۔ قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھائی جائے گی۔ اور جو دودھ پلانے کے زمانے میں مر گئی ہے وہ اسی طرح بچے کے ساتھ اُٹھائی جائے گی پھر چونکہ زلزلہ سے مراد فزع اور ہولناکی کی شدت کو بیان کرنا ہے۔ لہٰذا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی

Marfat.com

رائیں صحیح ہوں اور یہ زلزلہ دونوں مواقع پر محیط ہو۔

پہاڑ اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائیں گے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا ٥ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ٥ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ٥ (طٰہٰ ۱۰۵-۱۰۷)

ترجمہ: اور وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں تو آپ کہہ دیں کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا دے گا کہ تم اس میں کوئی بل اور سلوٹ نہ دیکھو گے۔

یعنی قیامت کے دن پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے ساری زمین ایک ہموار چٹیل میدان کی طرح کر دی جائے گی۔ اس میں کوئی بل یا سلوٹ یا نشیب و فراز نہیں رہے گا۔ پورا کرۂ زمین سمندروں کو پاٹ کر پہاڑوں کو توڑ کر جنگلوں غاروں اور تودوں کو ملیا میٹ کر کے ایک گیند کی شکل اختیار کرے گا۔ جس پر حشر قائم ہو گا۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ٥

(المزمل-۱۴)

ترجمہ: جس دن زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے۔ اور پہاڑ ریت کے ڈھیر کی طرح بکھر جائیں گے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ٥ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ٥ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ٥ (الحاقہ ۱۳-۱۵)

Marfat.com

ترجمہ: جب ایک مرتبہ صور میں پھونک ماردی جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھا کر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔اس روز وہ ہونے والا واقعہ (قیامت) پیش آجائے گا۔

یعنی اسرافیل کی ایک ہی پھونک سے زمین اور پہاڑوں کو اپنی قرارگاہوں سے اکھیڑ کر اُٹھالیا جائے گا۔اور ایک ہی چوٹ سے ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ○ (القارعۃ ۵)

ترجمہ: اور (اس دن) پہاڑ دھنے ہوئے رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے۔

یعنی جیسے دھنیا اون یا روئی کو دھنک کر الگ الگ پھاہا کر کے اڑا دیتا ہے۔اسی طرح پہاڑ ہوا میں اڑ جائیں گے۔اور پھر رنگین اُون سے تشبیہ دینا پہاڑوں کا مختلف رنگوں میں ہونا ہے۔اس کے علاوہ رنگین اُون ہلکی نازک اور کمزور ہوتی ہے۔جس سے پہاڑوں کا باریک اور ہلکے ریزوں میں تبدیل ہونا ظاہر کرتا ہے۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا○ (النبا:۲۰)

ترجمہ: اور (اس دن) پہاڑ چلائے جائیں گے اور وہ سراب (ریت کے ٹیلے) ہوجائیں گے۔

سراب وہ چمکتی ریت ہے جو دور سے پانی نظر آتی ہے۔پہاڑ بھی سراب کی طرح صرف دور سے نظر آنے والی چیز بن جائیں گے۔اور اس کے بعد بالکل معدوم ہو جائیں گے۔باری تعالیٰ نے قیامت کے دن پہاڑوں کی جو مختلف حالتیں بیان کی ہیں ان کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلے انہیں ریزہ ریزہ کر دیا

Marfat.com

جائے گا جیسے فرمایا: فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً۔ پھر وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے (كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ) پھر وہ گرد و غبار ہو جائیں گے پھر ان کو اڑا دیا جائے گا اور پانچویں حالت یہ ہے کہ وہ سراب ہو جائیں گے یعنی صرف ایک نظر کا دھوکہ ہوگا حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔

اجرام فلکی کا نظام اپنی بندش سے آزاد اور بے نور ہو جائے گا:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ O وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ O (الانفطار-۱-۲)

ترجمہ: جب (یعنی قیامت کے دن) آسمان پھٹ جائے گا اور تارے بکھر جائیں گے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ O وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ O (المرسلات ۷-۸)

ترجمہ: پھر جب ستارے ماند پڑ جائیں گے اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ O وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ O (التکویر ۱-۲)

ترجمہ: جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب تارے بکھر جائیں گے۔

مطلب یہ کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا۔ ستارے گر کر بے نور ہو جائیں گے۔ اور سورج کی کرنیں جو پورے نظام شمسی میں پھیلتی ہیں لپیٹ لی جائیں گی جس سے سورج کی روشنی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شمس و قمر قیامت کے دن دریا میں ڈال دیئے جائیں گے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ

Marfat.com

شمس وقمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے پھر اس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جائے گا۔

سمندر بھڑک اٹھیں گے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ O (التکویر ۶)

ترجمہ: اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔

وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ O (الانفطار ۳)

ترجمہ: اور جب سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے۔

سجرت تسجیر سے مشتق ہے جس کے معنی آگ لگانے اور بھڑکانے کے بھی ہیں اور گڈمڈ اور خلط ملط کر دینے کے بھی۔ دونوں آیات کو ملا کر مطلب یہ بنے گا کہ پہلے سمندروں کا میٹھا اور کھاری پانی ملا دیا جائے گا ان کے درمیان ہر قسم کی رکاوٹ دور کر دی جائے گی۔ پھر قیامت کے زلزلے سے سمندروں کی تہہ پھٹ جائے گی۔ اور ان کا پانی زمین کے اندرونی حصے میں اترنے لگے گا۔ جہاں ہر وقت ایک گرم مادہ کھولتا رہتا ہے۔ پانی یہاں پہنچ کر اپنے اصلی اجزا اکسیجن اور ہائڈروجن میں تحلیل ہو جائے گا۔ جو جلنے اور جلانے والی گیسیں ہیں۔ اس طرح دنیا کے تمام سمندروں میں آگ لگ جائے گی۔ بعض روایات کے مطابق شمس، قمر اور ستارے اپنی بندش سے آزاد ہو کر سمندروں میں گریں گے جس سے سمندروں کا پانی آگ بن جائیگا۔ وجہ خواہ کوئی بھی ہو یہ طے شدہ امر الٰہی ہے کہ

Marfat.com

سمندر پھٹ کر آگ پکڑ لیں گے۔

قیامت کے حالات

قیامت کے دن بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی

ویسے تو دنیا میں بھی حقیقی بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کیونکہ وہی بادشاہی عطا کرتا ہے اور وہی بادشاہی چھین لیتا ہے۔ جیسے فرمایا:

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔ (آل عمران-۲۶)

ترجمہ: جس کو چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

لیکن اس دنیا کا نظام چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے چند قیود لگا کر انسانوں کو انسانوں کا مجازی بادشاہ اور حاکم بنایا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اکثر دنیوی بادشاہوں نے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدود کو توڑا۔ اور متکبر بن کر انسانوں پر ظلم کرنے لگے۔ حتیٰ کہ انہیں اپنی غلامی کرنے پر مجبور کیا۔ قیامت کے دن یہ مجازی بادشاہ بھی غائب ہو جائیں گے۔ انہیں بادشاہی یاد ہی کہاں ہوگی۔ انہیں تو اپنی جان کے لالے پڑے ہوں گے۔ اپنی ذاتی زندگی کا حساب علیحدہ اور اپنی بادشاہی کا حساب علیحدہ۔ باری تعالیٰ اس دن اعلان فرمائیں گے۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (المؤمن-۱۶)

ترجمہ: آج بادشاہی کس کی ہے۔ (سارا عالم پکار اٹھے گا) اللہ تعالیٰ واحد قہار کی۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ تعالیٰ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام آسمانوں کو اپنی دائیں مٹھی میں کر لیں گے

Marfat.com

پھر فرمائیں گے میں ہی حقیقی بادشاہ ہوں۔ دنیا کے اکڑ فون کہاں ہیں۔ اس کے بعد زمین کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں کریں گے۔ پھر فرمائیں گے صرف میں ہی بادشاہ ہوں۔ دنیا میں گھمنڈ کرنے والے کہاں ہیں۔ تکبر کرنے والے کہاں ہیں''۔

قیامت کے دن سارے رشتے ناطے ختم ہو جائیں گے:

ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں صلبی اور غیر صلبی رشتوں کا کتنا تقدس ہے۔ والدین اولاد بہن بھائی شوہر بیوی تو ایک طرف دور کے رشتہ دار حتیٰ کہ جگری دوست بھی ایک دوسرے کا دکھ اور تکلیف برداشت نہیں کر سکتے اور اگر ضرورت پڑے تو اپنی جان کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ لیکن قیامت کا دن اتنا سخت ہو گا کہ انسان قریبی رشتوں کو بھلا کر اپنی فکر کرے گا۔ بلکہ ان سے دور بھاگے گا کہ کہیں قریبی رشتہ دار اپنے رشتوں کا واسطہ دے کر اس سے کوئی نیکی نہ مانگ لیں۔ یا اپنے حقوق کا مطالبہ نہ شروع کر دیں۔ یا اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اس کے مقدمے میں اس کے خلاف گواہ نہ بن جائیں۔ کیونکہ دنیا میں وہ اس کی ہر گمراہی اور ہر گناہ سے واقف تھے۔ قرآن نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُO یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِO وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِO وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِOط لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِO (عبس:۳۳-۳۷)

ترجمہ: پس جب وہ کان بہرا کرنے والی آواز (قیامت سے پہلے آخری نفخہ صور) بلند ہوگی۔ اس روز آدمی اپنے بھائی اور ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ اُس دن اِسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہیں ہو گا۔

Marfat.com

یہی چیز سورہ المعارج میں ایک اور انداز سے بیان کی گئی ہے۔

وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًاo يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ط يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِo وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِo وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْيْهِo وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِo (المعارج:۱۰-۱۴)

ترجمہ: اور (اس دن) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنی اولاد کو اپنی بیوی کو اپنے بھائی کو اور اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا۔ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے تا کہ یہ تدبیر اسے نجات دلا دے۔

یعنی قیامت کے دن ہر انسان اپنی اپنی فکر میں لگا ہوگا۔ دوست رشتہ دار سامنے ہوں گے لیکن اس تعارف اور شناخت کے باوجود کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا۔ ہر مجرم اس دن تمنا کرے گا کہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں (جیسے ماں باپ بہن بھائی بیٹا بیٹی شوہر بیوی) اور اگر اس کے بس میں ہو تو تمام اہل زمین کو فدیہ میں دے کر اپنی جان چھڑا لے۔ قیامت کی شدت اور ہولناکی انسان کو اس قدر خود غرض بنا دے گی کہ وہ نہ صرف قریب ترین رشتہ داروں سے طوطا چشمی اور بے رخی کرے گا بلکہ کل تک جن پر جان دیتا تھا ان کو اپنی نجات کے بدلے عذاب کے سپرد کرنے پر تیار ہو جائے گا۔ اس دن کی ہیبت کا یہ عالم ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی نفسی نفسی۔ یعنی میری جان میری جان کہہ رہے ہوں گے۔ صرف

Marfat.com

خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کہیں گے۔ امتی امتی یعنی میری امت میری امت کافروں اور مشرکوں کی دنیوی دوستی تو دشمنی میں بدل جائے گی۔ کیونکہ وہ فسق وفجور پر مبنی تھی۔ یہ لوگ اپنے انجام بد پر ایک دوسرے کو موردالزام ٹھہرائیں گے۔ جیسے سورہ الزخرف میں فرمایا:

اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ O (الزخرف ۶۷)

ترجمہ: اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ سوائے پرہیزگاروں کے۔

چونکہ اہل ایمان کی دوستی صرف دین اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہوتی ہے اس لئے یہ وہاں بھی قائم رہے گی۔ لہٰذا دوستی وہی اچھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔

قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا:

اللہ تعالیٰ عالم کل اور قادر مطلق ہے۔ اسے انسانوں کے اچھے یا برے اعمال پر جنت یا جہنم میں بھیجنے کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تو انسان کے ہر چھوٹے بڑے عمل بلکہ اس کی نیت ارادے اور سوچ کا بھی مکمل علم رکھتا ہے۔ لہٰذا باری تعالیٰ اپنے علم کی بنیاد پر بھی کسی انسان کو جنت یا جہنم میں بھیجنے کا فیصلہ کرسکتا تھا۔ لیکن انسان بڑا جھگڑالو اور حجت باز ہے۔ وہ ضرور انکار کر دیتا کہ باری تعالیٰ میں نے یہ گناہ نہیں کیے مجھے ناکردہ گناہوں کی سزا کیوں دی جا رہی ہے۔ اس حجت کو رفع کرنے کے لئے باری تعالیٰ نے انسان کے دونوں

Marfat.com

کندھوں پر دو فرشتے بٹھا دیئے جو اس کی ہر نیکی اور بدی لکھ رہے ہیں۔ قیامت کے دن یہی اس کا اعمال نامہ ہوگا۔ پھر پیغمبر نیک انسان اور انسان کے اپنی اعضا و جوارح انسانوں کے اعمال پر گواہی دیں گے۔ تاکہ اعمال ناموں کی صداقت سے کوئی انسان بھی انکار نہ کر سکے۔ انسانوں پر آخری اور قطعی حجت پوری کرنے کے لئے ان کے اعمال کا وزن ہوگا۔ جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوگا اور جنت میں جائے گا۔ جس کا برائیوں والا پلڑا بھاری ہوگا وہ ناکام ہوگا اور جہنم میں جائے گا۔ وزن تو انسانوں کے سامنے ہوگا۔ اب کوئی حجت باز کیسے انکار کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ج فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ○ (الاعراف،۸-۹)

ترجمہ: اور وزن اس دن عین حق ہوگا۔ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے رہیں گے۔ وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے۔ کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے تھے۔

یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی میزان عدل میں حق کے سوا کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی جس کے ساتھ جتنا حق ہوگا اتنا ہی اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ رہا باطل تو اس کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ تو جنہوں نے حق کا ساتھ دے کر اپنے نیک اعمال کے ذریعے اپنے پلڑے بھاری بنا لئے وہ کامیاب ہو گئے۔ اور جنہوں نے باطل

Marfat.com

کی پیروی کر کے اپنے پلڑے ہلکے کر لئے وہ خسارہ میں چلے گے اور اس خسارے کا نتیجہ جہنم کی آگ ہوگا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اعمال کیسے تولے جائیں گے۔ کیونکہ انسانی اعمال کا بظاہر نہ کوئی وجود ہے نہ جسم اور نہ ہی وہ نظر آتے ہیں۔ میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔ وہ اعمال کے وزن کے لئے کوئی معیار بھی مقرر کر سکتا ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں بالکل بے وزن چیزیں بھی تولی جا رہی ہیں۔ ہوا بظاہر ہمیں نظر نہیں آتی۔ لیکن ایک غبارے کے اندر بھر کر اس کا بھی وزن کیا جا سکتا ہے۔ قیامت کے دن اعمال کے تولے جانے کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اعمال کو اجسام عطا فرمائے گا۔ پھر ان اجسام کا وزن کیا جائے گا نیک اعمال کے اجسام بھاری ہوں گے اور برے اعمال کے اجسام نہایت ہلکے ہوں گے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ صحیفے اور رجسٹر تولے جائیں گے جن میں انسانوں کے اعمال درج ہوں گے۔ نیک اعمال والے رجسٹر بھاری جب کہ برے اعمال والے ہلکے ہوں گے۔ ایک تیسری رائے کے مطابق خود صاحب عمل انسان کو تولا جائے گا۔ جس انسان کے اندر حق اور اعمال صالح کی طاقت ہوگی وہ بھاری ہوگا۔ لیکن جو انسان باطل پرستی اور نفسانی خواہشات کا غلام بنا رہا۔ اس کا وزن بہت ہی ہلکا ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

یہاں ایک چیز ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عادل کل ہے۔ اس کی عدالت میں اعمال کا وزن کرتے وقت کسی ناانصافی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے اس دنیا میں دوسروں کو دھوکہ دینے کے لئے ترازو میں لچک رکھ لی جاتی

Marfat.com

ہے۔ باٹ غیر معیاری رکھ لئے جاتے ہیں۔ ماپ کا پیمانہ ناقص ہوتا ہے۔ اور پھر تولتے وقت ڈنڈی ماری جاتی ہے۔ وہاں کسی کے ساتھ ذرہ برابر ناانصافی نہیں ہوگی۔ ہر انسان جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ جیسے فرمایا:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ O (الانبیاء:۴۷)

ترجمہ: قیامت کے دن ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو رکھیں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا۔ ہم اسے لا حاضر کریں گے۔ اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔

اعمال کا وزن کرتے وقت بنیادی حیثیت ایمان کی ہوگی۔ کفر کا وجود اور حق سے انکار بجائے خود اتنی بڑی برائی ہے کہ وہ برائیوں کے پلڑے کو جھکا دے گی۔ کیونکہ اچھے اعمال بھی تب وزن رکھیں گے جب ایمان کی حالت میں کئے گئے ہوں۔ اس کے برعکس مومن کی نیکیوں کے پلڑے میں اس کے ایمان کا وزن بھی ہوگا اور اس کی نیکیوں کا وزن بھی جو اس نے دنیا میں کیں۔ اور اس کے برائیوں کے پلڑے میں صرف اس کی برائیاں رکھی جائیں گی پھر دیکھا جائے گا کہ کونسا پلڑا بھاری ہے۔ مومن کا ایمان لازماً اس کے نیکی کے پلڑے کو وزنی کرنے میں مدد دے گا۔

قیامت کے دن سفارش (شفاعت) کا تصور:

اکثر انسانوں نے اس بات پر ٹھوکر کھائی کہ ان کے معبود (جن، انسان

Marfat.com

فرشتے، بت یا مظاہر قدرت) جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا کارساز سمجھتے تھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے اتنی قربت رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سفارش رد نہیں کرے گا۔ اور اس طرح ان کا بیڑا پار ہو جائے گا۔ اس باطل تصور نے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں شرک کی حوصلہ افزائی کی۔ اور دوسری طرف گناہگار انسانوں کو نڈر اور سہل پسند بنا دیا اور وہ اس بات پر مطمئن ہو گئے۔ کہ قیامت کے دن کسی کا دامن پکڑ کر اس کی سفارش کے ذریعے نجات حاصل کر لیں گے۔ لہٰذا اس دنیا میں نیکیاں کمانے کے لئے نہ محنت اور جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ اپنی عیاشیاں ترک کرنے کی۔

قرآن اس تصور کو رد کرتا ہے اور زور اس بات پر دیتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کا کوئی زور نہیں چل سکے گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ البتہ انسانوں کے اپنے نیک اعمال ان کے کام آئیں گے۔ جیسے فرمایا:

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ۝ (انفطار--۱۹)

ترجمہ: یہ وہ (قیامت کا) دن ہے۔ جب کسی شخص کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ فیصلہ اس دن بالکل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوگا۔

يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ۝

(النباء--۴۰)

Marfat.com

ترجمہ: جس روز آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اور کافر پکار اُٹھے گا کہ کاش میں خاک ہوتا (کہ حساب کتاب نہ دینا پڑتا)۔

مشروط سفارش کی اجازت دے دی جائے گی:

قرآن میں کئی مقامات پر سفارش کا جو ذکر ہے۔ اسے مشروط رکھا گیا ہے یعنی سفارش کرنے کا اہل وہ ہوگا جسے باری تعالیٰ اجازت دیں گے۔ ظاہر ہے ایسی ہستیاں یا تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہوں گے یا پیغمبر یا اولیاء اللہ شہدا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے۔ دراصل باری تعالیٰ ان برگزیدہ ہستیوں کو مزید اعزاز و اکرام سے نوازنے کیلئے انہیں یہ شرف بخشے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ان گناہگار انسانوں کی سفارش کریں جو کم ازکم کلمہ حق کے قائل رہے ہوں اور کفر وشرک سے بچے رہے ہوں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی برگزیدہ سے برگزیدہ ہستی بھی سفارش نہیں کر سکے گی۔ اور پھر باری تعالیٰ ایسی اجازت اپنے علم اور حکمت کے بنیاد پر ایسے انسانوں کے حق میں دیں گے جو پختہ ایمان کے ساتھ چھوٹے موٹے گناہ کرتے رہے ہوں۔ اس سلسلے میں درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ (البقرہ ۲۵۵)

ترجمہ: کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ جو کچھ انسانوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے

Marfat.com

اس سے بھی واقف ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

مطلب یہ کہ کوئی ہستی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور مخلوق کا علم محدود ہے۔ اپنے غیر محدود علم کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی ذات ہی یہ فیصلہ کر سکتی ہے۔ کہ کون کس اور کتنی سفارش کا استحقاق رکھتا ہے۔ آپ اس دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ ہر سفارش کرنے والا کسی کی سفارش کرتے وقت اس کی اچھائیاں اور نیکیاں گنواتا ہے۔ قیامت کے دن حقیقی نیکیوں اور برائیوں کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہوگا۔ لہٰذا وہی فیصلہ کرے گا کہ سفارش کا حقدار کون ہے۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (الزخرف-۸۶)

ترجمہ: اور جنہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ سفارش کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اِلَّا یہ کہ کوئی علم کی بنا پر حق کی شہادت دے۔

یہ آیت سفارش کے عنوان پر بہت وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ مفسرین نے درج ذیل مطالب لئے ہیں۔

۱- اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن ہستیوں کو لوگ اس دنیا میں پکارتے تھے۔ وہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کرنے والے نہیں ہوں گے۔ ان میں سے جو خود گمراہ اور بدراہ تھے وہ تو مجرم کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔ چہ جائیکہ وہ کسی کی سفارش کریں۔ البتہ ان لوگوں کو سفارش

Marfat.com

کرنے کی اجازت دے دی جائیگی جنہوں نے دنیا میں علم کے ساتھ حق کی شہادت دی تھی۔ یعنی انبیاء صالحین اور فرشتے۔

۲- جن ہستیوں کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی وہ صرف ان لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ جنہوں نے دنیا میں علم و بصیرت کی بنیاد پر کلمہ توحید کا اقرار کیا تھا۔ اور حق کی شہادت دی تھی۔ کفار مشرکین اور حق سے برگشتہ لوگوں کی سفارش کوئی بھی نہیں کرے گا۔

۳- سفارش کرنے والے صرف اتنی سفارش کر سکیں گے کہ جس نے انکے علم کے مطابق کلمہ حق کہا اس کی گواہی دے دیں۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ○ (النجم-۲۶)

ترجمہ: اور کتنے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور چاہت سے جس کے لئے چاہے اجازت دے دے۔

یعنی فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی مقرب ترین مخلوق ہے وہ بھی صرف ان لوگوں کی سفارش کر سکیں گے جن کے لئے اللہ تعالیٰ راضی ہو کر اجازت دے گا۔ اب خود سوچئے کہ اللہ تعالیٰ کافروں باغیوں اور اپنی حدود توڑنے والوں سے راضی ہو گا کہ فرشتوں کو ان کی سفارش کی اجازت دے گا۔

اِسی چیز کو سورہ ھود میں ایک عام اصول کے طور پر بیان کیا۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ ○ (ہود ۱۰۵)

Marfat.com

ترجمہ: جب وہ (قیامت کا) دن آئے گا تو کسی کو بات کرنے کی مجال نہ ہوگی۔ اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کچھ عرض کرے۔ پھر کچھ لوگ اس دن بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔

یہاں اُن بھولے انسانوں کے غلط تصور کی نفی کی جارہی ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن ہمارے سفارشی ہمیں بخشوالیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اتنے چہیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بات ٹال نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ سفارش تو دور کی بات ہے کوئی ہستی اس دن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کلام بھی نہیں کر سکے گی۔ ہاں ذات باری تعالیٰ اپنے علم اور حکمت کی بنیاد پر جس ہستی کو اجازت دیں گے۔ وہ گناہگار لوگوں کے نیک اعمال کی گواہی بھی دے گی اور سفارش بھی کرے گی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روزہ اور قرآن اور بعض احادیث کے مطابق سورہ بقرہ سورہ آل عمران اور سورہ ملک بھی اپنے پڑھنے والوں کیلئے سفارش کریں گے۔ ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو شفاعت کے بلند ترین مقام، مقام محمود پر فائز کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا قیامت کے روز سب سے پہلے میں سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری سفارش قبول کی جائے گی۔ آپ کی شفاعت ہی سے جنت کا دروازہ کھلے گا۔ لیکن یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی اجازت اور حکم سے ہوں گے۔ ہمیں تو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس دنیا میں اچھے اعمال کریں تا کہ آخرت میں پیغمبر ﷺ کی شفاعت کا مستحق قرار پائیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ تعالیٰ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

"ہر نبی کو ایک مقبول دعا کا حق دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہر نبی نے اپنی یہ دعا دنیا میں پیش کر دی البتہ میں نے اپنی دعا کو امت کی شفاعت کے لئے روز قیامت تک محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ میری دعا ہر اس امتی کے حق میں یقیناً قبول ہو گی جو شرک کے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گیا"۔

یہاں شیطان اس طرف نہ لے جائے کہ ہر کلمہ گو جس نے شرک نہ کیا ہو پیغمبر ﷺ کی شفاعت کے ذریعے جہنم سے بچ جائے گا۔ اگر یہ بات ہوتی تو پھر عبادات اخلاقیات اور باہمی فرائض و حقوق کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا:

"جس شخص نے دلی خلوص کے ساتھ "لا الہ الا اللہ" کہا روز قیامت میری شفاعت کی بدولت سب سے زیادہ خوش نصیب ہوگا"۔

ان احادیث سے مراد اس موقع کی شفاعت ہے جب آپ ﷺ اپنی امت کے گناہگار کلمہ گو مسلمانوں کو جہنم سے نکالنے کیلئے دربار خداوندی میں "امتی امتی" کی درخواست کے ساتھ پیش ہوں گے۔ اس وقت باری تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ جس آدمی کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو جہنم سے نکال لو۔

میرے بھائیو! سوچنے کی بات ہے کیا جہنم کی ہولناک سزا ایک لمحہ بھی برداشت کرنا آسان ہوگی یہاں تو یہ پتہ بھی نہیں کہ گناہگار کلمہ گو کتنا عرصہ جہنم میں رہیں گے۔

-----☆☆☆-----

Marfat.com

قیامت کے بارے میں چند احادیث

ا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کو اپنے سائے میں جگہ دیں گے جب کہ اس روز (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ سائے کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہ ہوگا۔

(۱)۔انصاف پر قائم رہنے والا حاکم۔

(۲)۔وہ نوجوان جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زندگی گزار دی۔

(۳)۔ایسا آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔

(۴)۔ایسے دو آدمی جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہوں۔اسی محبت کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہوں اور اسے لئے ہوئے علیحدہ ہوتے ہوں۔

(۵)۔وہ آدمی جسے کسی خوبصورت اور صاحب حیثیت عورت نے دعوت گناہ دی تو اس نے یہ کہتے ہوئے ٹھکرا دیا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔

(۶)۔وہ آدمی جس نے اتنی راز داری سے صدقہ کیا کہ جب دائیں ہاتھ نے دیا تو بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلا۔

Marfat.com

(۷)۔ وہ آدمی جس نے تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں (خوف الٰہی یا شوق الٰہی سے) آنسو بہانے لگیں"۔ (صحیح البخاری)

۲۔ حضرت کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سائے میں جگہ دیں گے"۔ (صحیح مسلم)

پانچ سوال:

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے دن کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کے حضور سے اس وقت تک قدم ہلانے کی اجازت نہ ملے گی جب تک وہ پانچ سوالوں کا جواب نہ دے گا۔

(۱) عمر کہاں گزاری۔ (۲) جوانی کہاں خرچ کی۔ (۳) مال کیسے کمایا (حلال یا حرام طریقے سے)۔ (۴) مال خرچ کہاں کیا (اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر یا بدکاریوں اور عیاشیوں پر)۔ (۵) اپنے علم کے لحاظ سے عمل کتنا کیا"۔ (سنن ترمذی)

پہلا حساب نماز کا:

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں کے اعمال میں سے نماز کا

Marfat.com

حساب ہو گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے لیکن پھر بھی فرشتوں سے کہے گا۔ دیکھو میرے بندے نے مکمل نماز ادا کی ہے یا کوئی کمی اور کوتاہی ہے اگر نماز کا معاملہ مکمل رہا تو لکھ دیا جائے گا کہ نماز مکمل ہے۔ اگر نماز میں کوئی کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے دیکھو میرے بندے نے کچھ نفل ادا کیئے ہیں اگر نامہ اعمال میں کچھ نفل نماز ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے کے فرائض کی کمی نفلوں سے پوری کر دو پھر سارا معاملہ اسی انداز پر چلے گا''۔ (مسند امام بن حنبل)

لوگوں کے باہمی معاملات میں سب سے پہلا حساب خون کا:

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے دن لوگوں کے باہمی معاملات میں سب سے پہلے خونی جھگڑوں کا فیصلہ ہوگا''۔ (صحیح البخاری)

احادیث نمبر ۴ اور ۵ کی تطبیق یہ ہے کہ حدیث نمبر ۴ میں نماز کے حساب کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے جب کہ حدیث نمبر ۵ میں خونی جھگڑوں کے حساب کا تعلق لوگوں کے آپس کے درمیان معاملات سے ہے۔

روز قیامت بدلہ چکانے کا طریقہ:

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے اپنے بھائی کی عزت یا کسی اور معاملے میں زیادتی کی ہو تو آج ہی معاف کروائے۔ ورنہ روز قیامت دینار و درہم تو ہوں گے

Marfat.com

نہیں (لہٰذا بدلہ چکانے کا طریقہ یہ ہوگا) اگر اس ظالم کے کھاتے میں کوئی نیکی ہوگی تو ظلم کی مقدار کی لحاظ سے نیکی لے لی جائے گی۔ اگر نیکی نہ ہوگی تو مظلوم کے گناہ اس ظالم کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے"۔ (صحیح البخاری)

قیامت کے دن حقیقی مفلس کون ہوگا:

۷- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت کیا "تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کسے کہتے ہیں" صحابہ نے کہا: "ہم مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال و دولت نہ ہو" تب آپ نے فرمایا:

"میری امت کا حقیقی مفلس وہ ہے۔ جو نماز روزہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے کسی کو گالی دی۔ کسی پر بہتان باندھا کسی کا مال کھایا کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا پیٹا۔ پس قیامت کے دن اس کی کچھ نیکیاں اس کو دے دی جائیں گی کچھ اُس کو (جس جس کا حق اس کے ذمے ہوگا) اور اگر لوگوں کے حقوق پورے ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس پر تھوپ دیئے جائیں گے۔ پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا"۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حساب سب سے پہلے:

۸- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہم دنیا میں سب سے آخر آنے والے ہیں۔لیکن قیامت کے روز سب سے پہلے ہوں گے۔کیونکہ ساری مخلوق سے پہلے ہمارا حساب ہوگا''۔(صحیح مسلم)

یہ امت محمدیہ کا اعزاز ہوگا کہ وہ سب سے پہلے میدان حشر میں آئے گی۔ سب سے پہلے اس کا حساب ہوگا اور سب سے پہلے وہ جنت میں داخل ہوگی۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آخری امت ہوگی۔

بلا حساب جنت میں جانے والوں کی تعداد:

۹- حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار افراد کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ان کے ذمے نہ کوئی حساب ہوگا نہ عذاب۔اور ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار آدمی ہوں گے۔اس کے علاوہ رب العزت تین مرتبہ اپنا پسہ (دونوں ہاتھوں کو کھول کر اکٹھا کر کے بھرنا جسے پنجابی میں بُک کہتے ہیں) بھر کر لوگوں کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے''۔

(مسند الامام احمد بن حنبل، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ)

Marfat.com

تین نیکیوں پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت:

۱۰- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین نیکیاں ایسی ہیں کہ جو انہیں اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنی حفاظت میں رکھے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔

(۱) ضعیف پر نرمی کرنا۔

(۲) والدین کے ساتھ شفقت سے پیش آنا۔

(۳) غلام پر احسان کرنا''۔ (جامع الترمذی)

-----☆☆☆-----

Marfat.com

باب نہم:

جنت اور دوزخ کی حقیقت

میرے بھائیو! ذرا غور کرو ہر امتحان کا ایک نتیجہ نکلتا ہے۔ اور پھر ہر نتیجہ کا ایک اچھا یا برا پھل ملتا ہے۔ اگر امتحان بغیر نتیجہ یا نتیجہ بغیر پھل یا معاوضہ ختم کر دیا جائے تو سارا امتحان ہی مہمل ہو جائے۔ انسان کو اس دنیا میں امتحانی پرچہ دے کر بھیجا گیا۔ جس کا نتیجہ روز قیامت سنایا جائے گا۔ جو خوش قسمت انسان اللہ تعالیٰ اور پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر قیامت کے دن کامیاب ہو گیا اس کی نیکیاں برائیوں پر سبقت لے گئیں۔ اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ لیکن جو بد نصیب اس دنیا میں اپنی خواہشات کا غلام بن کر شیطانی راستہ پر چلتا رہا۔ اس کی برائیاں نیکیوں پر سبقت لے گئیں جس نے اللہ تعالیٰ کی اتھارٹی کو چیلنج کیا وہ جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ جہنم کا دوسرا نام دوزخ بھی ہے۔ اور جنت کو بہشت بھی کہتے ہیں۔

جہنم یا دوزخ کیا ہے:

جہنم یا دوزخ کافروں، مشرکوں، ظالموں، منافقوں، دہریوں اور اللہ تعالیٰ کے باغیوں کا ٹھکانہ ہے۔ جنہیں قیامت کے روز حساب کتاب کرنے کے بعد اس میں پھینکا جائے گا۔ یہ آگ کا ایک گڑھا ہوگا جس کا ایندھن انسان اور پتھر

Marfat.com

ہوں گے اس کی وسعت اتنی ہوگی کہ ہمیشہ ھَل من مَزِید کہہ کر انسانوں کی طلب کرے گا۔ گہرائی اتنی ہوگی کہ اگر ایک پتھر اس کے منہ پر پھینکا جائے تو اس کی تہہ میں پہنچتے پہنچتے ستر سال لگ جائیں گے۔ دوزخ کو چار دیواریں گھیرے ہوئے ہوں گی۔ ان میں سے صرف ایک دیوار کی چوڑائی طے کرنے کے لئے چالیس سال چلنے کی مسافت درکار ہوگی باری تعالیٰ نے قرآن میں بار بار اس کا ذکر بیان کرتے ہوئے انسانوں کو متنبہ کیا ہے کہ لوگو! اس سے بچنے کا انتظام اسی دنیا میں کرلو۔ یہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ چنانچہ قرآن میں و بئس المصیر و ساءَت مصیراً کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں تا کہ انسان اس کی ہولناکیوں کا شعور پا کر راہ راست پر آجائیں۔

دوزخ کی آگ کی شدت:

رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ کو ایک ہزار سال تک دھونکا گیا تو اس کی آگ سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا تو اس کی آگ سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا تو اس کی آگ سیاہ ہوگئی۔ چنانچہ دوزخ اب سیاہ اندھیرے والی ہے۔ (ترمذی)

بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری یہ آگ جس کو تم جلاتے ہو دوزخ کی آگ کا سترواں (۷۰) حصہ ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ دوزخی اگر دنیا کی آگ میں آجائیں تو ان کو نیند آجائے یعنی دنیا کی آگ دوزخ کی آگ سے اتنی ٹھنڈی ہے کہ دوزخی اس میں

Marfat.com

آ کر آرام محسوس کرنے لگیں اور انہیں نیند آ جائے۔

باری تعالیٰ نے قرآن میں بھی دوزخ کی آگ کی شدت کا مختلف انداز میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ○ (الفرقان ۱۲)

ترجمہ: جب وہ آگ انہیں دور سے دیکھے گی تو یہ (کافر لوگ) اس کا غصے سے بھرنا اور دھاڑنا سنیں گے۔

کافروں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو دیکھ کر آگ کا بپھرنا اور غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے دھاڑنا آگ کی شدت کو ظاہر کرتا ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ○ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ

(الملک: ۷-۸)

ترجمہ: جب وہ (کافر) اس میں ڈالے جائیں گے تو اس (جہنم) کی بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی۔ قریب ہے کہ (ابھی) غصے سے پھٹ جائے۔

یعنی جب کافر دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو یہ گدھے کی طرح قبیح آوازیں نکال رہی ہوں گی اور آگ پر ابلتے ہوئے پانی کی طرح جوش مار رہی ہو گی۔ ایسا لگے گا کہ وہ انتہائی غیض و غضب میں آ کر پھٹ پڑے گی۔ جہنم کی یہ کیفیت اس کی آگ کی شدت کا شعور دلانے کے لئے ممکن ہے تمثیلاً بیان کی گئی ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے جہنم کو یہ شعور عطا فرما دے کہ وہ ہولناک آوازیں بھی نکالے اور انتہائی غصے کا اظہار بھی کرے۔

Marfat.com

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُO الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِO اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌO فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍO (الھمزۃ:٦-٩)

ترجمہ: وہ (جہنم کی آگ) اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہو گی جو دلوں پر چڑھتی جائے گی۔ وہ ان پر ہر طرف سے بڑے بڑے ستونوں میں بند کی ہو گی۔

یہاں جہنم کی آگ کی شدت دو خصوصیات سے ظاہر کی گئی ہے ایک تو یہ کہ اس کی حرارت دل تک پہنچے گی۔ دنیا کی آگ بھی انسان کو جلاتی ہے۔ لیکن اس کا اثر دل تک پہنچنے سے پہلے ہی انسان مر جاتا ہے۔ جہنم میں چونکہ موت نہیں ہو گی۔ اس لئے آگ کی شدت جسم کے ہر اعضا حتیٰ کہ اس مقام جو فاسد عقائد اور ناپاک خواہشات کا مرکز تھا تک پہنچے گی۔ دوسرا یہ کہ یہ آگ ہر طرف سے بند ہو گی۔ کوئی دروازہ اور جھری نہیں رکھی جائے گی۔ تا کہ تپش میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِO كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌO (المرسلات:٣٢-٣٣)

ترجمہ: وہ (جہنم کی) آگ محل جیسی بڑی بڑی چنگاریاں پھینکے گی (جو اچھلتی ہوئی یوں محسوس ہوں گی) گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔

یعنی جہنم کی ایک ایک چنگاری اتنی بڑی ہو گی جیسے کوئی محل یا قلعہ۔ اور پھر جب یہ بڑی بڑی چنگاریاں اُڑ کر پھٹیں گی اور چاروں طرف اڑیں گی تو ایسا محسوس ہو گا جیسے زرد رنگ کے اونٹ اُچھل کود کر رہے ہوں۔

دوزخ میں عذاب کی کیفیت:

قرآن میں انسانوں کو دوزخ اور عذاب دوزخ کی مختلف کیفیات بتائی گئی

Marfat.com

ہیں۔ تا کہ نڈر اور مغرور انسان خوف کھا کر راہ رست پر آ جائیں۔ لیکن متکبر خود غرض اور خود پسند انسانوں کا مسئلہ شروع ہی سے یہ رہا ہے کہ انہوں نے پیغمبروں کی باتوں اور وحی الٰہی کو سچا مانا ہی نہیں۔ قیامت اور جزا و سزا پر یقین ہی نہیں کیا۔ اگر مانا بھی ہے تو غلط تصورات اور جھوٹی امیدوں کے ساتھ۔ لیکن نسل انسانی کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کا ایک ایسا گروہ بھی رہا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی وعیدوں اور پیغمبروں کی باتوں کو سچا مانا۔ اور حق بات پر ڈٹ کر اللہ تعالیٰ کے باغیوں کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں سے محبت کرتا ہے لہٰذا ظالموں متکبروں اور حق سے منہ موڑنے والوں کو دوزخ کے عذاب کی مختلف کیفیات بتا کر متنبہ کرتا ہے کہ کسی طرح راہ راست پر آ کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔ اور پھر جھگڑالو انسان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عذر بھی پیش کرتے کہ ہمیں عذاب کی ان ہولناکیوں کے بارے میں بتایا نہیں گیا تھا۔ ورنہ ہم ضرور ڈر کر پیغمبروں کی بات مان لیتے۔ بہر حال یہ تو طے ہے کہ اس عذاب سے وہی انسان ڈرے گا جو قیامت اور حساب کتاب پر پختہ یقین رکھتا ہو اور جس کے دل میں کوئی شک اور تردد نہ ہو۔ رہا وہ شخص جو قیامت اور دوسری زندگی پر یقین ہی نہیں رکھتا اور مذہب کو ایک مخصوص طبقے کا ڈھونگ قرار دیتا ہو۔ یا اللہ تعالیٰ کی ہستی اور حساب و کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہٹ کر کوئی سوچ رکھتا ہو وہ کیونکر کسی عذاب سے ڈرے گا۔ جب کہ وہ کسی ایسے عذاب کو مانتا ہی نہیں۔

Marfat.com

اب ذرا قرآنی آیات پر غور کیجئے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ق وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ (الحج:۱۹-۲۲)

ترجمہ: یہ دو فریق (کفار اور مومنین) جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کرنے والے ہیں تو ان میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں ان کے پیٹ کے اندر سب چیزیں گل جائیں گی۔ ان کی خبر لینے کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ جب کبھی گھبرا کر وہ جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے (اور کہا جائے گا) کہ اب جلنے کی سزا کا مزہ چکھو۔

آگ کے لباس کا مطلب یہ ہے کہ آگ ہر طرف دوزخیوں کو ڈھانپ لے گی۔ ذرا جہنم کی سزا کا تصور کیجئے۔ دوزخیوں کے سر لوہے کے ہتھوڑوں سے کچل کر اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ جو کھال کو کاٹ کر پیٹ کے اندر تک پہنچے گا۔ اور پیٹ کے اندر سب چیزیں (مثلاً انتڑیاں اوجڑی) بھی گل کر باہر نکل پڑیں گی اور پھر یہ عمل بار بار دہرایا جائے گا کیونکہ جنت اور جہنم کی زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اگر کبھی اہل جہنم سزا سے گھبرا کر جہنم سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے تو انہیں دوبارہ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا جائیگا کہ یہ سزا

Marfat.com

تمہارے کرتوتوں کا بدلہ ہے۔ اسے اب بھگتو۔ یہ آیت اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ کفار کبھی جہنم سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکیں گے۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ (الزمر ۱۶)

ترجمہ: انہیں (دوزخیوں کو) اوپر نیچے سے آگ کے (شعلے مثل) سائبان (کے) ڈھانک رہے ہوں گے۔

مطلب یہ کہ دوزخیوں کے اوپر نیچے آگ ہی آگ ہو گی۔ جس میں وہ جھلستے رہیں گے۔

جہنمیوں کی شکل اور چہروں کے بارے میں فرمایا:

تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كٰلِحُوْنَ ○ (المؤمنون ۱۰۴)

ترجمہ: آگ ان کے چہروں کی کھال چاٹ جائے گی۔ اور ان کے جبڑے باہر نکل آئیں گے۔

یعنی آگ جہنمیوں کے چہروں کو جھلسا کر اس طرح مسخ کر دے گی۔ جیسے بکرے کی بھنی ہوئی سری۔ ہونٹ سکڑ کر دانتوں کے پیچھے چلے جائیں گے۔ اور دوزخیوں کی صورت بدشکل اور ڈراونی ہو جائے گی۔

كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ (یونس ۲۷)

ترجمہ: گویا کہ ان (دوزخیوں) کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔

یعنی دوزخیوں کے چہرے اس قدر سیاہ و تاریک ہوں گے گویا اندھیری

Marfat.com

رات کی تہیں اُن پر جما دی گئی ہیں۔

عادی مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے۔ انہیں بیڑیاں اور طوق پہنائے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔ اور جب انہیں جسمانی سزا دی جائے تو ہل نہ سکیں۔ دوزخی بھی اسی سزا کے مستحق ہوں گے۔ لیکن وہ بیڑیاں اور طوق بالکل مختلف قسم کے ہوں گے۔ جیسے فرمایا:

خُذُوہُ فَغُلُّوہُ ○ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوہُ ○ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُھَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعاً فَاسْلُکُوْہُ ○ (الحاقہ ۳۰-۳۲)

ترجمہ: (حکم ہوگا) اسے پکڑو۔ پھر اِسے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔ پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے جکڑ دو۔

یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ دوزخیوں کو طوق پہنانے کا حکم ہوگا۔ اور پھر ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑنے کا۔ یہ ہاتھ یا گز ہمارے ہاں کے نہیں ہوں گے۔ ان کا طول اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن ایک چیز عیاں ہے کہ زنجیر کی لمبائی ستر ہاتھ بیان کر کے جکڑنے کی شدت نمایاں کرنا مقصود ہے ورنہ عام زندگی میں زنجیر کا طول پانچ دس ہاتھ سے زیادہ نہیں ہوگا۔

سورہ ابراہیم میں یہی چیز ایک اور انداز میں بیان کی گئی ہے۔

وَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ○ سَرَابِیْلُھُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰی وُجُوْھَھُمُ النَّارُ۔ (ابراہیم ۴۹-۵۰)

ترجمہ: آپ اس دن گناہگاروں کو دیکھیں گے کہ وہ زنجیروں میں باہم جکڑے

Marfat.com

ہوئے ہیں۔ ان کے لباس تارکول کے ہوں گے۔ اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانکے ہوئے ہوگی۔

یعنی ایک نوعیت کے کئی مجرم زنجیروں میں جکڑے جائیں گے۔ جیسے آجکل پولیس والے پیشی کے لیئے لائے جانے والے ایک ہی جرم کے مجرموں کو مختلف ہتھکڑیاں ڈال کر ایک ہی پیٹی سے جکڑ دیتے ہیں۔ دوزخیوں کے لباس تارکول کے ہوں گے جو فوراً آگ پکڑ لیتی ہے۔ پھر جیسے جہنم کی آگ تند و تیز ویسے وہاں کی تارکول فوری آگ پکڑنے والی۔ پھر انسان کا چہرہ ظاہری اعضا میں سب سے اشرف عضو ہے۔ انسان جسم پر دس تھپڑ کھالے گا۔ لیکن چہرے پر ایک تھپڑ کھانے کو تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا مجرموں کو جکڑنے اور باندھنے کے ساتھ ساتھ یہ بتانا کہ ان کے لباس تارکول کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانک لے گی عذاب کی شدت کی انتہا ہے۔

دوزخیوں کا کھانا پینا:

جہنم میں دوزخیوں کا داخلہ بھی بڑے ذلت آمیز طریقے سے ہوگا۔ وہ شدت پیاس سے بے حال ہوں گے اور منہ کے بل جہنم میں گھسیٹ کر لے جائے جائیں گے۔ جیسے فرمایا:

وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ○ (مریم ۸۶)

ترجمہ: اور ہم گناہگاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔

Marfat.com

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ (القمر ۴۸)

ترجمہ: جس دن وہ (گناہگار) اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اوران سے کہا جائے گا کہ) دوزخ کی آگ کا مزہ چکھو۔

جب دوزخی اس حالت میں جہنم میں داخل ہوں گے۔ تو وہاں بھوک پیاس کی احتیاج تو ہوگی فوراً پانی اور کھانا مانگیں گے۔ ممکن ہے یہ سمجھ رہے ہوں کہ پچھلی دنیا میں بڑے بڑے مجرموں کو سزا کے بعد بھی کھانا تو ملتا تھا چاہے کتنا ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن میرے بھائیو! یہ تو بالکل ایک الگ دنیا ہوگی۔ یہاں کی سزا کا دنیا کی سزاؤں سے کیا مقابلہ۔ یہاں تو کھانا اور پینا بھی سزا میں شامل ہوگا۔ اب ذرا دوزخیوں کی خوراک اور مشروب کے بارے میں قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیے:

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ ۝ (الحاقہ ۳۶-۳۷)

ترجمہ: اور نہ سوائے پیپ کے اس (گناہگار) کی کوئی غذا ہے۔ جسے گناہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

مطلب یہ کہ دروزخیوں کی خوراک ان کے زخموں سے نکلنے والی پیپ اور خون ہوگا۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ۝ (النباء: ۲۴-۲۵)

ترجمہ: (وہ جہنمی) اس (جہنم) میں نہ کبھی خنکی کا مزا چکھیں گے نہ پانی کا۔ سوائے گرم پانی اور زخموں کے دھون کے۔

یعنی یہ کہ دوزخیوں کو پینے کے لئے کبھی کوئی ٹھنڈی چیز نہیں ملے گی۔ یا تو وہ

Marfat.com

ابلتا ہوا پانی پئیں گے۔ جس سے آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آ پڑیں گی یا پیپ اور زخمیوں کا لہو اور کچلہو جس میں سخت تعفن اور سڑاند ہوگی۔

اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ ۙ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۛ كَالْمُهْلِ ۛ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۙ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ○ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ○ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ○ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ○ (الدخان: ۴۳-۴۹)

ترجمہ: بیشک زقوم (تھوہر) کا درخت گنا ہگار کا کھانا ہے۔ جو مثل تلچھٹ کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے۔ مثل تیز گرم پانی کے (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو اور پھر گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ (اس سے کہا جائے گا) اب یہ عذاب چکھتا جا۔ تو (دنیا میں) بڑی عزت اور اکرام والا تھا۔

یعنی دوزخیوں کا کھانا زقوم کا درخت ہوگا۔ زقوم کا ترجمہ سینڈ کیا جاتا ہے جو مشہور کڑوا اور بدبودار درخت ہے۔ لیکن یہ اسمی مشابہت ہمیں سمجھانے کے لئے۔ ورنہ جہنم کے زقوم کا یہاں کے درختوں سے کیا مقابلہ۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا "اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی اس دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو یقیناً تمام دنیا والوں کی غذائیں کڑوی ہو جائیں۔ اب بتاؤ اس کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہو"۔ (ترمذی) جب دوزخی زقوم کھائیں گے تو وہ پیٹ میں تلچھٹ یا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح کھولے گا۔ اوپر سے سر پر گرم پانی ڈالا جائے گا جو دماغ سے اتر کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل آئے گا۔ ساتھ ساتھ انہیں دنیا کی سرداری اور چودھراہٹ بھی یاد دلائی جائے گی کہ دنیا میں تم اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے تم بڑے معزز

Marfat.com

بنے ہوئے تھے۔ اب اس عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہاری ساری چودھراہٹ اور سرداری رفو چکر ہوگئی۔

وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (الکہف-۲۹)

ترجمہ: اگر وہ (دوزخی پیاس سے تڑپ کر) فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا۔ جو چہروں کو بھون ڈالے گا۔ کیا ہی یہ برا پانی ہوگا۔ اور کیا ہی (دوزخ) بری جائے قیام ہوگی۔

جب دوزخی گرمی اور پیاس کے شدت سے پانی کی فریاد کریں گے۔ تو تیل کی تلچھٹ جیسا پانی دیا جائے گا۔ جو منہ کے اندر جاتے ہی پورے منہ کو جلا دے گا۔

لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ۝ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ۝

(الغاشیہ، ۶-۷)

ترجمہ: ان (دوزخیوں) کے لئے سوائے کانٹے دار درختوں کے کچھ اور کھانا نہ ہوگا۔ جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک مٹائے گا۔

کہتے ہیں کہ ضریع حجاز میں ایک کانٹے دار درخت کا نام ہے جو اتنا کڑوا بد مزہ اور بد بودار ہے کہ اگر جانور بھی کھالے تو مر جائے۔ لیکن یہ تمثیلات ہمیں دوزخیوں کے کھانے کی کراہت اور بد مزگی کا تصور دلانے کے لئے ہیں۔ دوزخ کا ضریع کڑواہٹ بد بو اور بد مزگی کے لحاظ سے دنیوی درختوں سے کہیں زیادہ ہو گا پھر یہ کھانا ایسا ہوگا کہ نہ جزو بدن بن کر دوزخیوں کو موٹا کرے گا اور نہ اس سے ان کی بھوک مٹائے گا۔ کیونکہ اگر بھوک مٹ جائے تو کھانے کی سزا میں تعطل پیدا

Marfat.com

ہو جائے گا۔ اور دوبارہ بھوک لگنے تک دوزخی اس سزا سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ قرآن میں ایک دوسرے مقام (سورہ مزمل) پر ایسے کھانے کو "طعام ذاغصۃٍ" کہا گیا ہے۔ کیونکہ کانٹوں کی وجہ سے یہ گلے میں اٹک جائے گا۔ (اللہ تعالیٰ پناہ دے)۔

آیات بالا میں مختلف کھانوں کا ذکر ہے۔ کہیں کہا گیا کہ دوزخیوں کا کھانا زقوم ہوگا۔ کہیں کہا گیا غسلین (زخموں کا دھون یا پیپ اور کچلہو) ہوگا۔ اور کہیں بتایا گیا کہ ضریع (خاردار درخت جھاڑی یا گھاس جو سوکھ کر کانٹے باہر نکال گیا ہو) ہوگا۔ ان میں کوئی تضاد نہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جرم کے لحاظ سے دوزخ کے بہت سے درجے ہوں۔ اور ہر دوزخی اپنے اپنے جرم کے مطابق مختلف کھانے حاصل کرے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی دوزخی اگر ایک کھانے سے بچنا چاہے تو اسے دوسرا دے دیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی وقت ایک دوزخی کو زقوم دے دیا جائے اور دوسری دفعہ غسلین یا ضریع دے دیا جائے۔ یہ بہر حال طے ہے کہ دوزخیوں کو کوئی مرغوب غذا کبھی نہیں ملے گی۔

جنت یا بہشت

قیامت کے دن جو نیک بخت انسان کامیاب ہوں گے۔ جنہوں نے دنیوی زندگی میں اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ اور پیغمبروں کے بتائے ہوئے اصولوں کے تابع کر دیا تھا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کی

Marfat.com

حقانیت کو نہ صرف سچے دل سے مانا تھا۔ بلکہ ان کے تقاضوں کے مطابق عمل بھی کیا تھا۔ وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جنت یا بہشت نیک اور صالح لوگوں کا گھر اور ہمیشگی کا ٹھکانہ ہے۔

جنت کا نام:

کسی چیز کی حقیقت اس کے ناموں سے ظاہر ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ نے قرآن میں انسانوں کو جنت کا تصور دلانے کے لئے اسے مختلف ناموں سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:

اَلْجَنَّةُ	باغ
جَنّٰتُ النَّعِیْم	نعمت کے باغات
جَنَّةُ الْخُلْد	بقائے دوام کا باغ
جَنّٰتُ عَدْنٍ	دائمی سکونت کا باغ
جَنّٰتُ الْمَاوٰی	پناہ کے باغات
فردوس	باغ
رَوْضَةٌ	چمن
دَارُ الْخُلْد	ہمیشگی کا گھر
دارُ المقامة	قیام کا گھر
دارُ السلام	امن اور سلامتی کا گھر

ان ناموں سے جنت کا جو تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جنت

Marfat.com

ایک پر کیف باغات والا گھر ہے۔ جس کی لذتیں جاودانی مسرتیں غیر فانی اور آرام وسکون لاثانی ہے۔ جہاں زندگی ہے موت نہیں۔ لذت ہے الم نہیں خوشی ہے غم نہیں۔ اطمینان ہے اضطراب نہیں۔ شادمانی ہے پریشانی نہیں۔ سلامتی ہے خطرہ نہیں۔

جنت کا حقدار کون ہوگا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ (النساء:۱۲۲)

ترجمہ: اور جولوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جہاں جہاں بھی انسانوں کو جنت کی خوشخبری دی وہاں ایمان اور عمل صالح کی شرط عائد کی ہے۔ بیسوں مقامات پر جنت کی خوشخبری سے پہلے آمنو وعَمِلُ الصلحت کی تکرار ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر یہ خوشخبری متقین، مومنین، مہاجرین، مجاہدین، اور مستغفرین کو بھی دی گئی ہے۔ لیکن یہ سارے اعمال دراصل ایمان اور عمل صالح کا حصہ ہیں۔ اس لئے ایمان اور عمل صالح کے تحت ہی گنے جائیں گے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جنت حاصل

Marfat.com

کرنے کے لئے بنیادی شرط حقیقی ایمان اور عمل صالح ہے۔

حقیقی ایمان اور عمل صالح پر مفصل بحث پچھلے ابواب میں گزر چکی ہے۔ ایک دفعہ اسے دیکھ لیا جائے۔ ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جنت کا تعلق حقیقی ایمان سے ہے نہ کہ قانونی ایمان سے۔ بلکہ قرآن میں سوائے ایک آدھ مقام کے جہاں بھی ایمان کا ذکر ہے۔ اس سے مراد حقیقی ایمان ہے۔ حقیقی ایمان سے مراد ہے سچے دل اور پورے یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ذات وصفات پر بلاشرکت غیرے ایمان لے آنا اور اسی یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں اور یوم آخرت کو ماننا۔ اِس ایمان کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان عمل صالح بھی کرے گا۔ کیونکہ اگر ایک انسان پیغمبروں اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آسمانی کتابوں کو برحق مانتا ہے۔ تو وہ پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی تعلیم اور احکامات کو بھی برحق سمجھ کر ان پر عمل کرے گا۔

لٰہذا حقیقی ایمان اور عمل صالح میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے قرآن میں آمنوٗ کے ساتھ وَعَمِلُ الصلحٰت کا اضافہ کیا ہے۔ تاکہ بھولا انسان یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ صرف زبانی اقرار سے ہی جنت مل جائے گی۔ دراصل عمل صالح ہی حقیقی ایمان کا ٹیسٹ ہے۔ حقیقی ایمان تب ہی مانا جائے گا جب کوئی انسان اس کے تقاضے پورے کرے۔ اگر کوئی کہے کہ میں پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کو تو مانتا ہوں۔ لیکن ان کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کرنا میرے لئے مشکل ہے۔ تو سمجھ لیجئے کہ اس نے دل کی سچائی اور یقین کی گہرائی سے

Marfat.com

پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کو مانا ہی نہیں۔ اور یہی قانونی ایمان ہے۔ جس کا اُخروی فلاح اور جنت سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرنے سے جنت مل سکتی تو بہت کم ایسے بیوقوف ہوتے جو یہ اقرار نہ کرتے۔ آخر منافقین بھی تو زبان سے ایمان کا اقرار کرتے تھے۔ بلکہ وہ تو دکھاوے کے عمل صالح بھی کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جہنم کے نچلے گڑھے میں جائیں گے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے عبادات باہمی معاملات اور اخلاقیات کے جو ضابطے مقرر کیے ہیں وہ کس کھاتے میں جائیں گے۔ انسانوں کے اچھے اعمال ہی انسانی زندگی کی ضمانت ہیں۔ اگر انسانوں کو جنت کا لالچ یا جہنم کا خوف نہ ہوتو ہر آدمی طاقت کے ذریعے اپنی بات منوائے گا۔ اور زمین میں فساد برپا ہو جائے گا۔ لہٰذا ایمان کیساتھ عمل صالح کا ہونا دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ضروری ہے۔

جنت کی نہریں:

قرآن میں اکثر مقامات پر جہاں بھی جنت کا ذکر ہے۔ وہاں لفظ جنت کے ساتھ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰر کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی جنت ایک ایسا باغوں بھرا گھر ہوگا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ دراصل اللہ تعالیٰ نہروں کا ذکر کر کے انسانوں کو جنت کی خوبصورتی خوشنمائی اور ایک پرکشش مقام کا تصور دلانا چاہتے ہیں۔ ورنہ ان نہروں اور باغوں کا ہمارے باغات اور نہروں سے کیا

Marfat.com

مقابلہ۔ اور پھر وہ نہریں گدلے پانی کی نہریں تو نہیں ہوں گی۔ قرآن میں ان نہروں کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ (محمد ۱۵)

ترجمہ: پرہیزگاروں کیلئے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ اس میں نہریں بہہ رہی ہوں گی نتھرے ہوئے پانی کی اور نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسے دودھ کی جس کے مزے میں ذرا فرق نہ آیا ہوگا۔ اور نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسے شراب کی جو پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگی۔ اور نہریں بہہ رہی ہوں گی صاف شفاف شہد کی۔

یہاں درج ذیل چار نہروں کا ذکر فرمایا جو جنت میں جنتیوں کے لئے بہہ رہی ہوں گی۔

۱- نتھرے ہوئے پانی کی نہریں۔ جیسے آج کل منرل واٹر جو صرف اُمرا کو میسر ہے لیکن جنت کا منرل واٹر نہروں کی شکل میں ہر جنتی کو اس کی خواہش کے مطابق میسر ہوگا۔ یہ صرف اس لئے کہ بعض دفعہ جنتی لذیذ مشروبات سے ہٹ کر سادہ پانی کی خواہش ظاہر کریں گے۔ جیسے ہماری اس زندگی میں بھی کئی شرفا اور نفیس لوگ کھانے کی دعوتوں میں کسی لذیذ مشروب کی بجائے سادہ پانی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور پھر پانی زندگی کا جزو بھی تو ہے۔

Marfat.com

۲- ایسے دودھ کی نہریں جن کا ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوگا۔ تازہ دودھ کچھ دیر یا کچھ عرصہ کے بعد خراب ہو جاتا ہے۔ یا اپنا ذائقہ تبدیل کر لیتا ہے۔ لیکن جنت کی نہروں کا دودھ ہمیشہ ایک ہی رنگ اور ایک ہی ذائقے میں میسر ہوگا۔

۳- لذیذ شراب کی نہریں۔ لیکن جنت کی شراب اس دنیا کی شراب کی طرح نہیں ہوگی جس سے انسان نشے میں مخمور ہو کر گالیاں بکتا ہے۔ یا جس کو پی کر سر چکرانے لگتا ہے۔ یا صحت کو نقصان ہوتا ہے۔

۴- صاف وشفاف شہد کی نہریں جن میں تکدر تو کہاں جھاگ تک نہیں ہوگی۔

ان چاروں نہروں میں سے ہر نہر کا مشروب انسان کی ایک خاص فطری ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ پانی تو جزو زندگی ہے دودھ انسان کی غذائے لطیف ہے۔ شراب سرود ونشاط کی چیز ہے۔ اور شہد کو انسانوں کے لئے شفا قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ان دنیوی مشروب کا ذکر ہمیں سمجھانے کے لئے کیا گیا ہے۔ حقیقت میں جنتی مشروب اور دنیوی مشروب کا رنگ ذائقے اور خوشبو میں کوئی مقابلہ نہیں۔

اوپر والی آیات میں ایک چیز قابل غور ہے۔ متقین اور حقیقی ایمان کے حامل انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کی خوشخبری ایک وعدے کے طور پر دی ہے۔ اب ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے وعدے میں کون شک کر سکتا ہے۔ اس سے انسانوں کا یقین پختہ کرنا مقصود ہے۔ تا کہ وہ خوش ہو کر جنت حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔ اس کے مقابلے میں شیطانی وعدے سراسر دھوکہ اور فریب ہیں۔

Marfat.com

لیکن انسان کی فطرت بھی بڑی عجیب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدے پر کم اعتبار کرتا ہے۔ لیکن شیطان کے پر فریب وعدوں پر فوراً یقین کر لیتا ہے۔ دراصل یہی اِس کا امتحان ہے۔

جنت کی نعمتیں:

جنت میں جنتیوں کو دو قسم کی نعمتیں ملیں گی۔ ایک روحانی نعمتیں جن سے دل کو خوشی اور روح کو تر و تازگی ملے گی۔ دوسری جسمانی نعمتیں جن کا تعلق جنت کے کھانوں مشروبات اور جسم کو آرام اور سکون پہچانے والی دوسری آسائشات سے ہوگا۔

روحانی نعمتیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَعْرِفُ فِی وُجُوْھِھِمْ نَضْرَۃَ النَّعِیْمِ ○ (المطففین-۲۴)

ترجمہ: تو ان (جنتیوں) کے چہروں سے نعمتوں کی تر و تازگی پہچان لے گا۔

یعنی جنتیوں کے چہرے اتنے پر رونق اور تر و تازہ ہوں گے کہ وہ اپنے چہروں سے ہی پہچان لئے جائیں گے کہ وہ جنتی ہیں۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا ○ اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا۔ (الواقعہ:۲۵-۲۶)

ترجمہ: نہ وہ وہاں بکواس سنیں گے نہ گناہ کی بات۔ صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی۔

اس دنیا میں باہمی جھگڑوں اور اختلاف و نزاع سے دلوں میں بغض و عناد

Marfat.com

پیدا ہوتا ہے۔ جنت نہ صرف ان تمام اخلاقی گندگیوں اور بے ہودگیوں سے پاک ہوگی بلکہ وہاں سلام ہی سلام کی آوازیں گی۔ یہ سلام کی آوازیں فرشتوں کی طرف سے بھی ہوں گی۔ اور آپس میں اہل جنت کی طرف سے بھی یہ سلام اور سلامتی کا ترانہ ہر وقت جنتیوں کو خوش رکھے گا۔

انسان کو جب کوئی نعمت یا دولت ملتی ہے تو اس کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے کہ یہ نعمت اس کو ہمیشہ میسر رہے۔ اس سے کوئی چھین نہ لے بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی نسل بھی اس سے مستفید ہو۔ جنت کی نعمتیں دائمی اور غیر منقطع ہوں گی۔ ہر جنتی اس بات پر مطمئن ہوگا کہ اب نہ اسے موت آنی ہے اور نہ کبھی اس کو دی گئی نعمتوں کا خاتمہ ہوگا۔ یہ دائمی زندگی اور دائمی نعمتوں کا تصور دراصل جنتیوں کے سرور کا اصل اثاثہ ہوگا۔

أُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَاط (الرعد ۳۵)

ترجمہ: جنت کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہوگا۔

وَ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ O (التوبہ ۲۱)

ترجمہ: وہ باغ جن میں جنتیوں کے لئے ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍO لَّا مَقْطُوعَةٍ وَّلَا مَمْنُوعَةٍO (الواقعۃ ۳۲-۳۳)

ترجمہ: اور (جنتیوں کیلئے) پھل بکثرت ہوں گے جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان سے کوئی روک ٹوک ہوگی۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَO (الحجر ۴۸)

Marfat.com

ترجمہ: وہاں ان (جنتیوں) کو نہ کوئی غم چھوئے گا اور نہ اس (جنت) میں سے نکالے جائیں گے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جنت کا تصور دلاتے ہوئے بار بار لفظ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا۔ (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) لا کر انسانوں کے اسی فکر اور تذبذب کو دور کیا ہے۔ کہ کہیں وہ یہ نہ سوچنے لگیں کہ یہ نعمتیں عارضی یا محدود ہیں یا کہیں موت آ کر ہم سے یہ زندگی چھین لے گی۔

لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ○ (الانبیاء-۱۰۲)

ترجمہ: وہ (جنتی) دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور اپنی من بھاتی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

یعنی جنتی لوگ جہنم سے اتنے دور رکھے جائیں گے کہ وہ جہنم کی آہٹ تک نہ سن سکیں گے۔ اس کے برعکس مجرم لوگ جہنم کی دھاڑ اور چیخ و پکار دور سے سنیں گے جس سے ان کے دل دہل جائیں گے۔ جنتیوں کیلئے دوسری خوشخبری یہ ہے کہ وہ جو چاہیں گے اسی وقت مل جائے گا۔ اور وہ عیش و آرام سے ہر وقت جنت کے مزے لوٹیں گے۔

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (الانبیاء ۱۰۳)

ترجمہ: وہ بڑی گھبراہٹ (بھی) انہیں غمگین نہ کر سکے گی اور فرشتے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے (یہ کہتے ہوئے) کہ یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ

Marfat.com

کیا گیا تھا۔

یعنی جنتی لوگ قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے اور رنج والم سے محفوظ ہوں گے۔ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ ذرا غور کیجئے ان خوش قسمت انسانوں کی خوشیوں کا ٹھکانہ کیا ہوگا جن کا استقبال فرشتے کریں گے۔ فرشتے ساتھ یہ بھی خوشخبری دیں گے کہ جن دائمی نعمتوں اور خوشیوں کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

جنت میں نیک لوگوں کو جو زندگی ملے گی وہ پاک وصاف اور ہر جسمانی اور روحانی الائش سے بری ہوگی۔ جیسے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

(النحل-۹۷)

ترجمہ: جس نے مومن بن کر اچھے کام کیے خواہ مرد ہو یا عورت ہم اس کو پاکیزہ زندگی دیں گے۔

یہ پاکیزہ زندگی دنیا میں بھی ہو سکتی ہے۔ عالم برزخ میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ اسی پاکیزہ زندگی کا نتیجہ ہوگا کہ جنتیوں کو پاکیزہ گھر (و مسٰکِنَ طَيِّبَةً) پاکیزہ بیویاں (اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ) اور پاکیزہ مشروب (شَرَابًا طَهُوْرًا) ملیں گے۔

جنتیوں کیلئے ایک روحانی خوشی یہ بھی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے گا اور ان پر اپنی رحمتوں کے بارش کرے گا۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ (التوبہ-۲۱)

Marfat.com

ترجمہ: ان (جنتیوں) کو ان کا پروردگار اپنی رحمت اور خوشنودی کی خوشخبری دیتا ہے۔ اور ان باغوں کی جن میں دوامی نعمتیں ہوں گی۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث کے مطابق آنحضرت ﷺ نے یہ بشارت سنائی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل جنت سے پوچھے گا کہ کیا تم جنت کی نعمتیں پا کر خوش ہو۔ وہ عرض کریں گے اے پرودگار ان سے بہتر کیا ہے۔ باری تعالیٰ فرمائے گا: ''یہ کہ اپنی رضا مندی اور خوشی تم پر اتاروں۔ اس کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا''۔

اہل جنت کی ایک اور روحانی لذت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح ہوگی۔ یہ گویا ان کی روحانی غذا ہوگی۔ جنت کا وہ منظر جہاں ہر طرف انوار الٰہی برسیں گے۔ جہاں اونچے اونچے محل ہرے بھرے پھلوں سے لدے باغ۔ مختلف مشروبات کی نہریں سرسبز وشاداب تختے سونے چاندی کے زیورات اور برتن، زرین کمر غلام و خدام۔ ریشمی لباس، طلائی تخت، موتیوں کے ہار، شراب کے پیالے اور حسین ومہ جبیں بیویاں ہوں گی وہاں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ترانے بھی ہر طرف سے بلند ہوں گے۔ جیسے فرمایا:

دَعْوٰهُمْ فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ج وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o (یونس ۱۰)

ترجمہ: جنت میں ان کی ندا یہ ہوگی کہ اے اللہ تعالیٰ تو پاک ہے اور ان کی آپس کی دعا سلامتی ہوگی۔ اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا رب ہے۔

Marfat.com

جنت کی سب سے بڑی روحانی نعمت، اللہ تعالیٰ کا دیدار:

جنت کی سب سے بڑی روحانی نعمت اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نظارہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ کوئی انسان بھی براہ راست اللہ تعالیٰ کی تجلی کا دیدار نہیں کر سکتا۔ تاہم یا تو ان آنکھوں کو ایک خاص قوتِ دیدار دے دی جائے گی یا وہ نور مطلق کسی خاص شان میں نمایاں ہوگا۔ اس وقت عالم یہ ہوگا کہ وہ نور کا مرکز بن کر نمودار ہوگا اور اہل جنت کی مشتاق آنکھیں اس کا دیدار کریں گی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیمۃ ۲۲-۲۳)

ترجمہ: کتنے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت جریر بن عبداللہ صحابی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو بالمشاہدہ دیکھو گے۔

صحیح مسلم میں حضرت صہیب بن سنان الرومی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اللہ تعالیٰ دریافت کریں گے تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔ اہل جنت عرض کریں گے۔ ہم کس چیز کا تقاضہ کریں (پہلے ہی بے شمار نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں) کیا آپ باری تعالیٰ نے ہمارے چہروں کو منور نہیں کیا۔ کیا آپ نے ہمیں آگ سے نجات دلا کر جنت میں داخل نہیں کیا۔

Marfat.com

تب اللہ تعالیٰ اپنے پردہ جلال کو ہٹا دیں گے (تو انہیں معلوم ہوگا) کہ اپنے رب کریم کے دیدار سے بہتر کوئی چیز نہیں مل سکی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ یعنی جن لوگوں نے بھلائی کا طریق اختیار کیا ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید فضل بھی"۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو ایسے دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھتے ہو۔ اور اس دیدار میں کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہو گا۔ اس تمثیل کا ایک مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم روشن چاند کو بے شک وشبہ دیکھتے ہو اسی طرح بے شک وشبہ اپنے پروردگار کو بھی دیکھو گے۔ دوسرا یہ کہ جس طرح لاکھوں کروڑوں انسان چاند کو بیک وقت دیکھتے ہیں اور وہ ایک دوسرے میں مزاحم نہیں ہوتے۔ اس طرح کروڑوں انسان رب ذوالجلال کا بیک وقت دیدار کریں گے۔ اور کوئی بھی ایک دوسرے کے دیدار میں مانع نہیں ہوگا۔

جنت کی جسمانی نعمتیں

جسمانی نعمتوں میں انسان کی تین ضروریات بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ اور وہ ہیں روٹی کپڑا اور مکان۔ تاریخ کے ہر دور میں یہی تین چیزیں انسان کی اعتقادی تگ ودو کا محور رہی ہیں اور موجودہ دور میں سیاستدانوں نے لوگوں سے ان ہی تین چیزوں کے وعدے کر کے اقتدار تک رسائی حاصل کی ہے۔ ان تین ضروریات کے ساتھ ہی انسان کی تین خواہشات مسلک ہیں جنہیں وہ اس دنیا

Marfat.com

میں حاصل کرنے کے درپے رہتا ہے۔ اور وہ ہیں۔

۱- اقتدار اور حکومت۔

۲- نوکر چاکر اور خدمتگار۔

۳- خوبصورت بیویاں۔

اس دنیا میں بادشاہت اور حکومت تو انسانوں کو بطور خلیفہ اور امین دی جاتی ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے تضویض کردہ فرائض کو انجام دے سکیں۔ اُخروی دنیا میں چونکہ انسانوں کے ذمہ کوئی فرض نہیں ہوگا۔ اور وہ صرف جزاوسزا کی دنیا ہو گی۔ لہٰذا سارے کا سارا اقتدار اور سارے کی ساری بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی۔ وہاں مجازی بادشاہت کی نہ کوئی ضرورت ہوگی اور نہ کوئی انسان اس کی خواہش کرے گا۔

اب آیئے دیکھیں کہ قرآن جنتیوں کو اوپر بیان کردہ باقی ضروریات اور خواہشات کی کس انداز میں خوشخبری دیتا ہے۔ انسان کے لئے روٹی کپڑا اور مکان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان کے فریب سے بچنے کے لئے جنت کی جن نعمتوں کا ذکر کیا تھا وہ روٹی کپڑا اور مکان ہی تھا۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ٥ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ٥

(طٰہٰ، ۱۱۸-۱۱۹)

ترجمہ: یہاں (جنت میں) تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بھوکا رہتا ہے اور نہ ننگا۔ اور نہ پیاس اور دھوپ تمہیں ستاتی ہے۔

Marfat.com

لیکن شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک ایسی نعمت کا لالچ دیا جو انسان کی اصل کمزوری ہے۔ اور وہ ہے کسی نعمت کا دوام۔ انسان ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے کہ اسے حاصل شدہ نعمت اس سے کوئی چھین نہ لے۔ یا ختم نہ ہو جائے۔ شیطان نے اسی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور کہا:

يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ (طٰہٰ-۱۲۰)

ترجمہ: اے آدم کیا میں تمہیں اس درخت کے بارے میں بتاؤں جس سے ابدی زندگی اور لازوال بادشاہت حاصل ہو۔

کسی نعمت کی ہمیشگی کا تصور انسان کیلئے کتنی راحت کا سامان ہے۔ اس کا ذکر جنت کی روحانی نعمتوں میں ہو چکا ہے۔

جنت کے مشروبات:

کسی پسندیدہ مشروب کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کا ذائقہ اور خوشبو اچھی ہو۔ وہ وافر مقدار میں ہو۔ نفیس برتنوں میں ڈالا گیا ہو۔ کسی اچھی جگہ بیٹھ کر پیا جائے۔ پلانے والے خوبصورت اور دل موہ لینے والے ہوں۔ اور پھر پیتے وقت دل لگی خوش طبعی اور چھینا جھپٹی کا سامان ہو۔ اگرچہ جنت کے مشروبات کا ہمارے دنیوی مشروبات سے کوئی مقابلہ نہیں لیکن باری تعالیٰ نے ہمیں ان مشروبات کا تصور دلانے کے لئے ایک پسندیدہ دنیوی مشروب کی ساری خصوصیات قرآن میں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً ان مشروبات کے ذائقے اور خوشبو کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ○ (الدھر-۵)

Marfat.com

ترجمہ: بیشک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس کی آمیزش کافور کی ہے۔

وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا۔ (الدّہر-۱۷)

ترجمہ: اور انہیں (جنتیوں کو) وہاں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی آمیزش زنجبیل کی ہوگی۔

یہاں شراب طہور کے جام میں کافور اور زنجبیل کی آمیزش کا ذکر ہے۔ کافور ٹھنڈی اور زنجبیل گرم ہوتی ہے دونوں کی آمیزش جنت کی شراب کو معتدل خوشبودار اور ذائقے میں نہایت خوشگوار بنادے گی۔

شرابِ طہور کے پیالے لگاتار اور وافر مقدار میں پیش کیے جائیں گے۔

وَ كَاْسًا دِهَاقًا ۝ (النباء ۳۴)

ترجمہ: اور (جنتیوں کے لئے) چھلکتے ہوئے جام شراب ہوں گے۔

یہ جام شراب جنتیوں کی ضرورت اور خواہش کے مطابق بھرے جائیں گے کیونکہ کسی مشروب کا طلب سے زیادہ بھرا جانا بھی پینے والے کی ناگواری کا سبب بن سکتا ہے جیسے فرمایا:

قَوَارِيْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ (الدّہر-۱۶)

ترجمہ: (یہ شراب طہور) چاندی اور شیشے کے صاف وشفاف پیالوں میں ایک خاص اندازے سے بھری ہوگی۔

یہاں جام شراب کے برتنوں کی نفاست اور نزاکت کا بھی ذکر کر دیا گیا کہ وہ چاندی کی طرح سفید اور شیشے کی طرح صاف وشفاف اور نازک ہوں گے۔

Marfat.com

شراب طہور پیش کرتے وقت جنتیوں کی مجلس اور نشستوں کے بارے میں فرمایا:

مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ۝ (الدہر ۱۳-۱۴)

ترجمہ: یہ (جنتی) وہاں (جنت میں) تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔ نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ جاڑے کی سختی۔ ان (جنتیوں کے درختوں) کے سائے ان پر جھکے ہوں گے۔ اور ان کے میووں کے گچھے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں گے۔

ذرا جنتیوں کو مشروبات پیش کیے جانے کا ماحول اور منظر تصور میں لائیے۔ وہ بادشاہوں کی طرح خوبصورت اور مزین تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ نہ وہاں زیادہ گرمی ہوگی اور نہ زیادہ سردی۔ یعنی ہمیشہ موسم بہار ہوگا جب معتدل اور خوشگوار ہوائیں پھولوں کی خوشبوئیں بکھیرتی ہیں۔ درختوں کی شاخیں اور پھل پھول ان پر جھکے ہوں گے۔ اور مختلف پھلوں کے خوشے ان پر اس طرح لٹک رہے ہوں گے کہ جنتی جب اور جس حالت میں چاہیں گے ان کو توڑ سکیں گے اِس خوشگوار ماحول میں شراب طہور پیش کی جائے گی۔

اس شراب طہور کی محفل میں جنتی ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے اس لئے نہیں کہ وہ نشے میں ہوں گے یا زیادہ پینے کی وجہ سے ان کی عقل میں فتور آ گیا ہو بلکہ صرف دل لگی اور خوش طبعی کے لئے وہ اپنی خوشیوں کا اظہار کریں گے۔

Marfat.com

يَتَنَازَعُوْنَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ○ (الطور-۲۳)

ترجمہ: (خوش طبعی کے ساتھ) ایک دوسرے سے جام شراب کی چھینا جھپٹی کریں گے۔ (اس شراب کے سرور میں) نہ تو بے ہودگی ہوگی اور نہ کوئی گناہ۔

یہ شراب طہور پلانے کے لئے نوعمر اور خوبصورت لڑکے ہوں گے۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ○ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ لا وَ كَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ○ (الواقعہ ۱۷-۱۸)

ترجمہ: ان (جنتیوں) کے پاس لڑکے جو ہمیشہ (لڑکے ہی) رہیں گے آمد و رفت کریں گے آبخورے اور جگ لے کر اور ایسے جام لے کر جو بہتی اور نتھری ہوئی شراب سے بھرے ہوں۔

یعنی یہ خدمت گار لڑکے نہ بوڑھے ہوں گے اور نہ ان کے خدوخال اور قد و قامت میں کوئی تغیر واقع ہوگا۔ خوبصورت اتنے ہوں گے جیسے موتی۔ جیسے فرمایا:

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ○ (الطور-۲۴)

ترجمہ: اور ان (جنتیوں) کے اردگرد ان کے نوعمر غلام چل پھر رہے ہوں گے۔ گویا کہ وہ غلاف کے اندر لپٹے ہوئے موتی ہیں۔

یعنی جس طرح موتی غلاف کے اندر صاف وشفاف رہتا ہے۔ اسی طرح وہ خدمتگار لڑکے پاک وصاف اور پاکیزہ ہوں گے۔

جنت کے باغات پھل اور محلات:

اس فانی دنیا میں جہاں انسان کے گھر میں خوشیوں کے ڈنکے بجتے ہیں

Marfat.com

وہیں حزن وغم کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ اہل وعیال اور مال ودولت کی فکر بعض دفعہ انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنا غم غلط کرنے کے لئے کسی باغ وچمن کا رخ کرے۔ انسانی فطرت ہے کہ خواہ وہ کسی بھی خطہ ارضی میں آباد ہو مگر وہ سرسبز وشاداب قطعات۔ خوشنما باغات اور کنار آب ونہر کو عیش ومسرت کا مقام سمجھتا ہے۔ جہاں پر مردہ دلوں اور پریشان سوچوں کو سکون ملتا ہے۔ باری تعالیٰ نے اسی لئے جنت کے گھر کو باغات سے تشبیہ دی ہے۔ تاکہ اس سے اُخروی عیش و عشرت اور طرب ومسرت کی پوری تصویر کھینچی جائے جو خوش قسمت اہل جنت کو میسر ہوگی۔ ایک خوشنما باغ میں نہریں اور چشمے بھی ہوتے ہیں سرسبز درختوں کے سائے اور پھلوں سے لدی ہوئی ٹہنیاں بھی ہوتی ہیں بیٹھنے کے لئے اونچی مسندیں اور خوبصورت گاؤ تکیے بھی ہوتے ہیں پسندیدہ مشروب پینے کے لئے نفیس ساغر بھی ہوتے ہیں۔ اور رہنے کے لئے چوبارے اور شاندار محل بھی ہوتے ہیں۔ پھر اس باغ کے کیا کہنے جس میں ہر قسم کا پھل ہر وقت موجود ہو۔ اور اس کے باسی اپنی مرضی کا پھل جب اور جتنا چاہیں لے سکیں جب کہ انہیں اس نعمت کی ہیشگی کا بھی یقین ہو۔

اب آیئے دیکھیں باری تعالیٰ نے قرآن میں ان باغات کی کیا تصویر کھینچی ہے۔ صرف چند آیات ملاحظہ کیجئے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوْنٍ ۝ وَّ فَوَاکِہَ مِمَّا یَشْتَہُوْنَ ۝

(المرسلٰت۔ ۴۱-۴۲)

Marfat.com

ترجمہ: بیشک پرہیزگار لوگ (جنت کے درختوں کے) سایوں میں اور جاری چشموں میں ہوں گے اور ان پھلوں میں جن کی وہ خواہش کریں۔

جنت میں سایوں سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہاں گرمی ہوگی۔ وہاں تو موسم بالکل معتدل ہوگا۔ یہ سائے انسان کی فطری خواہش کو پورا کرنے کیلئے ہوں گے۔ کہ اگر جنتی چاہیں تو جنت کے محلات اور اشجار کے سایوں سے لطف اندوز ہولیں۔

فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۙ لَّا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ؕ فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌ ۘ فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۙ وَّ زَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ ؕ

(الغاشیۃ، ۱۰-۱۶)

ترجمہ: (وہ جنتی) بلند و بالا جنتوں میں ہوں گے۔ جہاں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے۔ جہاں رواں چشمے ہوں گے (اور) اس کے اندر اونچے اونچے تخت ہوں گے۔ اور آبخورے رکھے ہوں گے۔ اور گاؤ تکیوں کی قطاریں لگی ہوں گی۔ اور مخملی مسندیں پھیلی پڑی ہوں گی۔

کوئی بے ہودہ بات نہ سننے سے جنتیوں کو روحانی تسکین ہوگی۔ پھر ایک ایک نعمت پر غور کیجئے۔ اونچے تختوں کا ذکر ایک بادشاہ یا عالی مرتبہ لوگوں کا تصور دلاتا ہے۔ رواں چشمے باغ کی خوبصورتی اور ماحول کو پرکشش بناتے ہیں۔ پھر آبخورے گاؤ تکیے اور مخملی مسندیں ہر طرف پھیلی اور بچھی پڑی ہوں گی۔ تاکہ اہل جنت کو ہر چیز تیار ملے۔ اور کسی بھی چیز کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ

Marfat.com

فِيهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبہ-۷۲)

ترجمہ: ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں سے اللہ تعالیٰ نے ان باغوں کا وعدہ کیا ہے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور (وعدہ کیا ہے) ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات کا جو سدا بہار باغوں میں ہوں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

کسی باغ کا دلکش منظر دیکھنا ہو تو اس باغ کو دیکھیں جس میں نہریں بہتی ہوں پھر اگر اس باغ میں رہنے کے لئے پاکیزہ اور موتیوں سے جڑے ہوئے محلات بھی ہوں تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ یہاں جنت کے باغات کا دلکش منظر پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ ہمیشہ جاری رہنے والی نہریں جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ صاف ستھرے اور پاکیزہ محلات جو موتی اور یاقوت سے جڑے ہوں گے۔ جن میں اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے راضی ہو جائے گا۔ جو ان کے روحانی سکون کا باعث ہوگا۔

مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ○ (الرحمٰن-۵۴)

ترجمہ: جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور ان دونوں باغوں کے میوے بالکل جھکے ہوں گے۔

یعنی جنتیوں کے بچھونوں کے استر (یعنی نیچے والا کپڑا) دبیز ریشم کا ہوگا اس

Marfat.com

سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابرا (یعنی اوپر والا کپڑا) اس سے بھی نفیس اور خوبصورت ہوگا۔ اور پھر باغات کے میوے جنتیوں کے اتنے قریب ہوں گے کہ وہ بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے بھی توڑ سکیں گے۔

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ○ (الواقعہ ۲۱)

ترجمہ: اور (مومنین کیلئے جنت میں) پرندوں کے گوشت پیش ہوں گے کہ جس پرندے کا چاہیں استعمال کریں۔

گوشت ایک لذیذ غذا ہے لیکن پرندوں کا گوشت سب سے زیادہ لطیف نفیس لذیذ ہونے کے ساتھ ساتھ قیمتی بھی ہوتا ہے۔ جسے زیادہ تر امراء اور رؤسا کا طبقہ استعمال کرتا ہے لیکن جنت میں ہر جنتی اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق جس پرندے کا گوشت چاہے گا اسے پیش کر دیا جائے گا۔

یہاں ایک چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جنت کی جتنی بھی نعمتیں قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ انکے دنیوی نام ہمیں سمجھانے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ ورنہ ان نعمتوں کا دنیوی نعمتوں سے کوئی مقابلہ نہیں۔ اسی طرح قرآن میں جتنے بھی مشروبات ماکولات محلات یا لباس بیان ہوئے ہیں ضروری نہیں کہ جنتیوں کے اختیارات انہی تک محدود ہوں۔ دراصل یہ نام تو انسانوں کو جنت کی نعمتوں کا تصور دلانے کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔ ورنہ جنت کی نعمتوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ جیسے فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

(السجدہ-۱۷)

Marfat.com

ترجمہ: کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے ان کے لئے پوشیدہ کر رکھا ہے یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

آنکھوں کی ٹھنڈک کی کیفیت چونکہ دنیوی تخیل سے بلند ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ جنت کے نعمتوں کی حقیقت علم وفہم سے پوشیدہ اور مخفی ہے۔

جنتیوں کے لباس:

اس دنیا میں ریشمی لباس اور سونے کے زیورات کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ جو وافر مقدار میں تو صرف بادشاہوں اور امراء کو میسر ہوتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے باری تعالیٰ جنت کی نعمتوں کا تصور دینے کیلئے اس دنیا کی بہترین سے بہترین چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ تا کہ انسان اپنے شعور کی حد تک ان نعمتوں کا ادراک کر سکے۔ مثلاً مشروبات میں دودھ، شہد، شراب طہور اور منرل واٹر کا ذکر کیا جو اس دنیا میں بہت ہی پسندیدہ خیال کئے جاتے ہیں۔ کھانے کے لئے مختلف پھلوں اور پرندوں کے گوشت کا ذکر کیا جن کیلئے دنیا ترستی ہے رہائش کے لئے پاکیزہ محلات اور ہوا دار چوباروں کا ذکر کیا جو باغوں کے اندر واقع ہونے کی وجہ سے بہت دلکش لگتے ہیں۔ اسی طرح جنتیوں کے نفیس لباس اور عمدہ زیورات کا تصور دینے کے لئے ریشمی لباس اور سونے کا ذکر کیا جو اس دنیا میں نفاست اور اعلیٰ رتبے کی نشانی سمجھے جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيْرٌ ۝

(الحج ۲۳)

Marfat.com

ترجمہ: ان (باغوں) میں ان (جنتیوں) کو سونے کے کنگن اور سچے موتی پہنائے جائیں گے وہاں ان کا لباس خالص ریشم کا ہوگا۔

یعنی جنتیوں کو شاہانہ لباس پہنائے جائیں گے۔ نزول قرآن کے زمانے میں بڑے بڑے بادشاہ روٗسا ریشمی لباس اور سونے اور موتیوں کے زیورات پہنتے تھے۔ خود ہمارے زمانے کے ماضی قریب میں ہندوستان کے راجے مہاراجے ایسے زیورات اور لباس پہنتے رہے ہیں۔

جنت کی عورتیں اور حوریں:

انسانی تخلیق کی ابتدا ہی سے مرد اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میں باہمی محبت اور جنسی جاذبیت اور کشش پیدا کر کے اس دنیا میں نہ صرف نسل انسانی کے تسلسل کا ذریعہ بنایا بلکہ خونی رشتے جوڑنے اور خاندانی نظام استوار کر کے باہمی تعاون توافق کا ذریعہ بنایا۔ خواہ زندگی کے کسی خانے میں جھانک کر دیکھ لیں۔ عورت مرد کی ضرورت ہے۔ اور مرد عورت کی ضرورت ہے۔ عورت مرد کے لئے اتنی پر کشش بنا دی گئی ہے کہ تاریخ میں کئی بادشاہوں، نوابوں اور مہاراجوں نے اس کی خاطر تخت و تاج اور دولت و اقتدار کو بھی لات مار دی۔ انسانوں کی اسی فطری خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے باری تعالیٰ نے جنتیوں کو بھی خوبصورت باحیا اور ہمیشہ جوان رہنے والی عورتوں اور حوروں کی خوشخبری دی ہے۔

حوروں کی حقیقت:

اس دنیا میں بھی اگر ہم عورت کی خوبصورتی بیان کرنا چاہیں تو کہتے ہیں کہ وہ ایسے ہے جیسے کوئی حور ہو۔ حور اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں موٹی ہوں۔

Marfat.com

آنکھ کی سفیدی نہایت چمکیلی اور پتلی گہری سیاہ ہو۔ رنگ گورا اور اعضا متناسب ہوں۔ جنت کے خوش قسمت مردوں کو دو قسم کی بیویاں ملیں گی۔ ایک دنیا کی وہ خواتین جو اپنے ایمان اور عمل صالح کی بنا پر جنت میں جائیں گی۔ دوسری حوریں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص جنتیوں کے لئے تخلیق کیا ہوگا۔ ہر جنتی مرد کو کتنی بیویاں ملیں گی۔ اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ مسند احمد کی ایک روایت ہے کہ ہر ادنی جنتی کو دنیاوی بیویوں کے علاوہ بہتر حوریں ملیں گی۔ ہمیں بیویوں اور حوروں کی تعداد معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اتنا طے ہے کہ اہل جنت کو دوسری نعمتوں کے ساتھ کثرت ازواج کے نعمت سے بھی نوازا جائے گا۔ اور اس دنیا کی نیک خواتین جنت میں اپنے شوہروں کو ہی دی جائیں گی بشرطیکہ وہ بھی جنت کے حقدار ہوئے۔ ورنہ وہ دوسرے جنتیوں کی بیویاں بنائی جائیں گی۔ دوسری بات یہ کہ ان دنیوی جنتی بیویوں کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حوروں سے بھی زیادہ ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں نمازیں پڑھی تھیں اور روزے رکھے تھے۔

آیئے اب دیکھیں کہ باری تعالیٰ نے قرآن میں جنتی لوگوں کی بیویوں اور حوروں کی کیا خصوصیات بیان کی ہیں۔

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ۝ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝ (الواقعہ ۳۵-۳۷)

ترجمہ: ان (اہل جنت) کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے۔ ہم انہیں باکرہ (کنواری) بنادیں گے۔ اپنے شوہروں کی عاشق اور عمر میں ہم سن۔

مطلب یہ کہ اس دنیا کی نیک خواتین جب اپنے ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے جنت میں جائیں گی۔ تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جنتی مردوں کی بیویاں بنانے کے لئے

Marfat.com

جوان بنا دے گا خواہ وہ کتنی ہی بوڑھی ہو کر کیوں نہ مری ہوں۔ نہایت خوبصورت بنا دے گا۔ خواہ دنیا میں ان کی شکل وصورت کیسی ہی کیوں نہ رہی ہو۔ کنواری بنا دے گا۔ خواہ دنیا میں وہ بال بچوں والی ہو کر ہی کیوں نہ مری ہوں اپنے شوہروں سے محبت کرنے والی ہوں گی۔ اور ان کی ہم عمر ہوں گے یعنی جنتی بھی جوان اور ان کی خوبصورت بیویاں بھی جوان۔ عمر میں ہم سن کا مطلب یہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ وہ تمام باکرہ عورتیں آپس میں ہم سن ہوں۔ اور بعید نہیں دونوں باتیں بیک وقت صحیح ہوں۔ یعنی وہ جنتی عورتیں آپس میں بھی اور اپنے شوہروں کی بھی ہم سن بنا دی جائیں۔

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ○ (الرحمن ۵۶)

ترجمہ: ان نعمتوں کے درمیان شرمیلی نگاہ والیاں ہوں گی۔ جنہیں ان جنتیوں سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا نہ ہوگا۔

شرم وحیا ہی عورت کی اصل خوبی ہے۔ یہاں جنتی عورتوں کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ حیادار اور شرمیلی ہوں گی۔ ان کی نگاہیں اپنے خاوندوں کے سوا کسی پر نہیں پڑیں گی۔ وہ باکرہ ہوں گی۔ اس سے پہلے کسی کے نکاح میں نہیں رہی ہوں گی اور نہ کسی انسان یا جن نے انہیں چھوا ہوگا۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جنت میں نیک انسانوں کی طرح نیک جن بھی داخل ہوں گے اور ان کے لئے نیک جن عورتیں اور ہم جنس حوریں ہوں گی اور ان کو کسی جن مرد نے اس سے پہلے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جوڑے ہم جنس ہی ہوں گے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ○ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ○

(الصفت ۴۸-۴۹)

ترجمہ: اور ان (جنتیوں) کے پاس نگاہیں بچانے والی خوبصورت آنکھوں والی

Marfat.com

عورتیں ہوں گی۔ایسی نازک جیسے انڈے کے چھلکے کے نیچے چھپی ہوئی جھلی۔

یہاں جنتی عورتوں کی دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ایک یہ کہ وہ شرمیلی اور اپنے شوہروں کے سوا کسی اور کی طرف نہ نگاہ کرنے والی ہوں گی۔دوسرا وہ اتنی نازک اور نفیس ہوں گی جیسے انڈے کی جھلی جو گودے اور چھلکے کے درمیان ہوتی ہے۔بعید نہیں کہ یہ وہ لڑکیاں ہوں جو اس دنیا میں کم سنی میں وفات پا چکی ہوں اور جن کے والدین جنت میں جانے کے مستحق نہ ہوئے ہوں اور وہ جنتیوں کیلئے حوریں بنا دی جائیں۔

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ○ (الرحمٰن ۵۸)

ترجمہ: (وہ حوریں) ایسی خوبصورت ہوں گی جیسے ہیرے اور موتی۔

یعنی صفائی اور چمک میں ہیرے کی طرح اور سفیدی اور سرخی میں موتی یا مونگے کی طرح ہوں گی۔صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ان کے حسن و جمال کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

''ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انکی پنڈلی کا گودا گوشت اور ہڈی کے باہر سے نظر آئے گا''۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''جنتیوں کی بیویاں اتنی حسین و جمیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف جھانک لے تو آسمان و زمین کے درمیان کا سارا حصہ چمک اُٹھے اور خوشبو سے بھر جائے''۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

-----☆☆☆-----

Marfat.com

إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ

اللہ تعالیٰ اور انسان

(نورِ قرآن میں)

مؤلف

سعد اللہ ملک ایم اے۔ ایم اے (ایڈ)

سابق ڈائریکٹر فارن ٹریڈ انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان (اسلام آباد)

زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ لاہور

Marfat.com